روحِ صحافت

امداد صابری

مکتبہ شاہراہ۔ اُردو بازار۔ دہلی ۶

136417

سنہ اشاعت

قیمت

[illegible] تاریخ صحافت اردو

ڈاکٹر [illegible] احمد علوی۔ [illegible]

[illegible] قریب ہی آتی ہے جو قوت گویائی کا سماعت سے خفا
[illegible] آئی جب عالم بجری سے [illegible]
[illegible] جیسے کسی متفکر انسان نکل چلانے کی کوشش کی
[illegible] لگے جو کہ داستان اور تاریخ کی شکل اختیار کرلی
[illegible] جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کے ابتدائی نشانات
[illegible] بہت کچھ دخل تھا۔

[illegible] نظام باست ریاست وجود میں آیا تو خبر رسانی
[illegible] آدھر کی خبر لانے اور پہنچانے والوں کا ایک
[illegible] اور مضبوط ہوتا اور عمال حکومت
[illegible] جانے لگے۔

[illegible] سلطنت ہوا تاریخ میں
[illegible] کے مدنظروں

[illegible] انسان
[illegible]

ہم نے پچھلی صدی میں دیکھ لیا تھا جس نے [illegible] کی نصف آخر میں خیال کر لی تھی لیکن ہمارے ملک میں اس کا [illegible] آغاز کے ساتھ ہوئی اور اردو میں سب سے پہلا اخبار جام جہاں نما [illegible] میں نکلا۔

جس زمانے میں ہمارے یہاں اخبارات نکلنا شروع ہوئے وہ زمانہ نہ صرف اس عظیم قدیم ملک کے لئے بلکہ برِ اعظم ایشیا کے لئے ایک نہایت ہی اہم تھا جس نے کچھ آگے چل کر مشرق کی تاریخ اور تہذیب کے نقشے بدل کر رکھ دیے۔

اگر ہم پچھلی صدی میں ذہنی سفر کریں تو قوم کی زندگی اور ذہن کا ہر گوشہ ان تبدیلیوں کا عکس پیش کرے گا۔ لیکن اخبارات و رسائل کے اوراق میں اس "جہان گذران" کا بدلتی ہوئی زندگی کی اس دھوپ چھاؤں کا جو نقشہ مل جائے گا وہ شاید ہی کہیں اور مل سکے اور ان تمام جزئیات کے ساتھ مل سکے جو ہمارے لئے ان اخبارات سے [illegible]

اگر ہم اس ریکارڈ کا جو تمام تر نہیں تو بہت کچھ کسی نہ کسی طرح محفوظ رہ گیا ہے مطالعہ کریں تو خبر نظر میں بدل جاتی ہے اور اعلام علم کی شکل اختیار کر لیتا ہے، اور ہم بڑی حد تک وثوق کے ساتھ یہ جان جاتے ہیں کہ اس دور کی تہذیبی تاریخ اور [illegible] یہ جانتے ہوئے بھی کہ پچھلی صدی میں اخبارات کی تعداد موجودہ زمانے کے مقابلہ میں [illegible] اور اشاعت بھی محدود تھا اور ان سے دلچسپی لینے والوں کی تعداد بھی ان کی [illegible] انکار ممکن نہیں، جو کچھ ان اخبارات میں ہمیں مل جاتا ہے [illegible] اور مجمل حالت میں مل جاتا ہے، اتنا کسی اور ذریعے سے [illegible] وقت گزرتا چلا جائے گا پچھلی صدی کے اخبارات کی اہمیت [illegible] بڑھتی چلی جائے گی اور ہم اپنے ذوق مطالعہ کی تسکین [illegible] اور تاریخی معلومات کے حصول کے لئے ان کی [illegible] پر مجبور ہو جائیں گے۔

ج

[illegible] سے قطع نظر اخبارات خاص طور پر اردو اخبارات کا مطالعہ اس بات کی اہمیت کو سمجھنے اور اس کی باقاعدہ تاریخ مرتب کرنے کیلئے غیر معمولی طور پر اہم ہے۔ مولانا محمد حسین آزاد کے زمانے تک ہماری ادبی تاریخ صرف شعراء اردو کا تذکرہ تھا۔ اس لئے بھی کہ اس وقت نثر میں عظیم الشان کارنامے وجود میں نہیں آئے تھے لیکن ہم جانتے ہیں کہ اسی زمانہ میں جب مولانا آزاد کو نثر کی کم مائیگی کا احساس ہوا تھا ہماری نثر نگاری اپنے سنہری دور میں داخل ہو گئی اس نے دیکھتے ہی دیکھتے ارتقا کے بہت سے منازل طے کر لئے اور آج ہمیں یہ کہنے میں تامل نہ ہونا چاہیئے کہ اردو نثر کے یہ مراحل تمام تر نہیں تو بہت کچھ اخبارات کی خاموش خدمت کے وسیلے سے طے ہوئے۔

اخبارات نے ہمیں اس زمانہ کے مسائل پر سوچنا اور لکھنا سکھایا۔ علم، ادب، تاریخ و تہذیب، مذہب و معاشرت، سیاست، قانون و ضوابط کونسا ایسا پہلو تھا جس پر اخبارات نے نہیں لکھا اور دوسروں کو لکھنے کی دعوت نہیں دی۔ اخبارات سے پہلے اردو ادب کا تعلق دہلی، لکھنؤ، حیدر آباد دکن اور کلکتہ جیسے کچھ مرکزی شہروں سے تھا۔ اخبارات نے ادب کو ہندوستان گیر بنا دیا اور چھوٹے چھوٹے شہروں میں بہت سے لکھنے والے پیدا کئے۔ پچھلی صدی کے بہت سے اخبار نویس اور ان کے مضمون نگار چاہے سرسید، آزاد، حالی اور شبلی کی طرح ہمارے بڑے نثر نگار نہ سمجھے جائیں لیکن اس سے انکار کی گنجائش نہیں کہ حالی و شبلی کی کوششوں کی کامیابی میں اخبارات اور اخبار نویسوں کی کوششوں کو بھی بڑا دخل تھا۔

تاریخ ادب کے سلسلے میں اخبارات کی اہمیت کو پچھلی صدی ہی میں محسوس کر لیا گیا تھا۔ گارساں دتاسی کے خطبات میں اسی عہد کے اہم اخبارات اور رسائل کا تذکرہ اور ان کے حوالے سے اہل علم اور اہل قلم کی نشان دہی اس کا ایک واضح ثبوت ہے۔

[illegible] کی کتاب اختر شہنشاہی [illegible] اردو اخبارات اور اخبار نویس [illegible] مذکور ہے، جو پچھلی صدی کے ربع آخر سے تعلق رکھتی

جہاد جیسے اس سلسلہ میں ایک نمایاں منزل کی حیثیت [illegible]

اس کے بعد بھی اس موضوع پر سوچا اور لکھا جاتا رہا اور [illegible]

ہوئے لیکن اس ضمن میں جو کچھ موجودہ صدی کے نصف تک ہوا وہ [illegible] ادبی اور

ادبی خدمات کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے۔

موجودہ زمانہ میں مولانا امداد صابری نے اردو اخبارات کو اپنے خصوصی مطالعہ کا موضوع بنایا۔ بعض دوسرے اسکالر اور ادیب بھی اخبارات پر تحقیقی کام کر رہے ہیں اور ان کی تحقیق سامنے بھی آچکی ہیں یہ دوسری بات ہے ان سب کام کرنے والوں کی تعداد [illegible] مولانا [illegible] سے آگے نہیں بڑھی، بہر نوع ابتک قدیم اخبارات پر جو ذخیرہ سامنے آیا ہے اس میں مولانا کا کام ضخامت و قیمت دونوں اعتبار سے قابل قدر اور لائق تحسین ہے

مولانا صابری ایک شریف علم دوست اور اچھے متمول گھرانے کے فرد ہیں لیکن اس خاندان کو رئیسانہ وضع سے زیادہ درویشانہ انداز زندگی سے دلچسپی رہی ہے مولانا کے والد مولانا شرف الحق مرحوم پر مذہب و تصوف کا گہرا اثر تھا۔ مرحوم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی اور مولانا رشید احمد گنگوہی کے خاص مریدوں [illegible] اور خلفاء میں سے تھے۔ اسی ارادت و عقیدت کا اظہار مولانا امداد صابری [illegible] اصل نام امداد الرشید صابری کا سے ہوتا ہے۔ مجاہدہ نفس اور [illegible] اس سلسلے کی ایک خصوصیت خاص ہے جس سے مولانا کا خاندان [illegible] مجاہدہ نفس کو جہادی زندگی میں بدل دیتا ہے۔ امداد صابری [illegible] زندگی ایک مجاہد کی زندگی ہے، مولانا نے اپنے خاندان [illegible] انگریزی اقتدار کے خلاف تحریک آزادی کا وطن [illegible] گذارا۔ آزادی کے بعد بھی مولانا [illegible] کے ساتھ خدمت خلق میں لگے ہوئے [illegible]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اپنی [illegible]

[illegible] ہیں کہ کس کس طرح سر کھپاتے ہیں۔ بہرحال یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے
[illegible] کی اس قدر جان سوزی اور وسائل کی قلت کے باوجود تنہا علمی کام انجام دیا،
خاص کر ایک صنف تصنیف میں۔ مولانا کی شخصیت کا ایک نمایاں پہلو رکھتی ہے وہ سیاسی
جدوجہد کا ایک سپاہی رہا [illegible] کے ساتھ وہ [illegible] ابھی ہیں اور [illegible] الاحرار
مولانا حسرت موہانی کی طرح انھوں نے جیل کی صعوبت کے ساتھ مشق سخن کو بھی جاری رکھا ہے جس کا ثبوت مولانا
کی تصانیف کا ایک لامتناہی طویل سلسلہ ہے جس میں تاریخ تحقیق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ مولانا کا اخلاص
عمل [illegible] ان کی عملی زندگی پر بھی اثر انداز رہا ہے یہی سبب ہے انھوں نے تصنیف و تالیف کا
کام جس [illegible] پہنچ گیا تھا اس لئے جس موضوع پر کام کیا۔ دلسوزی اور عرق ریزی کے
ساتھ کیا اور یہ مشہور ہے [illegible] آنکھیں بند کیں اور جھٹ کوچے میں جا نکلے۔

مولانا صابری کی دوسری تصانیف سے قطع نظر مولانا نے تاریخ صحافت اُردو کے سلسلے میں
جو کام کیا ہے اس کے لئے کتب خانہ میں محفوظ اخبارات اور کتب و رسائل کے علاوہ
جو ایک نادر علمی ذخیرہ [illegible] دور دراز مقامات پر پہنچے ہیں انہیں اور ریکارڈ اور مستند ماخذ کے
[illegible] جو کچھ لکھا ہے اس لئے وہ علمی دنیا کے شکریہ کے مستحق ہیں اور شکریہ سے زیادہ اس
[illegible] کہ بقول مولانا "ان کا آئندہ کا کام اس حسن و خوبی کے ساتھ پورا نہیں ہو سکتا جو
اس کا حق اور بحیثیت مصنف ان کی ذمہ داریوں کا تقاضہ ہے"

مولانا صابری کی تاریخ صحافت اردو کی پہلی جلد یکم جنوری ۱۹۵۳ء کو شائع ہوئی۔
[illegible] اس کا دوسرا ایڈیشن ترمیم و تنقیح اور اضافہ کے ساتھ سامنے آیا۔
[illegible] ہندوستان میں خبر رسانی کے طریقے اور اخبارات نیز ان کے
[illegible] پیش کی گئی ہے۔

[illegible] دوسری اور تیسری جلد زیور اشاعت پذیر ہوئی ہیں جن میں علی الترتیب ۱۸۵۷ء
[illegible] سال کی تاریخ ابوالمجید کی سوانح عمری اور اس دور کے سیاسی
[illegible] اور تعلیمی حالات درج ہیں۔ چنانچہ آخر شہنشاہی کے بعد صابری صاحب
[illegible] صحافت اردو کو کتابی شکل میں لانے کا اولیت کا درجہ حاصل ہے۔

ان تینوں جلدوں پر ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہی یہ اندازہ ہو جاتا
ہے کہ مولانا صابری نے ان جلدوں میں تمام اخبارات کے مطالعہ کا نچوڑ بڑی دیدہ ریزی سے
کیا کیا کچھ جمع کر دیا ہے۔ میں مولانا کے اس کام پر کسی تحقیقی یا تنقیدی رائے دینے کی پوزیشن
میں تو نہیں ہوں لیکن میرا یہ خیال ضرور ہے کہ اس میں تحقیق کی گہرائی اور مطالعہ کی وسعت دونوں موجود ہیں۔
سیاسی دنیا میں مولانا کے دوست بھی ہیں اور مخالف بھی لیکن علمی دنیا میں مولانا کا ہر مخالف بھی
[illegible] بہتر عمل کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے تمام اخبارات کے مطالعہ کے وقت اپنے ذہن کے
تمام دریچے کھلے رکھے ہیں اور اپنے سیاسی مسلک کو اپنے علمی مطالعہ سے الگ رکھنے کی کوشش کی ہے۔
حق گوئی و بیباکی مولانا کی میزان قدر میں سب سے زیادہ منزلت رکھتی ہے۔ وطن کی غلامی، غیر ملکی
اقتدار کے خلاف جہاں کہیں بھی کوئی آواز اٹھتی نظر آئی مولانا اس طرف متوجہ ہوئے اور
مولانا کی صریر خامہ نے اس کو ریکارڈ کر لیا ہے۔ اخبارات، مجاہد علماء اور مجاہد شعراء
سے شغف خاص کے باوجود مولانا نے نہ تو ان کی کمزوریوں کو چھپانے کی کوشش کی نہ ہی
ان کے مقابلہ میں دوسرے کی خوبیوں پر کوئی پردہ ڈالا۔ جس کے یہاں جو اچھی بات دیکھی اس
کی تعریف کی اور جو خامی دیکھی اس کا ذکر کیا مگر اس طرح کہ لب و لہجہ میں کہیں تلخی اور تیزابیت
نہیں آئی۔ دہلی اردو اخبار کے مدیر و مالک مولانا محمد باقر کے متعلق مولانا نے جو کچھ لکھا ہے وہ
اس کی بہترین مثال ہے۔

"مولانا محمد باقر ایک آزاد خیال، وسیع النظر، خوددار اور حق گو انسان تھے۔ ہم خیال اور وسیع المطالعہ
صحافی تھے۔ انہوں نے جو مقام حاصل کیا وہ اردو صحافت میں نظر نہیں آتا لیکن ان کے اخبار میں
[illegible] ایسی بھی جا بجا نظر آتی ہے جس سے [illegible]
آدمی سے پرخاش ہے اس کی خبر لینا چاہتے ہیں [illegible]
کی خبر اور الگ [illegible]

ـــ الفاظ اور ہر ایک فقرہ، پھر پوری عبارت کے مفہوم پر غور کیجئے خبر کا عنوان ہے "قمار بازاں"

سنا گیا ہے ان دنوں گذر قاسم خاں میں مرزا نوشہ کے مکان سے اکثر نامی قمار باز پکڑے گئے...... جن میں بڑا قمار ہوتا تھا یہ مرزا نوشہ ایک شاعر نامی اور رئیس زادہ نواب شمس الدین خاں قاتل ولیم فریزر صاحب کے قرابت قریبہ میں سے ہے۔

مولانا محمد باقر علیہ الرحمتہ نے مرزا غالب مرحوم و مغفور کے متعلق جو فقرے لکھے ہیں وہ کچھ عجیب بات نہیں ایسی چشمکیں اور طنز چلتے ہی رہتے ہیں۔ لیکن نواب شمس الدین آف لوہارو کی رشتہ داری کو جس انداز سے مولانا نے منسوب کیا ہے وہ یقیناً قابل سبق اور عبرتناک ہے، مولانا کو اگر یہ معلوم ہوتا کہ میں بھی انگریزوں کے ہاتھوں قتل ہونے کے الزام میں بے قصور شہادت کا درجہ پاؤں گا تو یقیناً نواب شمس الدین آف لوہارو کو قاتل فریزر نہ لکھتے اور مرزا غالب کا ان الفاظ میں تعارف نہ کراتے" (جلد اول ۱۹۲)

اس موقع پر ایک سے زیادہ مثالیں پیش کرنا اور مولانا کے علمی و تحقیقی نقطہ نظر پر بحث کرنا ممکن نہیں ہاں اس طرف اشارہ کرنا ضروری ہے کہ مولانا سیاسیات میں حصہ لے رہے ہیں اور صحافت کی تاریخ پر کام کر رہے ہیں لیکن موجودہ زمانہ کے سیاست پسندوں اور صحافت نوازوں کی طرح اُن کی نظر یک رُخی نہیں ہے اور مصلحت و مصالحت کے ساتھ انھوں نے کبھی بھی علمی سمجھوتہ نہیں کیا۔ انھوں نے اخبارات اور اخبار نویسوں کو پچھلی صدی کے اسی ماحول اور وسیع پس منظر میں پیش کیا جس میں وہ سانس لے رہے تھے۔

اخبارات کے نقطہ نظر اور ان کے مشتملات سے متعلق اقتباسات کو پیش کرنے میں

مولانا صابری نے زیادہ سے زیادہ تنوعِ فکر اور وسعتِ نظر کا ثبوت دیا ہے اور ان کی گوناگوں خبروں اور مضامین کے جو تراشے شامل کیے ہیں ان سے اس زمانہ کی ایک مکمل اور متحرک تصویر ہماری نگاہوں کے سامنے آجاتی ہے۔ اس وقت ہندوستان کے لوگ کس طرح اپنی زندگی گزار رہے ہیں، سیاسی نظام کے بدل جانے سے معاشی و معاشرتی تقاضوں کے پیشِ نظر ذہنوں اور زندگیوں میں جو انقلاب جنم لے رہا ہے۔ مختلف علاقوں اور طبقوں اور مختلف حلقوں میں اس کی سطح اور رفتار کیا ہے، کس طرح قدیم تہذیبی ادارے اپنی افادیت سے محروم ہوتے جا رہے ہیں اور وقت کا بے رحم ہاتھ ان کی بساطِ حیات کو الٹ رہا ہے۔ نیا نظام کس طرح اپنے تسلط کے لئے جبر و تشدد کا سہارا لیتے ہوئے آگے بڑھ رہا ہے خیر کی کیا کیا صورتیں جو اس شر کے سایہ میں جنم لے رہی ہیں کس طرح نئی نئی سوسائٹیاں بن رہی ہیں نئے علمی اور مجلسی ادارے قائم ہو رہے ہیں، نئی تہذیب کی اس روشنی سے ادب و شعور کس طرح متاثر ہو رہے ہیں، مذہبی خیالات بدل رہے ہیں، رسوم قبیحہ کی اصلاحات کی کوششیں جاری ہیں، ایک عجیب کشمکش ہے ایک عجیب آویزش ہے دھوپ چھاؤں کا ایک کھیل ہے جو ہندوستان کی بساطِ زندگی پر کھیلا جا رہا ہے، فرقہ وارانہ کشمکش اور طبقہ وارانہ سیاست، غیر ملکی طاقت کی فسوں سازی کی بدولت چپکے چپکے آگے بڑھ رہی ہے، یہ تمام داستان تاریخ صحافتِ اردو کے صفحات میں ملتی ہے۔

یہ مطالعہ ان اخبارات و رسائل کے فائلوں کی طرح ہماری [illegible] تاریخ کی بہت سی گم شدہ کڑیوں کی بازیافت کی [illegible] رسائل اس زمانہ کے اخبارات کی چھان بین کے [illegible] نے اسی کے ساتھ اخبار نویسوں کے حالات زندگی [illegible] اپنے اندازِ بیان سے اس ذکر کو افسانہ [illegible]

فہرست مضامین روح صحافت

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
(۱)	معنون	
(۲)	حضرت مولانا ناصر جلالی صاحب کے مختصر حالات زندگی ۔	۵
(۳)	سبب تالیف ۔	۱۸
(۴)	اُردو اخبارات و رسائل کا آغاز اور ان کی نوعیت ۔	۲۳
(۵)	اُردو اخبارات کے ابتدائی عہد کے حالات و مسائل ۔	۱۰۵
(۶)	قدیم علمی و صنعتی انجمنوں کے اخبارات و رسائل ۔	۱۴۴
(۷)	چند حریت پسند اخبار	۲۳۶
(۸)	چند اخبار و رسائل جن کا ذکر تاریخ صحافت اُردو میں نہیں ہے	۲۶۵
(۹)	انگریزوں کا ہندوستانیوں کے ساتھ توہین آمیز سلوک	۳۰۹
(۱۰)	اینگلو انڈین اخبارات کی ہندوستانیوں اور ان کے اخبارات سے مخالفت	۳۳۲
(۱۱)	جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی کہانی کوہ نور لاہور کی زبانی	۳۵۱
(۱۲)	ہندوستانی اخبارات قانونی شکنجہ میں ۔	۳۶۹
(۱۳)	جنگی صحافت	۴۰۸
(۱۴)	حرف آخر	۴۳۸

میں حضرت مولانا ناصر جلالی صاحب کے نام نامی سے

روحِ صحافت کو

معنون کرتا ہوں

امداد صابری

مولانا ناصر جلالی صاحبؒ کے مختصر حالات زندگی

مولانا ناصر جلالی صاحب نجیب الطرفین سید تھے۔ آپ کے جد اعلیٰ حضرت جہانیانِ جہاں گشت اور سید جلال الدین بخاری رحمۃ اللہ علیہ تھے چنانچہ آپ کا حسب ذیل شجرہ نسب ہے جو حضرت سید جلال الدین بخاری سے ملتا ہے۔

مولانا سید امیر حمزہ بن امیر علی شاہ بن وزیر شاہ بن سید باز علی بن علی شاہ بن سید شہاب الدین بن سید فتح بن سید ابراہیم بن سید لعل بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن عبدالعزیز بن سید عبدالکریم بن سید جلال الدین بخاری بن سلطان احمد کبیر بن سید جلال اعظم شیر شاہ بخاری بن سید علی موید بن سید جعفر ثانی ذکی خلیل بن امام علی نقیؑ بن امام تقیؑ بن امام موسیٰؑ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن سیدہ فاطمۃ الزہرا بنت سیدنا محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

مولانا ناصر جلالی صاحب کے دادا سید امیر علی شاہ کی دیانتداری اور تقویٰ کی بڑی دھوم تھی ان کی صحبت و نصیحت سے بہت سے بد قماش لوگ نیک و پارسا بن گئے۔

آپ کے والد ماجد مولانا سید امیر حمزہ دہلی کے مشہور عالم و صوفی تھے۔ آپ نے ابتدائی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا اور فارسی کی کتابیں پڑھ لی تھیں۔ سرکاری مدرسہ میں انگریزی کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ اور مڈل پاس کیا۔ اس کے بعد آپ کی طبیعت عربی تعلیم پر مائل ہو گئی۔ آپ کانپور پہنچے تو مولینا عبدالحق اور مولینا فضل اللہ صاحب لکھنوی فرنگی محل سے عربی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔ ۱۳۰۰ھ میں مولوی عبدالعلیم بحرالعلوم سے سلسلہ تعلیم شروع کیا چنانچہ مولانا عبدالحلیم صاحب فرماتے ہیں۔

---

[1] حوالی نامہ دہلی مرجون ۱۹۵۶ء

"نقیہ سے دو سبق کافیہ کے بشرکت مولوی شمس الدین کرسوی اور مولوی عزت حسین نانوتوی سے پڑھے۔ اور کچھ نحو میر سنائی۔ جب راقم الحروف کے والد ماجد مولینا عبد الغنی مرحوم کا انتقال ہو گیا تھا۔ تو انھوں نے کافیہ قال اقول، قطبی، میبذی وغیرہ مولوی عبد الحئی بنگالی سے اور شرح ملا اور شرح وقایہ مولوی نظام الدین احمد سے اور نور الانوار اور مختصر المعانی موطا امام محمد وغیرہ پڑھیں۔ ان کتب کے پڑھنے کے بعد آپ یہاں سے روانہ ہو گئے۔ ان کے ذکی، متین، مہذب، عابد زاہد متشرع متصلوف، سلیم الطبع، سریع الفہم ہونے میں کوئی شک نہیں" له

۱۳۰۲ھ میں آپ گنگوہ تشریف لے گئے اور مولینا رشید احمد گنگوہی سے علم حدیث حاصل کر کے سند لی۔ اس کے بعد حضرت مولینا شاہ امداد اللہ صاحب مکی کی خدمت میں علم باطنی حاصل کرنے کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ اور بیعت کی۔ اور ایک عرصہ تک رہ کر حضرت حاجی صاحب سے راہ سلوک طے کی۔ اور سند خلافت حاصل کی۔ یہ ۱۳۱۲ھ کا واقعہ ہے۔ اسی زمانہ میں مولانا اشرف علی صاحب بھی مکہ معظمہ میں موجود تھے دونوں نے مل کر التنویر فی اسقاط التدبیر کا ترجمہ الاکسیر فی اثبات التقدیر کے نام سے اردو میں کیا۔ یہ کتاب مطبع احمدیہ کانپور میں طبع ہوئی چنانچہ اس کتاب کے صفحہ ۲ پر مولانا اشرف علی صاحب تحریر کرتے ہیں۔

"اس ترجمہ میں حضرت اخوان الطریقت، دخلان الحقیقت مولوی محب الدین پشاوری و مولوی سید حمزہ دہلوی جناب ابو احمد صاحب بھوپالی و جناب مولوی محمد ابراہیم سنبھلی سے بہت مدد ملی خصوصی جناب مولوی سید حمزہ صاحب نے سب سے زیادہ مدد فرمائی۔"

یہ ترجمہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے ارشاد کے مطابق ان حضرات نے کیا تھا۔

له روضۃ النضیر فی خوارق مولینا عبد الحلیم صاحب

آپ نے سلسلۂ فخریہ کی اجازت میاں حبیب علی شاہ صاحب حیدر آبادی سے اور سلسلۂ اشرفیہ کی اجازت میر شاہ علی حسین صاحب اشرفی سے حاصل کی [۱]

آپ چند سال ہندو کالج کے پروفیسر رہے۔ کچھ عرصہ فرنگی محل میں درس و تدریس کا سلسلہ بحیثیت ملازم قائم رکھا۔ مگر اول سے آزاد طبیعت تھے بھلا نوکری کی قید کب برداشت کرتے۔ گھر بیٹھے درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا۔ بہت سے عالم آپ کے شاگرد ہوئے جو بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہوئے۔ چنانچہ مولینا بشیر الدین خلف ڈپٹی نذیر احمد واقعات دار الحکومت میں آپ کا ان الفاظ میں تذکرہ فرماتے ہیں۔

"آپ عربی و فارسی کے منتہی اور انگریزی داں ہونے کے علاوہ زہد و تقویٰ اور شرافت خاندانی کے اعتبار سے آپ کا شمار مشاہیر دہلی میں کیا جاتا ہے۔ شعر گوئی کا بھی شوق تھا۔ آپ کا کلام درد بھرا اور تاثیر سے پر۔ اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا تھا جو لوگوں کی زبان پر چڑھا ہوا تھا۔ سخاوت کا لپکا تھا۔ پیسہ ہاتھ میں ٹکتا تھا ادھر ملا ادھر دیا۔ اپنے آپ تکلیف اٹھاتے مگر سائل کا سوال رد نہ کرتے مختصر یہ کہ باخدا بزرگ تھے [۲]

ایک مرتبہ دہلی میں بڑا خطرناک قحط پڑا۔ لوگ بھوک کی شدت سے موت کا شکار ہونے لگے۔ بارش کے لئے عوام نے بہت دعائیں مانگی۔ لیکن بارش نہیں ہوئی۔ مولانا کرامت اللہ صاحب دہلوی اور مولانا اخونجی صاحب دعائیں مانگ چکے تھے۔ لیکن پھر بھی بارش نہیں ہوئی۔ مولینا سید امیر حمزہ کو ان کا ایک معتقد ایک وسیع میدان میں بلا کرلے گیا۔ ہزاروں کا مجمع تھا جس میں ہندو مسلمان شامل تھے۔ آپ تشریف لائے دعا مانگی شروع ہی کی تھی کہ دورانِ دعا بارش ہونے لگی۔

---

[۱] یادگار دہلی ص۱۸۳ [۲] واقعات دار الحکومت دہلی دوم ص۱۳۳

مولانا سید امیر حمزہ صاحب کا دہلی میں ۸۴ سال کی عمر میں پنجشنبہ کے روز ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۵ھ کو عصر و مغرب کے درمیان انتقال ہوا۔[1]

حضرت مولانا سید امیر حمزہ مرحوم کو شعر و شاعری کا شوق تھا آپ کا کلام پر درد اور تصوف کے رنگ میں ڈوبا ہوا ہے۔ لیکن بہت کم ملتا ہے۔ اتفاقیہ طور پر دو جگہ آپ کا کلام مجھ کو ملا —— ایک تو گلدستہ مشاعرہ دہلی کے ۱۸۸۲ء و ۱۸۸۳ء کے پرچوں میں دو غزلیں دوسرے ایک کتابچہ میں جس کو میرے والد نے چھپوایا ہے۔ اس میں مولانا سید امیر حمزہ کے قصیدوں کے ساتھ مختلف شعراء کے قصیدے چھپے ہیں۔ جو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی شان میں کہے گئے ہیں ان دو غزلوں اور قصیدوں کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں ؎

بلا سے گر نہ کچھ اقرار ہوتا　　ذرا تکرار سے انکار ہوتا
نہ چلتی طور پہ وہ لن ترانی　　جو واں یہ ہاشمی دلدار ہوتا
مجھے پامال ہونے کا نہ تھا غم　　جو سنگِ آستانِ یار ہوتا
نہ تھا مشکل اٹھانا بارِ ہجراں　　نہ رشکِ غیر گر سر بار ہوتا
نہ سوتا پہلوئے دشمن میں گر کاش　　ہمارا طالعِ بیدار ہوتا
عدو قربان ہوتا، جی بجا ہے　　نہ ہوتا کیوں اجی سرکار ہوتا
نہ شیدا مول لیتا دردِ الفت
نہ یوں رسوا سرِ بازار ہوتا

مر گیا جو کہ موت سے پہلے　　گھر ہے اس کے لئے مزار کہاں
وصل میں بھی ہے ہجر کا کھٹکا　　غم سے عاشق کو ہے نجات کہاں
پھر کہو گے تجھے حیرت کیوں ہے　　پوچھتے ہو مری چاہت کیا ہے

---

[1] وصال الجمیل ص۱۵

تیری گردن پہ ہے خون عالم کا — تجھ کو دعویٰ نزاکت کیوں ہے
ایک رنگ آتا ہے اک جاتا ہے — دل بدظن کی سی نوبت کیوں ہے
عقل حیران ہے مری یا اللہ — عشق کے درد میں لذت کیوں ہے
تم تو محبوب خدا ہو شاہا — تم کو اتنا غم اُمت کیوں ہے
تم ہو مخلوق نبی آدم میں — ورنہ آدم کو شرافت کیوں ہے
در دولت کو نہ چوما ہے ہے — مری لکھی کی یہ قسمت کیوں ہے
مشکل کس منہ سے دکھاؤں شاہا — کچھ نہ پوچھو کہ ندامت کیوں ہے

قتل شیدا کو کیا خوب کیا
یہ مکرنا یہ شرارت کیوں ہے

۲۷ جنوری ۱۸۸۳ء

دل یار کا رقیب کی صحبت سے ہے اچاٹ — نیند اس کی آج میری حکایت سے ہے اچاٹ
پتھر پڑے ہیں عقل پہ ناصح کی پند سے — دل اندنوں بتوں کی محبت سے ہے اچاٹ
بوسہ بھی دے تو ضرب لگے دل پہ غیر کے — سنتا نہیں کچھ آج وہ قسمت سے ہے اچاٹ
میر مشاعرہ کی ہے خاطر سے یہ غزل — شیدا کا دل وگرنہ طبیعت سے ہے اچاٹ
یہ شب وصل میں کیوں ہوتی ہے در کی آہٹ — ہو الٰہی نہ کسی بانئ شر کی آہٹ
ایک عالم ہے مجھے نالۂ دل سے نالاں — تیرے دل کو نہ ہوئی ہائے ادھر کی آہٹ
ہم نشینو مرا دلبر نہ کہیں آتا ہو — جاؤ دیکھو تو سنی ہے یہ کدھر کی آہٹ
کس گل اندام کے آنے سے ہے سنسان چمن — شور بلبل ہے نہ ہے برگ شجر کی آہٹ

دل شیدا میں جو ہے شوق دوبالا ہمدم
ہے مقرر یہ مرے رشک قمر کی آہٹ

۲۷ فروری ۱۸۸۳ء

سنکر تمہارے عاشق کا ل ہی الغیاث — نالاں ہی شمع نکلی ہے محفل سے الغیاث
فریاد کو سنے تو وہ مشکل کو حل کرے — مشکل یہ ہے کہ نکلے ہی مشکل سے الغیاث

جب خنجر بدم کا تمہارے وہ دم بھرے | کیا بولے لب جراحت بسمل سے الغیاث
ہنگامہ دشت نجد میں برپا ہو واں اگر | نکلے شہید غمزۂ قاتل سے الغیاث
صاحب کے رُخ پہ ہے سویدا کا عکس | کس ولولے کیجے آپ کے ہیں تل کی الغیاث
بیشک یہ لامکاں پہ ٹھکانا بنائیں گے | نکلے ہے آج عشق کی منزل سے الغیاث
انداز دلبری پہ تصدق ہے جان تک | ہو گیا زبان عاشق بیدل سے الغیاث
کٹ جائے وہ زباں، وہ دل خون ہو جس میں | فریاد جس زباں سے ہو جس دل سے الغیاث
اس کے ستم میں لطف جفا میں ہے کیفیت | کیا کیجیے اسے جو ہو شمائل سے الغیاث

شیدا کا گر جناب پر سایہ پڑے تو پھر
نکلے کبھی زباں سے کبھی دل سے الغیاث

۲۴ر فروری

ہوش میں ہوں تیرے ہی آشام کیا | بے خبر ہیں صبح کیسی شام کیا
صدقے اس انداز کے ہاں پھر کہو | چل پرے ہٹ مجھ سے تجھ کو کام کیا
آج کیوں چپ چپ ہو اٹھ کر خواب سے | دال میں کالا ہے کچھ گلفام کیا
تھی مقدر میں گرفتاری لکھی! | دانہ کیا، صیاد کیا، دام کیا

نام شیدا کا سنا تو یوں کہا
اور دیوانے کا ہوتا نام کیا

۲۴ر فروری

جان کے بدلے نکالی حسرت دیدار خوب | تم نے دیئے کیوں بچا لے کیا نہ تھی تلوار خوب
واہ واہ صل علیٰ یہ حسن اور یہ خوبیاں | بات شیریں آن دلکش وضع خوش رفتار خوب
دیکھ کر اس گلشن خوبی کے عالم کی بہار | صبح دم کرتا ہے نالہ بلبل گلزار خوب
گر اسے کیفی بنا دی چشم میگوں آپ کی | پلا کے ہے مخمور کیوں ہوتا ذلیل و خوار خوب
خوب کہتا ہے کہ مر جاؤ تو حاصل ہو وصال | وا رے شوخی سمجھے یہ کیا اقرار خوب

کاش شیدا کو بتاتے رونق [illegible]

۳۰ر دسمبر ۱۸۸۲ء

یہ تو روشن ہے کہ جب بھی تھو پتے اغیار خوب

حیراں ہوں کہ گذرے ہیں کس رہگذر سے آپ | کیا جانے دل میں آ گئے صاحب کدھر سے آپ
اکسیر کی تلاش میں جاتے ہیں خود وہاں | اکسیر بن کے بنتے ہیں اس خاک در سے آپ
کھینچو گے میرے ناز کوئی دن میں دیکھنا | واقف نہیں ہیں جذبۂ دل کے اثر سے آپ
دیکھا جو چاندنی میں تو چہرہ چھپ گیا | کیا دادِ حسن چاہتے ہیں اب قمر سے آپ

فکر سخن ہے حضرتِ شیدا کو کیا ضرور

۳۰ر جنوری ۱۸۸۳ء

گوہر نکلتے ہیں کانِ گہر سے آپ

تھی ان کی وعدہ خلافی سے بیقراری رات | غضب کی بھول تھی آفت کی یادگاری رات
فلک پہ داغ ہوا مہ بہشت میں لالہ | گئی جو ماہِ عرب کی وہاں سواری رات

مدام اے شہ خوباں کہ از خوبی چہا داری | جفا رنگ وفا دارد چہ باشد گر وفاداری
سر پا گر زنی یا ہد تن بے جان جان نو | تعالی اللہ کہ اعجاز مسیحا زیرِ پا داری
بحالِ کشتگانِ خود بسا رحمت بفرمودی | جزاک اللہ اے ساقی بدستت آب بقا داری

مکن فکر سیہ کاری بیا دل خوش نشیں شیدا

۱۶ر دسمبر ۱۸۸۲ء

علاج دردِ محشر را معالج مصطفیٰ داری

جب حضرت شاہ امداد اللہ صاحب مہاجر مکی مدنی کا روح فرسا انتقال ہوا تو آپ نے حسب ذیل قطعہ قلمبند فرمایا تھا ؎

شاہ امداد مرشد آفاق | جانِ عشاق مست صہبا رفت
بے نظیرِ جہان و فخر زماں | نائب خاص شاہِ بطحا رفت
ذات او بود آفتاب منیر | فیض او جا بسوئے دنیا رفت
شاہ خوباں بکوئے جاناں رفت | خود تماشائے تماشا رفت
رفت در خواب نرگسِ شہلا | آہ ساقی بجام و مینا رفت

آه گم گشت گوہر نایاب — بہر او از دو دیده دریا رفت
برد صبر و قرار ما ہمه — تا نه گوئی که شیخ تنہا رفت
اے دل زار حال چه گشتی — جان خوبی صنم سراپا رفت
وائے برحال کشتگان الم — زانکه جان جہان مسیحا رفت
در دل و دیده ام مقام و دیت — من چه گویم که شیخ زینجا رفت
تن بیجان بہند ماند نزار — سوئے فردوس جان شیدا رفت

وه چه سال وصال ہاتف غیب
گفت مجنوں بشوق لیلا رفت

ایک قصیدہ حسب ذیل لکھا جس کے اشعار دس کے قریب ہیں۔ پانچ اشعار پیش کئے جاتے ہیں ؎

نہ شوق کعبہ تھا جی میں نہ عشق طیبہ تھا — فقط ہوس مجھے ایک شیخ کی یہاں لائی
وہ شیخ جو کہ شہنشاہِ ملک عرفاں ہیں — وہ شیخ جس نے وزارت رسول کی پائی
وہ شیخ جو کہ لٹاتا ہے فیض روحانی — وہ شیخ جو کہ بتاتا ہے سب کو دانائی
وہ شیخ جس کی نہیں ہے نظیر عالم میں — وہ شیخ جس کے ہیں عالم جہاں کے شیدائی

ہزار حمد کہ اس در پہ مجھ کو یار لا
ہزار شکر وہ درگاہ حق نے دکھلائی

اسی طرح ایک اور قصیدہ کہا ہے جس کے اشعار ۲۳ تھا۔ چند شعر ملاحظہ ہوں ؎

دل عارف میں وسوسات کہاں — قلب میں شغل لغویات کہاں
واللہ اللہ رے تیری محبوبی — سچ یہ ہے تجھ سی حق ذات کہاں
شاہ امداد فرد دوراں ہیں — ایسے جیسے اب صفات کہاں

تاریخی قطعات کہنے میں آپ کو خاص ملکہ حاصل تھا۔ چنانچہ اپنے استاد مولینا عبد الحلیم کی وفات پر آپ نے عربی، فارسی اور اردو میں حسب ذیل قطعات کہے ہے

مات شیخ کامل عبد الحلیم، ربنا الرحمن فی الخلد ادخلہ

قال حمزۃ عاجلانی راخہ شہر شعبان المکرم الجبلہ

بود شیخ زاہد عبد حلیم و اور بغاد داع شیخ شدہ

بود ہر کس بفکر تاریخش گفت شیدا وداع شیخ شدہ

عارف حق مولوی عبد الحلیم، آج رخصت ہوئے دنیا سے ہائے

بدر عرفاں آنکھ سے اوجھل ہوا، یہ قلق کیونکر دل شیدا ہائے

دیکھتے ہی ان کو رضواں نے کہا

ور ذ جنت کے مالک آج آئے

۱۲۰۰

مولانا سید امیر حمزہ کے دو صاحبزادے مولانا ناصر جلالی صاحب اور مولانا حامد جلالی صاحب ہوئے۔ مولانا ناصر جلالی صاحب دہلی میں گلی حکیم جی والی محلہ چوڑیوالان میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم آپ نے اپنے والد ماجد سے پائی کچھ دنوں مدرسہ فتحپوری دہلی میں مولانا محمد عمر صاحب سے پڑھا۔ بعدہٗ فرنگی محل لکھنؤ میں مولوی عظمت اللہ صاحب سے منطق، مولوی سلامت اللہ صاحب اور مولانا عبد الباری صاحب سے حدیث پڑھی اور مدرسہ عبد الرب دہلی میں دورہ کیا۔ اور سند حاصل کی۔

آپ نے عرصہ تک مسجد حوض والی محلہ چوڑیوالان میں وعظ کیا۔ وعظ اس انداز سے فرماتے تھے کہ جاہل داجہل بھی مشکل سے مشکل مسئلہ کو سمجھ جاتا تھا۔ سیاسی تقریر بھی بلا کی ہوتی تھی۔

مولانا ناصر جلالی صاحب بڑے وسیع القلب انسان تھے دشمن کی بڑی سی بڑی زیادتی کو خندہ پیشانی سے معاف کر دیا کرتے تھے۔ غالباً ۱۹۴۰ء کی بات ہے کہ سیاسی اختلافات کی وجہ سے ایک شخص نے آپ پر دہلی میں حویلی کلو خواص کے سامنے حملہ کر کے زخمی کیا۔ زخم کافی گہرا تھا جس کی وجہ سے عرصہ تک علاج ہوتا رہا۔ پولیس نے مقدمہ درج کیا تو آپ سے حملہ آور کا نام پوچھے آئی تو آپ نے اس کا نام بتانے سے انکار کیا حالانکہ آپ کو اس کا نام معلوم تھا۔

پاکستان بننے سے قبل آپ کا کراچی اور حیدر آباد سندھ میں کافی آنا جانا رہتا تھا جس کی وجہ سے وہاں آپ کے مریدوں کا حلقہ کافی وسیع ہو گیا تھا۔ وہیں سے آپ نے اپنا سب سے پہلا اخبار "سلامت" نکالا۔ اس کے بعد "زبان ہند" ہفتہ وار اخبار جاری کیا۔ گجرات میں اخبار "اتحاد" شائع کیا۔ ۱۹۱۳ء میں دربھنگہ میں "سبھا" نکالا، اس کے بعد ۱۹۱۵ء میں محلہ چوڑی والان دہلی سے ماہنامہ رسالہ "شعلہ" جاری کیا۔ ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ کے بعد کراچی پہنچے تو رسالہ "اذان" کراچی سے اپنے بھائی مولانا حامد جلالی صاحب کی ادارت میں نکالا۔ جس کے سرپرست آپ تھے دیگر رسالے اور اخبار اُردو زبان میں نکلے تھے۔

مولانا ناصر جلالی صاحب ۱۹۲۰ء میں کانگریس میں شامل ہوئے۔ خلافت کی تحریک میں بھی نمایاں حصہ لیا۔ ۱۹۲۲ء میں دہلی شہر کے علاوہ دیہات میں بھی کانگریس کے اغراض و مقاصد کا پرچار کیا۔ ممبر بنائے آپ سید صغیر علی کاظمی کے بعد دہلی کانگریس کی دیہاتی سب کمیٹی کے انچارج مقرر ہوئے۔ غالباً ۱۹۲۹ء میں کانگریس سے علیحدگی اختیار کی اس کے بعد مسلم لیگ میں شریک ہوئے مسلم لیگ کا پروپیگنڈہ کرنے کے لئے آپ نے ہندوستان بھر کا دورہ کیا۔ اور مختلف شہروں اور قصبوں میں مسلم لیگ کو مضبوط بنایا۔ اور شاخیں قائم کیں۔

پاکستان بننے کے بعد آپ دہلی سے کراچی منتقل ہوئے وہاں آپ کے معتقدین کا پہلے ہی سے حلقہ تھا مصیبت زدہ اور مہاجر ہونے کی وجہ سے لوگوں نے آپ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ پاکستان کے عوام و خواص اور سرکاری طبقہ میں بھی قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ریڈیو پر آپ کی تقریریں نشر ہوتی تھیں۔ اسلامی ملکوں میں سرکاری وفد کے ساتھ آپ کو بھی بھیجا گیا۔ کراچی کے علماء میں نمایاں پوزیشن تھی۔ دولت و ثروت کے دلدادہ نہیں تھے۔ قانع طبیعت تھی جو مل جاتا اس پر قناعت کرلیتے پیسہ ہاتھ میں ٹکتا نہیں تھا۔ ضرورت مند آیا اس کی ضرورت پوری کی اور پھر ویسے کے ویسے تنگدست ہوگئے اس طرح پوری زندگی گذاری دولت جمع کرنے کا موقع نہیں ملا۔ شادی کی تھی ایک لڑکی ہوئی بیوی کا انتقال ہوا تو دوسری شادی نہیں کی۔

کراچی میں پاک بنگلہ جہانگیر روڈ ایسٹ میں مقیم تھے۔ اور وہیں ۱۹۶۶ء کی ابتدا میں انتقال ہوا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

مولانا ناصر جلالی صاحب ایک جادو بیان مقرر ہی نہیں تھے بلکہ ہند و پاکستان کے مسلمہ ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے آپ کی تقریباً پچاس تصانیف ہیں۔ تحریک آزادی کے ابتدائی دور میں آپ نے ایک نظم کہی تھی جس کا عنوان "ہمارا نصب العین" تھا۔ اس کے پانچ شعر نقل کئے جاتے ہیں ؎

اُٹھے نہ فرشتوں سے جو بار وہ ہم لیں گے — سر دیکے محبت کی سرکار سے غم لیں گے

دو لاکھ مصیبت ہو یا تیری محبت ہو — سینے ہوئے گھبرائی دنیا جسے ہم لیں گے

شمشیر جفا سے تم ٹکڑے بھی کرو دل کے — دو روکے جو ہاتھوں میں ہم تیغ قلم لیں گے

سمجھو تو کرو گے پھر تم خوف ستم کس پر — گھبرا کے اگر غم سے ہم راہ عدم لیں گے

وہ وقت بھی آتا ہے ہم گوشہ نشینوں کے — شاہان جہاں ناصر آ آ کے قدم لیں گے

ایک قوم پرور نظم پندرہ شعروں کی ہے جس کے چند شعر یہ ہیں ؎

آہ اے ملک پنجاب محبت میں تری — مجھ کو جز نالہ و فریاد کوئی کام نہیں
کر دیا حق پہ فدا تو نے جگر گوشوں کو — ہے عیاں ملک پرستوں کو یہ الہام نہیں
زر دیا مال دیا جان بھی آخر دیدی — مجھ سے یہ وصف ہے مخصوص کوئی عام نہیں
جب مزا ہے کہ مخالف کو مزا آجائے — وہ مخالف کہ جسے رحم سے کچھ کام نہیں
رنگ لائیگا ترا خون سے رنگیں ہونا — کون کہتا ہے وفا پیشہ خوش انجام نہیں

ایک دن ملک کی آزادی کا باعث ہوگا
خون مظلوم ہے یہ سیر لب بام نہیں

مولانا عبداللہ جلالی صاحب کا تاریخی نام مظفر حسین ہے جس سے سن پیدائش ۱۳۱۸ھ نکلتا ہے آپ نے قرآن مجید سید محمد امام شاہی عیدگاہ سے حفظ کیا۔ قاری فضل الدین صاحب پانی پتی اور قاری محمد اعظم سے تجوید سیکھی۔ مدرسہ مظہر الاسلام میں پانچویں جماعت پڑھنے کے بعد مدرسہ فتحپوری میں داخل ہوئے۔ مولانا سلطان محمود گجراتی، مولانا عبداللطیف صاحب حسینی مصطفیٰ آبادی، مولانا احمد علی صاحب میرٹھی، مولوی داؤد سرحدی اور مولوی نور محمد دہلوی سے درس نظامی کی تکمیل کی۔ مدرسہ فتحانیہ سے دورہ کی سند حاصل کی۔ اس مدرسہ کے اساتذہ مولانا عماد الدین سنبھلی اور مولوی عبدالحنان صاحب تھے۔

پنجاب یونیورسٹی سے مولوی اور مولوی فاضل کے امتحانات دئے۔

طالب علمی کے زمانہ میں گورنمنٹ ہائی سکول دہلی میں کچھ عرصے ٹیچری کی اور [illegible] تک علوم دینی کی تعلیم دی۔ آپ کو طب سے خاص لگاؤ ہے۔ بڑے ذہین ہیں۔ مخلوق خدا کی خدمت کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اب [illegible] زندگی گذار رہے ہیں۔ محنت و مشقت کرتے ہیں [illegible]

لیڈری سے تعلق۔ نہ لیڈر بننے کی ہوس۔ نہ اسٹیج پر ناچنے کی تمنا۔ قوم کے نام پر خرید وفروخت کو حرام سمجھتے ہیں۔ اور اس لعنت سے دور رہتے ہیں۔ حالانکہ بہترین مقرر ہیں۔ اسی طرح تحریر میں اپنے طرز کے مالک ہیں۔ قلم میں زور ہے، فصاحت و بلاغت کے ساتھ اردوئے معلیٰ کی چاشنی عجب لطف دیتا ہے۔ عربی وفارسی اور انگریزی کے ماہر ہیں۔ بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ خواجہ حسن نظامی صاحب کی تفسیر میں آپ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ بہت سے پاروں میں آپ کا طرز تحریر ملے گا۔

آپ کے بھائی مولینا ناصر جلالی صاحب نے ۱۹۱۸ء میں جو رسالہ "شعلہ" نکالا تھا۔ اسی نام سے ۱۹۲۵ء میں رسالہ جاری کیا جو اپنی نوعیت کا انوکھا تھا۔ اس کے بعد حقائق ۱۹۳۲ء میں نکالا۔

مولانا حامد جلالی صاحب بھی ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ کے بعد کراچی چلے گئے تھے۔ صاحب اولاد ہیں ان کے بڑے صاحبزادے مسعود احمد جلالی نے عربی کی اعلیٰ تعلیم حاصل کی ہے۔ جامعہ اظہر کے فارغ التحصیل ہیں۔ سعودی عرب میں پاکستان کے سفارت خانہ میں کافی عرصہ تک ملازمت کی۔

میرا اور میرے والد ماجد مولوی شرف الحق صاحب کا اس خاندان سے قریبی تعلق ہے۔ میرے والد ماجد اور حضرت مولانا سید امیر حمزہ پیر بھائی تھے۔ اس لئے میرے والد ماجد بھی حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت تھے اور ان کے خلفاء میں آپ کا بھی شمار تھا میں بچپن سے مولانا ناصر جلالی صاحب کے وعظ سنتا تھا۔ جس زمانہ میں مولانا صاحب حویلی اعظم خاں میں مقیم تھے اس وقت سے مجھ کو مضامین لکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور اب جو کچھ لکھ پڑھ لیتا ہوں ان کی ہی توجہ اور کرم فرمائی کا نتیجہ ہے۔ اسی طرح مولانا حامد جلالی صاحب کے ساتھ بھی زندگی کا کافی حصہ گذرا ہے۔

امداد صابری　　چوڑیوالان ۔ دہلی

سبب تالیف

صحافت اُردو کا میدان بہت وسیع ہے یہ ایک ایسا عظیم درخت ہے جس کی شاخیں اور ٹہنیاں کافی سے زاید ہیں۔ چنانچہ اخبارات و رسائل کی قسمیں کیا روزانہ، ہفتہ وار، عشرہ وار اور ماہانہ کے علاوہ کوئی زراعتی و تعلیمی ہے کوئی طبی ہے تو کوئی قانونی ہے بچوں کا آرگن ہے تو عورتوں کا ترجمان بھی ہے کوئی مضامین کا مجموعہ ہے تو کسی میں خبریں چھپتی ہیں اور ایسے بھی رسالے تھے جس میں صرف شعراء کا ہی کلام طبع ہوتا تھا جن کو گلدستہ کہا جاتا تھا۔ جس سے اُردو شاعری کو بے پناہ فروغ ہوا۔ اور نو آموز شاعران گلدستوں کی وجہ سے اساتذہ کے درجوں پر پہنچے۔ اب یہ گلدستے شائع نہیں ہوتے۔ ان کا رواج ختم ہو گیا ہے۔

جس طرح انسان کی زندگی میں مد و جزر رہے اور ابتدائی حالت، نوجوانی، جوانی، ادھیڑپن اور ضعیفی کے مختلف درجے اور صورتیں رونما ہوتی ہیں۔ زندگی کشمکش میں گذرتی ہے اور سانحات سے دوچار ہونا پڑتا ہے اسی طرح اخبارات و رسائل کو بھی ان حالات و مدارج اور سانحات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اگر اخبارات و رسائل کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی جائے تو ایک ایک پہلو پر ایک ضخیم کتاب مرتب ہو سکتی ہے اسی بنا پر میں نے تاریخ صحافت اردو میں تمام پہلوؤں پر روشنی نہیں ڈالی اگر اسمیں تمام پہلوؤں کو اُجالا جاتا اور ان پر روشنی ڈالی جاتی تو کافی اُلجھاؤ پیدا ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں نے صحافت اُردو کے مختلف پہلوؤں پر علیحدہ علیحدہ مضامین لکھے۔ تاکہ صحافت اُردو کی اہمیت اور تاریخی حیثیت کو سمجھا جائے اور پتہ لگے کہ قدیم و جدید اخبارات و رسائل کی کیا تاریخی معلومات ہے۔

تقریباً ہر دور میں اخبارات و رسائل کے بارے میں مضامین چھپے ہیں اور ان کے حالات سے روشناس کرایا گیا ہے۔ لیکن کتابی شکل میں ۱۹۱۰ء میں صحافت اردو کی ایک تاریخ اختر شہنشاہی کے نام سے شائع ہوئی۔ جس کو اولیت کا درجہ حاصل ہے۔ اس کے ۴۵ سال کے بعد میں نے ۱۹۵۳ء میں تاریخ صحافت اردو کی پہلی جلد طبع کرائی۔ جس کے بعد ہند اور پاکستان کے کچھ اہل قلم نے اس اہم موضوع پر توجہ دی۔

ہندوستان میں جو کتابیں اس موضوع پر شائع ہوئی ہیں اس میں ضمناً صحافت اردو کا ذکر ہے اور کچھ مواد و معلومات فراہم کی ہے۔ پاکستان میں مقالات کی حد تک کوشش ہوئی ہے جو کتابی شکل میں چھپی ہے۔ لیکن تاریخی اصولوں اور ضابطوں کے مطابق میری کتاب کے علاوہ اور کوئی کتاب ابتک نہیں چھپی ہے۔ بلکہ پاکستان کے ایک صاحب نے تو یہ ستم کیا ہے کہ اپنی مقالوں والی کتاب میں ۱۸۵۷ء کے اخبارات کے متعلق جس قدر معلومات دی ہے اس میں کافی حصہ میری تاریخ صحافت اردو جلد اوّل سے حاصل کیا ہے اور دیانتداری کو بالائے طاق رکھ کر میری کتاب کا حوالہ تک نہیں دیا۔ اور اس کا ذکر بھی فرمایا ہے تو حقارتی انداز میں۔

لیکن الحمد للہ علی احسانہ میں نے اصولِ تاریخ کو مدِ نظر رکھ کر تاریخ صحافت اردو کی تین جلدیں مرتب کیں جو طبع ہو چکی ہیں۔ جس میں سنہ ۱۹۱۰ء تک کے اخبارات کا ذکر ہے بقایا تین جلدیں اور مرتب کرنی ہیں اگر زندگی نے ساتھ دیا تو انشاء اللہ تعالیٰ ان کی بھی تکمیل ہو جائے گی۔

مگر افسوس اور دُکھ کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مورخین و محققین نے قدیم و جدید اخبارات و رسائل کی اہمیت کو ابتک نہیں سمجھا اور یہ نہیں جانا کہ ان میں کسقدر بیش قیمت اور نادر معلومات ہے۔ اگر مورخین اس نئی تحقیقی راہ پر چلنا شروع کر دیں اور ان کو ذریعہ معلومات بنالیں تو میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ان کی بیشتر معلومات

اور مواد اخبارات و رسائل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

اس کتاب میں چھ مضمون شائع ہوئے ہیں جس کا نام میں نے "روحِ صحافت" رکھا ہے جب یہ مضامین پڑھے جائیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ مضامین صحافت کی روح ہیں جس میں صحافت کے چند اہم اور ضروری پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

ان عنوانات و پہلوؤں کے علاوہ اور بھی عنوانات ایسے ہیں جن پر روشنی ڈالنا انتہائی ضروری ہے۔ اگر فرصت ملی تو انشاء اللہ تعالیٰ ان عنوانات پر بھی روشنی ڈالی جائے گی۔

قدیم ادبی اور صنعتی انجمنوں نے جو اُردو ادب کی خدمت کی ہے ان کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ ان انجمنوں نے اُردو کو ترقی دینے کے لئے بڑی جد و جہد کی ہے۔ میرا ارادہ تھا کہ ان قدیم انجمنوں کے کارناموں پر ایک مستقل کتاب مرتب کروں۔ لیکن ان انجمنوں کے حالات ان کے اخبارات و رسائل فراہم نہ ہو سکے۔ اس لئے اس ارادہ کی تکمیل نہ ہو سکی۔ اور جن چند انجمنوں کے حالات اور اخبارات و رسائل مجھ کو ملے ان پر میں نے مضامین قلمبند کئے تاکہ اس عنوان پر تحقیق کرنے والوں کے لئے مفید اور کارآمد ثابت ہوں۔

ان چھ مضمونوں کے علاوہ اس کتاب میں ساتواں مضمون جناب تنویر علوی صاحب پروفیسر دہلی کالج کا ہے جو انھوں نے ۱۱ راپریل ۱۹۶۵ء کو دہلی پبلک لائبریری دہلی کے ایک اجلاس میں پڑھا تھا جس کا افتتاح جناب مالک رام صاحب نے کیا تھا۔ اور جناب گوپی ناتھ صاحب امن لکھنوی کی صدارت میں ہوا تھا اس مضمون میں انھوں نے میری ادبی زندگی پر تبصرہ کیا ہے اور تاریخ صحافت اُردو پر بھی روشنی ڈالی ہے اور میری تصنیف و تالیف کے بھی بارے میں اپنی رائے دی ہے۔

جناب محمد یوسف صاحب مالک شاہراہ بکڈپو کو اُردو صحافت سے بے پناہ

لگا ہوا تھا۔ جب بھی میری ان سے ملاقات ہوتی تو وہ تاریخ صحافت اُردو کی بقایا جلدوں
کی تکمیل کرنے پر زور دیتے اور صحافت کے مختلف عنوانات پر لکھنے پر اصرار کرتے
تھے ان کے بار بار تقاضوں کی وجہ سے میں نے صحافت کے چھ عنوانوں پر مضمون
لکھے جب وہ مضمون تیار ہو گئے تو یوسف صاحب نے ان چھ مضمونوں کے مجموعے کو
"رُوحِ صحافت" کے نام پر کتابی شکل میں اپنے خرچ پر طبع کرانے کی ذمہ داری لی جس
کی وجہ سے میں نے بلا رائلٹی لئے جناب محمد یوسف صاحب کو روح صحافت چھاپنے
کی اجازت دی تھی افسوس صد افسوس ان کی عمر نے وفا نہیں کی اور وہ ۱۳ ستمبر ۱۹۷۴ء
کو فوت ہو گئے اور اپنی زندگی میں روح صحافت نہیں چھاپ سکے۔ لیکن ان کے صاحبزادے
شمیم احمد صاحب اس کتاب کو طبع کرانے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ میں نے ان کو بھی بلا کسی
شرط کے روح صحافت چھاپنے کی اجازت دی ہے۔

روح صحافت کے مضامین کو میں نے حتی الامکان تحقیق و جستجو کے ساتھ مرتب
کیا ہے مگر اس کے باوجود ان میں کوتاہیاں اور غلطیاں ضرور ہوئی ہوں گی۔ جن صاحب
کو کوئی غلطی معلوم ہو اس سے مجھ کو مطلع فرمائیں۔ میں انشاء اللہ تعالیٰ اس غلطی کی
دوسرے ایڈیشن میں تصحیح کر دوں گا۔

حضرت مولانا ناصر جلالی صاحب مرحوم و مغفور دہلی کے مشہور عالم و صوفی
و شاعر حضرت مولانا سید امیر حمزہ رحمتہ اللہ علیہ کے نواسے تھے اور میرے اُستاد بھی
تھے۔ ان کی کوششوں سے مجھ کو لکھنے پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور وہ خود بھی
ایک جادو بیان مقرر، مایہ ناز ادیب اور قادر الکلام شاعر تھے اور ایک
انقلابی رہنما تھے اس لئے میں نے "روح صحافت" کو ان کے نام نامی سے معنون
کیا ہے۔

جناب عزیز [illegible] صاحب نے توجہ کرم فرمائیں تقریباً میری ہر ایک

کتاب ان کی مرہون منت ہوئی ہے۔ چنانچہ "زوبح صحافت" بھی ان کے احسان سے دبی ہوئی ہے ان کا اور جناب تنویر علوی صاحب پروفیسر دہلی کالج کا میں بیحد ممنون ہوں کہ ان کے قیمتی مشورے میرے شامل حال رہے۔

امداد صابری

محلہ چوڑیوالان۔ دہلی
یکم مئی ۱۹۶۸ء

136417

اُردو اخبارات و رسائل کا آغاز اور انکی نوعیت

ہندوستان میں جس وقت اردو اخبارات جاری ہوئے تو ہندوستانیوں کا ذہن اور دماغ اخبارات کی طرف مائل نہیں ہوتا تھا۔ اُن کے نزدیک اخبارات ایک بیکار چیز تھے۔ اُن کی اہمیت کو قطعاً نہیں سمجھتے تھے۔ خبروں کے حاصل کرنے کا ذریعہ امرار کی محفلیں، شہروں کے چوراہے، یا گاؤں کی چوپالیں تھیں۔ ان کو ملک کی سیاسی معاشی، علمی خبروں سے دلچسپی نہیں تھی۔ بلکہ عجیب الخلقت خبریں ان کی دلچسپی کا باعث ہوتی تھیں۔ گائین کے دو منہ بکرے کے دو کھتن، نومولود بچے کے دو سر، چار پاؤں وغیرہ جیسی خبروں پر توجہ دیتے تھے۔

انگریزی اخبارات چونکہ ہندوستان میں جاری ہو چکے تھے ان کے دیکھا دیکھی اُردو اخبارات بھی نکلے جن کا معیار انگریزی اخباروں کے مقابلہ میں بہت پست اور گرا ہوا تھا۔

ابتدا میں جو اردو اخبارات نکلے انہیں کچھ ایسے بھی تھے جن کو سرکاری لوگوں نے نکلوایا ان کی سرپرستی کی اور مالی امداد دینے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ اور ایسے پرچوں کی تعداد کم ہے جن کو سرکار نے نہ نوازا ہو۔

اُردو کا پہلا اخبار "جام جہاں نما" کلکتہ سے ۱۷ مئی ۱۸۲۲ء کو جاری ہوا۔ جس کا کچھ عرصہ تک دو تہائی حصہ فارسی میں اور ایک تہائی اُردو میں نکلا چنانچہ اس اخبار کے سرورق پر ایک انگریزی عبارت درج ہوتی تھی جس میں فارسی اخبار کے نکالنے کی غرض یہ بیان کی گئی تھی۔

"کلکتے اور اس کے گرد و نواح کے صاحبان ذیشان اور دیگر یورپین

اصحاب کے فارسی ذوق کی تسکین کی غرض سے یہ اخبار جاری کیا ہے۔"
اور اُردو ضمیمہ کے جاری کرنے کی وجہ بھی یہی ظاہر کی گئی ہے۔

" اُردو کا جام جہاں نما اس لئے جاری کیا تھا کہ فارسی کے جام جہاں نما یورپین خریداروں کے لئے اخبار کو دلچسپ پر لطف اور مفید بنایا جاسکے۔"

اس اخبار کو نکالنے والے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ذمہ دار لوگ تھے۔
چنانچہ ۱۸۲۷ء میں جب لارڈ بینٹنگ نے ہندوستانی اخبارات کی اشاعت اور اثرات معلوم کرنے چاہے تو مسٹر اسٹارلنگ نے ۱۸۲۴ء سے ۱۸۲۷ء تک کے حالات و کیفیت سے لارڈ صاحب کو باخبر کیا۔ اور جام جہاں نما کے بارے میں یہ رپورٹ دی۔

" یہ اخبار صرف چند انگریزوں کی سرپرستی اور میری (سٹارلنگ) کی وجہ سے چل رہا ہے پبلک نے اس کو چندہ دینا بند کر دیا ہے۔ میں اور چند انگریز اس کے جاری رکھنے کی اہمیت کو سمجھتے ہیں۔ اس لئے چندہ دیتے ہیں تاکہ اس کی وجہ سے ہندوستانیوں میں تعلیم و تربیت اور صحافتی مادہ پیدا ہو۔ ہندستانی موجودہ حکومت میں اخبارات پر خرچ کرنے کو فضول خرچی سمجھتے ہیں جس کی وجہ سے جام جہاں نما کی کوئی مانگ نہیں ہے اور یہ اخبار بکتا بھی نہیں ہے جبکہ ایک اور حکومت سے بھی اس اخبار کی مدد نہیں کرتی تھی۔ اس لئے اس کے ایڈیٹر کو اخبار جاری رکھنے کے لئے دوسرے ذرائع کھوجنے پڑتے ہیں۔ "جام جہاں نما" ہندوستانی اخبارات میں بہترین اخبار ہے۔ لیکن اس کی یہ حالت ہے کہ اس میں اور جنرل میٹر نہیں ہوتا۔ اس کی ہر اشاعت میں چند مضامین اور [illegible] کے انگریزی اخبارات کے ترجمے ہوتے ہیں۔ کچھ ہندوستانی [illegible] اور عدالتوں کی خبریں ہوتی ہیں۔ خبروں کا معیار اچھا نہیں ہے۔ ایڈیٹر تمام

خبریں منتخب کرکے اپنے اپنے انداز میں شائع کرتا ہے۔ انگریزی خبریں زیادہ تر بنگال ہرکارہ سے لی جاتی ہیں۔ جام جہاں نما کے صفحات میں نکتہ چینی بھی ہوتی ہے اس کا ایڈیٹر تبصرہ کرتے وقت پریس ایکٹ کا خیال رکھتا ہے۔ ہم کو یقین نہیں تھا کہ یہ اخبار زیادہ چل سکے گا۔ کیونکہ اس کے مضامین عام فہم نہیں ہوتے اور عام طور پر کلکتہ میں فارسی زبان بھی لوگ نہیں جانتے تھے اور عوام کو دور حاضرہ کے حالات معلوم کرنے سے بھی کوئی لگاؤ یا دلچسپی نہیں ہے اور دلچسپی نہ لینے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہندوستانیوں کی مالی حالت خراب ہے [1]

فوائد الناظرین ۱۸۴۵ء کو اور محب ہند [illegible] کو ماسٹر رامچندر نے دہلی سے جاری کیے تھے۔ جن کی مدد شہر والوں نے نہیں کی بلکہ دہلی کے انگریز افسران ان کے خریدار رہے۔ چنانچہ بابائے اردو علامہ عبدالحق صاحب اپنی تالیف "مرحوم دہلی کالج" میں لکھتے ہیں۔

"ماسٹر رامچندر نے ایک رسالہ فوائد الناظرین کے نام سے نکالا۔ اس رسالہ کے علاوہ انھوں نے ایک اور رسالہ محب ہند نام سے شائع کیا لیکن اپنے شہر اور ملک والوں سے انھیں کچھ مدد نہ ملی البتہ انگریز افسروں نے امداد کی۔ مثلاً سر جان لارنس اس وقت دہلی میں مجسٹریٹ تھے۔ ڈاکٹر راس (سول سرجن)، مسٹر گبن (جج دہلی) ان رسالوں کے متعدد نسخے خرید لیتے تھے۔ جس سے طبع کا خرچ نکل آتا تھا۔"

چنانچہ [illegible] کی سرکاری رپورٹ سے بھی اس بات کی تصدیق ہوتی ہے۔ کہ ان اخباروں کے مددگار صرف انگریز لوگ تھے۔

---

[1] [illegible]

محب ہند فوائد الناظرین۔ قرآن السعدین۔ یہ تینوں اس صوبے کے بھر میں اخبار اور رسائل ہیں، ان کی اشاعت اور زیادہ گر گئی ہے بلکہ صرف یورپین خریداروں کے بل پر چل رہے ہیں۔ دیسی خریداروں کی تعداد نہونے کے برابر ہے [۱]

نورالابصار آگرہ سے ۲۰ اکتوبر ۱۸۵۲ء کو وجود میں آیا تھا۔ وہ بھی مسٹر ایچ ایس ریڈ، وزیٹر آف سکولس کی سرپرستی میں شائع کیا جاتا تھا۔ اس کی دو سو کاپیاں گورنمنٹ خریدتی تھی جو تحصیلوں کے سکولوں اور مکتبوں میں تقسیم کی جاتی تھیں۔

مالوہ اخبار کو بھی اندور سے ۱۸۴۹ء کو مسٹر ہملٹن رزیڈنٹ اندور کی سرپرستی میں نکلنے کا شرف حاصل ہوا۔ اسی طرح کوہ نور جو لاہور سے ۱۸۵۰ء میں پنجاب کے بورڈ آف ایڈمنسٹریشن کی سرپرستی میں جاری ہوا تھا وہ گورنمنٹ کی ہدایت کے مطابق مرتب ہوتا تھا۔

ایم کیمسن ایم اے ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم ممالک مغربی و شمالی نے ۲۵ مارچ ۱۸۷۳ء کو سی اے ایلیٹ سکریٹری گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی کو اپنے صوبے کے اخبارات کے متعلق ایک رپورٹ بھیجی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے سولہ سال کے بعد تک بھی اخبارات کو سرکاری امداد ملتی رہی یعنی اس قدر کے اخبارات کے پرچے سرکار خریدتی رہی۔ رپورٹ کے ضروری اقتباس یہ ہیں۔

"۱۸۷۲ء سے ۱۸۷۱ء سررشتہ تعلیم میں سولہ اخبار لئے جاتے تھے اور ان کے پرچوں کی تعداد ڈھائی سو سے لے کر ۳۰۰ تک تھی۔ اس سال گورنمنٹ نے بیس اخبار لئے مگر کسی اخبار کے سو سے زیادہ اور بیس سے کم پرچے نہیں لئے گئے۔ سب سے زیادہ پرچے اردو اخباروں میں نورالابصار اور آئینہ علم الہ آباد اور علیگڑھ

---

[۱] صوبہ شمالی و مغربی کے اخبارات و مطبوعات صفحہ ۱۱

انسٹیٹیوٹ گزٹ کے لئے گئے۔ کسی اخبار کے تین سو اکیاسی سے زیادہ پرچے نہیں چھپتے۔ چنانچہ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے پرچوں کی یہی تعداد ہے سابق میں اس اخبار کے چار سو باسٹھ پرچے چھپتے تھے مگر چونکہ ان پرچوں میں جو سرکار لیتی تھی کمی ہو گئی بعد اس کے زیادہ یعنی ۳۱۶ پرچے دبدبہ سکندری رامپور کے چھپتے ہیں۔ انگریز لوگ آگرہ اخبار کو سب سے زیادہ لیتے ہیں۔ چنانچہ اس باب میں کوئی اس کے برابر نہیں ہے۔ نقشے خاص ایڈیٹر کے پاس سے وصول ہوتے ہیں۔ پس ایک سو پچاس پرچے انگریزی خریدار کے خانہ میں درج کئے گئے ہیں۔ سال پیوستہ میں علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ کے ۷۰ یورپین خریدار تھے مگر اس سال ۲۸ درج کئے گئے ہیں۔ نقشے کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی لوگ دبدبہ سکندری کو سب سے زیادہ لیتے ہیں اس کے دو سو سینتالیس ۲۴۷ ہندوستانی خریدار ہیں بعد اس کے ۲۲۵ ہندوستانی خریدار الہ آباد کے بنگالی اخبار کے ہیں۔ سال پیوستہ میں ہندوستانی لوگ للاّنس گزٹ کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے یعنی اس کے خریداروں کی تعداد آٹھ سو پچیس ۸۲۵ درج کی گئی تھی مگر اس سال میں صرف دو سو ہندوستانی اس کے خریدار ہیں۔ اور پرچوں کی کل تعداد بجائے ۱۰۶۵ کے ۳۰۵ رہ گئی۔ ہر ایک اخبار کے پرچوں کی اوسط تعداد گھٹ کر بجائے دو سو تین کے ایک سو باسٹھ رہ گئی ہے۔ مگر سرکاری امداد کے از سر نو تقسیم ہونے سے ان کی اصلی تعداد برابر ہو گئی ہے۔ ہندوستانی اخباروں میں سے کم سے کم نصف اخبار تو ایسے ہیں کہ ان کے جاری کرنے کی کوئی وجہ بجز اس کے سمجھ میں نہیں آتی کہ چھاپہ خانہ ہونے سے ضرور ہوتا ہے کہ ملازموں سے کچھ نہ کچھ کام لیا جاوے۔ حالانکہ فائدہ برائے نام ہوتا ہے علاوہ اس کے سرکاری امداد کی توقع ہوتی ہے۔[1]

سرکاری طبقے کے علاوہ اخبارات کی اعانت ریاستوں کے نوابین اور راجہ

---

[1] مرقع تہذیب لکھنؤ ۱۰ اپریل ۱۸۷۸ء

لوگ بھی کرتے تھے۔ اگر سرکار یا کوئی نواب اخبار کی مدد کرنا بند کر دیتا تھا۔ تو اس کو بڑی اہمیت دی جاتی تھی اور ان کی اس بے توجہی کو برا سمجھا جاتا تھا۔ اور اخبار میں اس کی اشاعت بھی کی جاتی تھی۔ چنانچہ جب نواب ٹونک نے کچھ اخبارات کو لینا بند کر دیا تو یہ خبر اخباروں کے نام کے ساتھ ناصر الاخبار دہلی کے ۱۱ر فروری ۱۸۶۷ء کے شمارے میں شائع ہوئی۔

"یکم جنوری سے صاحبزادہ محمد عبداللہ خاں صاحب سابق نائب ریاست نے مفصلہ ذیل اخبارات کا لینا بند کر دیا۔ قاسم الاخبار، شمس الاخبار مدراس، میسور اخبار، طلسم حیرت، انوار الاخبار، انجمن اخبار، مظہر الاخبار، عربی اخبار لاہور، گوجرانوالہ پنجاب، میوسموریل، اخبار الاخیار، اشرف الاخبار، چراغ راجستھان، افتخار الاخبار، سفیر ہند، ضمیمہ خیر خواہ عالم، ضمیمہ ناصر الاسلام، مفرح القلوب، شعلہ طور کانپور، محافظ بنگلور، میسور گزٹ، جلوہ طور، جریدہ روزگار مدراس، رہبر ہند، ہندو باندھو اردو اخبار، اختر ہند۔"

حکمران طبقے نے جب دیکھ لیا کہ اخبارات کچھ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو گئے ہیں اور عوام بھی اخبارات کی اہمیت کو کچھ سمجھنے لگے ہیں اور خریدنے کا ذوق بھی پیدا ہو گیا ہے تو انھوں نے اخبارات کی امداد بھی کم کر دی جس کو اہل صحافت نے اپنے لئے نقصان دہ سمجھا۔ اسی بنا پر ناصر الاخبار دہلی نے اس کی شکایت پر لکھا جس کو گارساں دتاسی نے اپنے مقالہ میں نقل کیا ہے۔[1]

"دہلی کا ناصر الاخبار سرکاری حکام کی خدمت میں بہت سا فریاد کرتا ہے وہ شاکی ہے کہ حکومت اب پہلے کی طرح ہندوستانی اخبار نہیں خریدتی۔ لارڈ سر ولیم کے زمانے میں ایک پرچے کی دو دو سو کاپیاں خریدی جاتی تھیں

---

[1] مقالات گارساں دتاسی حصہ دوم صفحہ ۳۲۰

کر دی جاتی تھیں تاکہ وہ حالات سے باخبر رہیں۔ اس مد میں ۵ ۲ ہزار روپے ہر سال خرچ کئے جاتے تھے لیکن اب یہ رقم گھٹا کر صرف دس ہزار کر دی گئی ہے۔ اخبار فاقہ زدہ ہو گئے ہیں۔ اگر ہر صوبہ ان کی سو نہیں تو پچاس کا پیالہ خرید لے تو ان کا دلدر دور ہو جائے۔ مناسب تو یہ ہے کہ ہندوستان کے تمام اخبار نویس مل کر بڑے لاٹ بہادر سے درخواست کریں کہ پرانی رسم کی تجدید ہو اور کیونکہ جہالت پر بہر حال علم کو ترجیح دی جاتی ہے لہذا کیا عجب ہے کہ ان کی عرض سن لی جائے۔ اخباروں کی حالت ان پودوں کی سی ہے۔ جن کی پرورش اگر سلیقے سے ہو تو وہ موسم میں پھول اور پھل سے باغباں کو مالا مال کر دیتے ہیں۔"

امداد کا باقاعدہ سلسلہ سرکاری طور پر ۱۸۵۷ء کے بعد سے شروع ہوا جو کافی عرصہ تک جاری رہا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اگر اردو اخبارات کی حکومت ہمت افزائی نہ کرتی تو ان کو ترقی حاصل نہیں ہوتی اور سرکاری امداد کے بھروسے پر بہت کافی اخبارات وجود میں آئے۔

اسی سرکاری امداد کی وجہ سے اس دور کے اخبارات نے چندہ کے درجے مقرر کر دئے تھے۔ پہلا درجہ والیان ملک و سرکار کا، دوسرا درجہ تعلقہ داران و رساء کا۔ تیسرا درجہ عام لوگوں کا تھا۔

چنانچہ اودھ اخبار نے والیان ملک کے لئے پچاس روپے، رؤسا سے تیس روپے اور عوام سے سات روپے سالانہ چندہ مقرر کر رکھا تھا۔

اسی طرح ناصر الاخبار دہلی کا تمام بادشاہوں سے ساٹھ روپے، نوابوں و رئیسوں سے تیس روپے۔ اور عام آدمی سے پندرہ روپے سالانہ چندہ لیا جاتا تھا۔

یہ درجے اس لئے مقرر کئے گئے تھے کہ اخبارات کی زندگی کا دارومدار

سرکاری اور ریاستوں کے چندوں پر تھا۔ عام آدمی زیادہ توجہ نہیں دیتا تھا۔

یہ اخبار اپنا تعارف کرانے کے لیے بڑے دلچسپ اشتہار اپنے سر ورق پر شائع کرتے تھے۔ اور ایسے دعوے فرماتے تھے کہ معلوم ہوتا تھا کہ ... آسمانی اتر آئے ہیں۔ یہ اشتہار صرف نثر میں ہی نہیں بلکہ منظوم بھی ہوتے تھے۔

اگر ان اشتہاروں کے دعوؤں کو نظر انداز کرنے کے بعد ان کی انشا پرداز پر توجہ دی جائے تو یقیناً اس قابل ہیں کہ ان کا مجموعہ شائع کیا جائے۔ چند اشتہار نقل کیے جاتے ہیں۔ پڑھیں اور لطف اندوز ہوں۔

سب سے پہلے "اخباروں کا قبلہ گاہ" کا اشتہار ملاحظہ ہو۔

"تشریف کو وہ لائے لائے پھر ہند نے بھی وہ رتبے پائے پائے
کیا دھوم ہے کس خوشی سے اخباروں کے قبلہ گاہ آئے آئے

اخبار ایک سچی شہادت کا نام ہے اور ملک کی خدمت کرنا اس کا کام ہے منصب میں رعایا کا سفیر ہے اور قدر و منزلت میں گورنمنٹ کا مشیر با تدبیر۔ کبھی فریادی ہو کر ادب کے ساتھ گورنمنٹ کو پکارتا ہے اور کبھی ناصح بنکر اچھی طرح رعایا کو للکارتا ہے۔ ہمیشہ بہبود ملک کی طرح رجوع کرتا ہے اور اپنے عادل گورنمنٹ کا ہر حالت میں دم بھرتا ہے۔ جمیع کمالات سے اپنے آپ کو ایسا بناتا ہے۔ کہ جام جم اور آئینہ سکندری بھی شرماتا ہے۔ شائقان اخبار کو مصفا لوح محفوظ ہے اور طالبان مسرت کو مرقع محظوظ الندرالنادر مشتاقان دیدار کو کوہ طور ہے اور عیاد زہاد کو جلوہ طور۔ دور بینوں کے واسطے دور بین ہے اور باریک بینوں کے لئے خورد بین ہے۔ جب کبھی کانوں کو اپنے

علم سے آزماتا ہے۔ اپنے آپ کو ہی اپنا ثانی پاتا ہے۔ سبحان اللہ کل کائنات کے سارے رنگ اسی میں مہیا ہیں، کہاں تک بیان کئے جائیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہیں۔ غرض کہ خلاصہ کائنات ہے اور پسندیدہ موجودات"۔

انہی "قبلہ گاہ" کا منظوم اشتہار بھی شائع ہوا تھا۔ جس کے اشعار یہ تھے۔

یہی اجرا سے اسکی مدعا ہے
تعلی کا نہ دخل اس میں ذرا ہے
ہو شائع خوب اُردوئے معلیٰ
کہ جس کا ایک انوکھا ہی مزا ہے

ترقی ہوئے اس اُردو زباں کو
یہ پنچ اس واسطے اجرا کیا ہے
اصول اب اس صحیفے کے سنو سب
کہ اس نے کون سا ذمہ لیا ہے
ہو باہم قوموں میں اخلاص ازحد
تعصب میں نہیں کچھ بھی مزا ہے
اصول دویم ہے کام نازک
اسے بھی خوب اس نے حل کیا ہے
حقوق ملک اور سرکار میں جو
کہاں ہر اک ان کو جانتا ہے
انھیں یہ پنچ بتلا دے گا ہر دم
کہ جو واللہ فرض اخبار کا ہے
اصول سوئم تہذیب اقوام
کہ جس کا ان دنوں چرچا ہوا ہے
اصول چار ہیں کام بیڑھب
یہ حامی ہر ریاست کا بنا ہے
وہاں پھیلائے گا شائستگی کو
کہ اس کی بات کا سکہ جما ہے
کوئی ان کو جو جھوٹ الزام دیگا
قلم اپنا ہے اور اس کا گلا ہے
لکھے گا پنچ پنجابی زباں کو!
کہ اس مسلک میں بھی از بس مزا ہے

رہے ان سب اصول پر یہ قائم
یہی ہر دم، خدا سے التجا ہے

اخبار عام لاہور یکم جنوری سنہ ۱۸۷۱ء کو لاہور سے جاری ہوا تھا۔ اس کا بھی اعلان سنئے۔

"اُردو پڑھنے والوں کے لئے اس سے بہتر اخبار ہندوستان میں کوئی نہیں۔ جو عنوان مضامین کے مقرر ہیں وہ سب نگینہ کی طرح جڑے ہوئے ہیں۔ یہ اخبار اس خوبی کا ہے کہ روزانہ ہونا بہتر ہے۔ قدر اور منزلت اس کی ملک میں بہت پائی گئی ہے اس کا مختصر اور درست احوال اور فصیح عبارت پڑھنے کا سب کو بہت شوق ہے۔ اس اخبار کو یقین جانئے جو کوئی دیکھتا ہے محبت کی نظر سے دیکھتا ہے اور اس کا ڈھنگ بہت سے دیسی اخباروں بلکہ انگریزی پر بھی ترجیح دینے کے قابل ہے۔ یہ اخبار اپنے منصب کو پورا کرکے ایک پیسہ صرف چاہتا ہے۔ اخبار عام اس لحاظ سے قابل تعریف ہے کہ وہ شاہ وگدا سے ایک قیمت مانگتا ہے۔ عام لوگوں اور مختصر چیزوں کے شائقوں کے لئے اس اخبار سے بہتر واقعی اور کوئی اخبار پنجاب میں نہیں بلکہ خیال کیا جاتا ہے کہ تمام ہندوستان میں دوسرا کوئی اردو اخبار ایسا نہیں ہے۔ اس امر میں اخبار عام نہایت افضل ہے کہ تازہ حالات معلوم کرنے کے واسطے اس سے بہتر اور کوئی ذریعہ نہیں۔ خاص اور سچی صفت اس اخبار کی یہ ہے کہ کم خرچ بالا نشیں۔"

ایک مزاحیہ اخبار جعفر زٹلی جہلم سے یکم جولائی ۱۸۹۵ء میں نکلا تھا۔ اس کے اشتہار کا بھی مزہ چکھئے۔

"بہت سے پنج ایرا غیرا سانپ سپولیوں کے موافق برساتی مینڈکوں کی طرح ہنڈیائے عدم سے نکل پڑے جعفر زٹلی صاحب بغیرا ہے زٹلی کاہے کیوں چپ رہنے والے تھے آپ بھی یکم جولائی ۱۸۹۵ء سے اپنی بڑبڑانی شروع کریں گے اور وہ چیدہ چیدہ مذاقانہ فقرے سنائیں گے کہ ہنستے ہنستے ہر کسی کے پیٹ

میں بل نہ پڑ جائیں تو ہمارا ذمہ نذرانہ گویا کچھ بھی نہیں صرف ۱۲عہ سالانہ محصول راجہ بابو سب ایک لکڑی لاٹھی سے ہانکے جائیں گے۔ ناظرین تمھیں قسم ہے جو بھیجکر ایک جھلک نہ دیکھ لو۔"

اخباروں کا قبلہ گاہ کی طرح بعض اخبار بھی منظوم اشتہار شائع کرتے تھے۔ چنانچہ نور الآفاق جو کانپور سے ۳ر اگست ۱۸۷۳ء کو وجود میں آیا تھا۔ وہ اپنے سرورق پر منظوم اشتہار شائع کرتا تھا ؂

یا الٰہی ہے نام تیرا نور — ظلمت جہل کر دے دلوں سے دور
نور آفاق یہ دُرِ شہسوار — ہے تجلی سے ہمسر پر انوار
نور افزوئے صبح صادق ہے — ماحیٔ ظلمتِ زنادق ہے
اہلِ انصاف کا محک یہ ہے — واقعِ اعتراض و شک یہ ہے
نرخ اس کا بھی ہے بہت ارزاں — ہوں خریدار اس کے پیر و جواں
سر ہر مصرعہ منور سے — پائے اعداد سال ہجری کے
پیر جو فضل کا دل ہوا خواہاں — ہوئے ہر حرف آخری سے عیاں

ہے یہ شاکر کی التجا رب سے
اس کو مقبول خاص و عام کر دے

نور الانوار کانپور سے جنوری ۱۸۸۱ء کو ظہور پذیر ہوا تھا۔ اس کا اشتہار بھی سرورق پر منظوم چھپا تھا۔ اس کے چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں ؂

شنبہ کو فضل حق سے یہ اخبار — جاری ہوتا ہے چھپکے ہفتہ وار
پیشگی تین ماہ تک لیں گے — اور اخباراں کو بھیجیں گے!
ابجد کا جو تھا دستور — تیسرے سال سے کیا ہے دور
مفت چھاپیں گے نفع عام خبر — فی سطر خاص ایک آنہ پر

ابتدائی دور کے اخباروں رسالوں کا یہ بھی دستور تھا کہ اخبار کی نام کی مناسبت سے ایک شعر یا ایک قطعہ سرورق پر درج کرتے تھے۔

طلسم لکھنؤ جولائی ۱۸۵۶ء کو جاری ہوا تھا۔ اس کے پہلے صفحہ کا بالائی حصہ جو اخبار کا نام لکھنے کے لئے مخصوص ہوتا تھا گل بوٹوں سے مزین کیا گیا تھا۔ اور طلسم لکھنؤ کے چاروں طرف یہ چار مصرعے لکھے جاتے تھے ؎

شکر حق کرنامۂ اخبار تو یافت جانِ تازہ جسم لکھنؤ
گنج گوہرہائے معنی اندرست چشم بکشا بر طلسم لکھنؤ

بہار سخن گورکھپور سے ۱۵ اگست ۱۸۵۷ء کو رونق افروز ہوا تھا۔ اس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ؎

چھا گئی باغ مضامین پہ گھٹا بن کے بہار آس توڑے ہوئے بیٹھے تھے طبیعت والے

ریاض سخن رام پور سے ۲ جنوری ۱۸۸۱ء کو شائع ہوا۔ اس شعر سے اس کا سرورق زینت پاتا تھا ؎

کدھر ہو تم اے عندلیبان معنی چلو پھول لوٹو ریاضِ سخن کے!

گلدستہ ناز بمبئی سے ۵ جون ۱۸۸۲ء کو نکلا۔ اس کے پہلے صفحہ پر یہ شعر چھپا تھا ؎

نقد دل، نقد سخن دیجے زیارت کرلیں ہیں کہاں ناز حسینوں کے اٹھانے والے

نالۂ عشاق کی صدا مدراس سے ۱۵ فروری ۱۸۸۹ء کو اٹھی۔ یہ شعر اس کے سرورق پر طبع ہوتا تھا ؎

یہ وہ نالے ہیں جو یکدم سُنے دو دو پہر تڑپے کلیجہ منہ کو آئے دل پھڑک اٹھے جگر تڑپے

ناصر الاخبار دہلی سے یکم جنوری ۱۸۸۳ء کو رونق افروز ہوا۔ اس کے دوسرے صفحہ پر یہ قطعہ درج ہوتا تھا ؎

دیکھئے عالم میں جس اخبار کو ناصر الاخبار کی تقلید ہے
کس کا یہ شہرہ کس کو ہے فروغ یا الٰہی تیری ہی تائید ہے

اخبار عالم میرٹھ سے ۱۸۲۱ء کو ظہور پذیر ہوا۔ اس کے پہلے صفحہ پر یہ قطعہ طبع ہوتا تھا ؂

عیاں ہے اس سے شان کارفرما کہ زنگار رنگ کے ہیں کارِ عالم
سماتا ہے کہیں کوزے میں دریا اسی پرچے میں ہیں اخبار عالم

اخبار نسیم سحر مرزا پور سے ۱۸۵۹ء میں نکلا۔ جس کے سرورق پر یہ قطعہ چھپتا تھا ؂

نسیم سحر جا کے مژدہ یہ کہیو "چلو عندلیبو کدھر ہو کہاں ہو
ذرا چل کے گلزار میں ہند کے تم کوئی تر زباں کوئی نغمہ بیاں ہو"

آشوب محشر فرخ آباد سے یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو جاری ہوا۔ جس کے پہلے صفحہ پر یہ شعر مزین ہوتا تھا ؂

پھر نفخ صور اسرافیل سر پر آگیا نکلو مردو گور سے آشوب محشر آگیا

نغمہ بہار لکھنؤ سے ۱۵ ستمبر ۱۸۶۰ء کو شائع ہوا۔ جس کے سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ؂

ہر شاخ گل پہ ہے نغمہ ہزار کا آیا ہے دھوم دھام سے موسم بہار کا

اس دور میں یہ طریقہ بھی رائج تھا کہ اخبار کے سرورق پر اخبار کے نام کو گل و بوٹوں سے مزین کرتے تھے۔ اور ہندوستان کی مشہور تاریخی عمارتوں کے ساتھ اخبار کا نام درج کرتے تھے۔

محب ہند دہلی جو ۱۸۴۷ء میں جاری ہوا تھا۔ اس کے سرورق پر ایک درخت بنا ہوا ہے۔ اور درخت کے پتوں کے درمیان نام

کا نام لکھا ہوا ہے جو انتہائی دلکش معلوم ہوتا ہے۔

رسالہ تاریخ بغاوت ہند آگرہ سے جولائی ۱۸۵۹ء میں نکلا۔ اس کے ٹائٹل پیج پر ایک تصویر ہے۔ جس میں ایک شخص شیر کا گلا پکڑے ہوئے ہے اور اس کے سینے میں تلوار بھونک رہا ہے۔ اس کے پاؤں کے نیچے بچوں اور ایک مرد کی لاش پڑی ہوئی ہے اور اس تصویر کے نیچے یہ مصرعہ درج ہے ع یہ کبر کا بدلہ سزا یہ جفا کی ہے۔

اس تصویر کے اوپری حصہ پر "تاریخ بغاوت ہند" رسالہ کا نام تحریر ہے۔

ناصر الاخبار دہلی کا پورا سرورق لال قلعہ کی دروازہ کی تصویر سے پُر ہے۔ درمیان میں ناصر الاخبار کا نام لکھا ہوا ہے اور اس کے نیچے اشتہار کا مضمون درج ہے۔

"اخباروں کا قبلہ گاہ" لاہور کا پہلا صفحہ دلچسپ ہے دراز ریش انگریز ایک پادری کی صورت میں براجمان ہے گویا یہ اخباروں کا قبلہ گاہ ہے۔ ان کے دائیں ہاتھ پر اودھ پنچ، انڈین پنچ، دہلی پنچ، خواہ مخواہ اور دائیں ہاتھ پر لندن پنچ، بوڑھی پنچ وغیرہ کے کارٹون بنے ہوئے ہیں۔

ان قسم کے اخباروں کے علاوہ ہر ایک پنچ اخبار کا سرورق مذاحیہ کارٹون کی تصویروں سے بھرا رہتا تھا۔

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ ابتدائی زمانہ میں صحافیوں کو جس قسم کے اخبارات نکالنے کی ضرورت ہوئی اسی قسم کے اخبارات و رسائل انھوں نے جاری کئے۔ پہلے انھوں نے خبروں کے اخبارات نکالے جن میں زیادہ حصہ خبروں کا ہوتا تھا۔ اس کے بعد علمی، ادبی، تاریخی، قانونی، طبی، مزاحیہ، نسوانی، زراعتی

اطفال، شعراء کے کلام کے گلدستے، طلباء کے لئے، حامیانِ عیسائی، مخالفین عیسائی، برادریوں اور انجمنوں/سوسائٹیوں کے اخبارات و رسائل جاری ہوگئے

خبروں کے اخبارات میں قابلِ ذکر نام یہ ہیں۔

(۱) جام جہاں نما کلکتہ ۱۸۲۳ء (۲) دہلی اردو اخبار دہلی ۱۸۳۶ء (۳) صادق الاخبار دہلی ۱۸۴۶ء (۴) اسعد الاخبار آگرہ ۱۸۴۷ء (۵) کوہ نور لاہور ۱۸۵۰ء (۶) نور الاخبار آگرہ ۱۸۵۲ء (۷) گوالیار گزٹ ۱۸۵۲ء (۸) چشمہ فیض سیالکوٹ ۱۸۵۳ء (۹) مظہر اخبار مدراس ۱۸۵۶ء (۱۰) کشف الاخبار بمبئی ۱۸۵۶ء (۱۱) طلسم لکھنؤ ۱۸۵۶ء (۱۲) سحر سامری لکھنؤ ۱۸۵۶ء (۱۳) اودھ اخبار لکھنؤ ۱۸۵۹ء (۱۴) شمس الاخبار مدراس ۱۸۵۹ء (۱۵) قاسم الاخبار بنگلور ۱۸۶۱ء (۱۶) اخبار عالم میرٹھ ۱۸۶۱ء (۱۷) لارنس گزٹ میرٹھ ۱۸۶۴ء (۱۸) پنجابی اخبار لاہور ۱۸۶۵ء (۱۹) اکمل الاخبار دہلی ۱۸۶۶ء (۲۰) اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ (۲۱) دبدبہ سکندری رامپور ۱۸۶۶ء (۲۲) آگرہ اخبار ۱۸۶۸ء (۲۳) رتن پرکاش رتلام ۱۸۶۹ء (۲۴) انجمن پنجاب لاہور ۱۸۷۰ء (۲۵) اخبار عام لاہور ۱۸۷۱ء (۲۶) خیر خواہ عالم دہلی ۱۸۷۲ء (۲۷) ناصر الاخبار دہلی ۱۸۷۳ء (۲۸) ریاض الاخبار خیرآباد ۱۸۷۴ء (۲۹) محافظ بنگلور ۱۸۷۵ء (۳۰) مراۃ الہند لکھنؤ ۱۸۷۵ء (۳۱) جام جمشید مراد آباد ۱۸۷۶ء (۳۲) نیرِ اعظم مراد آباد ۱۸۷۷ء (۳۳) طوطئ ہند میرٹھ ۱۸۸۱ء (۳۴) رفیق ہند لاہور ۱۸۸۴ء (۳۵) حدیقۃ الاخبار ٹونک ۱۸۸۴ء (۳۶) سراج الاخبار جہلم ۱۸۸۵ء (۳۷) پیسہ اخبار لاہور ۱۸۸۷ء بنگلور اخبار ۱۸۸۷ء (۳۸) محمڈن ہیرلڈ بمبئی ۱۸۹۰ء (۳۹) مسلم ہیرلڈ بمبئی ۱۸۹۰ء (۴۰) افضل الاخبار دہلی ۱۸۹۵ء (۴۱) مخبر دکن حیدر آباد ۱۸۹۵ء (۴۲) وکیل امرتسر ۱۸۹۵ء (۴۳) دبدبہ آصفی حیدر آباد دکن ۱۸۹۸ء وغیرہ وغیرہ۔

۱۸۵۷ء سے قبل کے اخبارات میں خبروں کے اعتبار سے جام جہاں نما کلکتہ اُردو کا حصہ کوئی خاص حیثیت نہیں رکھتا تھا۔ البتہ اس میں تاریخی مضامین اچھے ہوتے تھے۔

دہلی اُردو اخبار کے صفحات لال قلعہ کی خبروں کے لئے مخصوص تھے قانونی صفحوں کے علاوہ اس میں غیر ممالک کی خبریں زیادہ ہوتی تھیں ملکی خبریں کم نظر آتی تھیں۔ لال قلعہ اور دہلی کے پولیس حکام وغیرہ، اور ہندوستانی ریاستوں کی بدانتظامیوں پر دل کھول کے نکتہ چینی کرتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر کی قلم کی زد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام بھی آجاتے تھے۔ اس میں دہلی کی سیاسی، ادبی مجلسی زندگی پر روشنی ڈالی جاتی تھی۔ یہ اخبار تعلیم کا زبردست حامی تھا۔ تعلیمی اداروں کا دل کھول کر پروپیگنڈہ کرتا تھا اور انگریزی علاج کو بیحد پسند کرتا تھا۔

صادق الاخبار دہلی کی بھی یہی حالت تھی اگرچہ اتنا وقیع و جامع پرچہ نہیں تھا جیسا دہلی اُردو اخبار تھا لیکن اس کی پالیسی بھی آزادانہ تھی۔

کوہ نور لاہور، نور الاخبار آگرہ، اسعد الاخبار آگرہ، مظہر الاخبار مدراس، بنارس اخبار، مالوہ اخبار، خورشید عالم سیالکوٹ جام جہاں نما میرٹھ، وکٹوریہ پیپر سیالکوٹ اور مفید خلائق آگرہ اور دوسرے ۱۸۵۷ء سے قبل کے کچھ اخبار حریت پسند پالیسی نہیں رکھتے تھے۔ اور ان کی پالیسی یہ تھی۔

"تمام مسائل میں عموماً اور سرکاری مفاد کے مسائل میں خصوصاً رائے زنی کرنے میں اخباروں کے ایڈیٹر احتیاط برتتے تھے اور کوئی رائے ظاہر نہیں کرتے تھے اور نہ ہی کوئی قابل گرفت بات لکھتے تھے۔ بے اطمینانی کے اظہار کی اگر نوبت کبھی آتی تو اپنے خیالات کو رنگین عبارت کا جامہ پہنا دیتے تھے۔ ان کی خبروں کی یہ حالت تھی کہ غیر سنجیدہ قسم کی ہوتی تھیں۔ مقامی انگریزی اخباروں کے اقتباسات

شائع کرتے تھے۔ خبروں کے علاوہ مذہبی کتابوں کے اقتباسات اور اولیاء و صوفیا کرام کے حالات چھاپتے تھے[1] اور کافی صفحے سرکاری احکام کے ترجموں اور قانونی معلومات سے بھر دیتے تھے۔

اس قسم کے اخباروں میں دہلی اُردو اخبار، صادق الاخبار دہلی نہیں بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ چند اخباروں کے علاوہ مجموعی اعتبار سے ۱۸۵۷ء سے قبل کے اخبارات آزادی کے ساتھ لکھتے تھے۔ اور سنجیدگی کے ساتھ دبے انداز میں غلامی کے خلاف بھی لکھنے سے باز نہیں آتے تھے۔

اور عوام کی تو یہ حالت تھی کہ جو اخبار و رسائل سرکاری سکولوں سے نکلتے تھے انگشت بہ نظر سے دیکھتے تھے اور جو اخبار مغربی خیالات کی ترجمانی کرتے تھے ان کو مقبولیت حاصل نہیں ہوتی تھی اور جو عوام کے خیالات کی ترجمانی کرتے تھے وہ عوام میں مقبول ہوتے تھے۔

چنانچہ زبدۃ الاخبار آگرہ جو ۱۸۴۸ء کو جاری ہوا تھا۔ اس کے بارے میں سرکاری رپورٹ ۱۸۴۸ء میں یہ درج ہے۔

"اس صوبہ میں چونکہ یہ ایک ایسا وقیع اخبار ہے جس کا ہمارے سکولوں اور کالجوں سے کوئی تعلق نہیں ہے اس لئے یہاں کے تعلیم یافتہ اصحاب اس کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس سے دلچسپی رکھتے ہیں مذہبی مسائل اور دوسرے معاملات میں اس کو اپنا ترجمان بھی سمجھتے ہیں خصوصاً ان اخبارات کے مقابلہ میں جن کو ہمارے اسکولوں اور کالجوں کے تعلیم یافتہ نوجوان نکال رہے ہیں"۔

۱۸۵۷ء کے چند سال کے بعد تک صحافیوں کی قلم کی روانی رُکی رہی۔ سہمے اور خوفزدہ رہے لیکن اس کے بعد حق بات لکھنے کی جرأت کرنی شروع کردی تھی۔

---

[1] رپورٹ جے، ڈبلو شے رامارضی سکریٹری حکومت شمالی و مغربی ۱۸۵۰ء

اردو اخبار کا ۱۸۵۸ء کے بعد کے اخباروں میں شمار ہوتا ہے۔ ابتدا میں اس کی کوئی پالیسی نہیں تھی۔ اس میں انگریزی اخباروں کے تاروں یا نوٹوں سے ترجمہ کرکے خبریں چھاپی جاتی تھیں۔ بعد میں اس نے اپنی پالیسی بنائی اور ہندوستانی ادب کی خدمت کرنا۔ تباہ کن اور ضرر رساں رسم و رواج سے قوم کو بچانا، اصلاحی تعلیمی اور ادبی جماعتوں اور اداروں کا پروپیگنڈہ کرنا اپنا شعار بنایا یہ اخبار اپنے عہد کے اقتصادی سیاسی، معاشی حالات کی مستند تاریخ اور معقول دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس میں اس کے عہد کے ایسے نادر واقعات ملتے ہیں جن سے موجودہ تاریخیں خالی ہیں

اس اخبار میں ادبی مضامین کے علاوہ تاریخی جغرافی مضامین اور اعلیٰ پایہ کی فارسی اور اردو کی نظمیں شائع ہوتی تھیں اور کتابوں اور اخباروں پر بلاتبصرے چھپتے تھے۔ اس کا انداز تحریر متین و معقول تھا اگرچہ اس اخبار کو انگریزی سرکار کا مخالف نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کی قلم حکمران طبقے اور اپنے معاصروں کو بھی نہیں بخشتی تھی

ایک انگریز حاکم نے اپنے ایک ماتحت مختار کی جو ہندوستانی تھا حکمرانی کے غرور میں توہین کی اس کے خلاف اس اخبار نے ۷ مارچ ۱۸۶۹ء کے شمارے میں قلم کو جنبش دی اور ہندوستانیوں کو غیرت دلائی۔ لکھتا ہے۔

" ممالک مغربی کے ایک حاکم صاحب بہادر نے ایک مختار کی جو جوتا پہن کر صاحب بہادر کی حضور میں حاضر ہوا تھا۔ یہاں تک تواضع کی کہ انھیں جوتوں کو جو وہ پہن کر آیا تھا۔ اس کے پاؤں سے نکلوا کر اس کے سر پر رکھوایا اور [illegible] تک کھڑا رکھا۔ اور فرمایا کہ اب تم سمجھا کہ ہم اس سے ناراض ہوتے ہیں۔ اگر یہ خبر صحیح ہے اور قوی ہے کہ صحیح ہو کیونکہ تحریریں چند صاحبوں کی اس کے مضمون موصول ہوئیں تو ہم انگریزی جوتے پہننے والے ہندوستانیوں پر سخت

افسوس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی عزت اس جوتے کی ہے جس کی ہم تعریف کرتے ہیں فی الواقع جوتے کی عزت میں تو اب بھی فرق نہیں آیا۔ بلکہ اس کی عزت بد ستور بڑھ گئی گو ایک انسان کی عزت و آبرو خاک میں ملی۔ بڑی شرم کی بات ہے اور کمال غیرت کا موجب ہے۔ اگر اب بھی اس ضلع کے تمام رئیس اور وکیل اور مختار متفق ہو کر اس کا استغاثہ کریں۔ پس جیسی عزت یا ذلت ایک شخص کی ہوئی ویسی ہی سب کی ہوئی۔ مناسب ہے کہ جب تک اس کا پورا پورا فیصلہ نہ کرلیں اس وقت انگریزی جوتے کو ہرگز نہ پہنیں۔ ہندوستانی جوتے پہنیں۔ یا وہ اچھے نہ معلوم ہوں تو ننگے پاؤں پھریں۔"

منشور محمدی جو بنگلور سے ۱۸۷۲ء میں وجود میں آیا تھا۔ اس کا اصل مقصد رد نصاریٰ کرنا تھا لیکن جہاں وہ مشنریوں کے اسلام کے خلاف توہین آمیز طریقوں ہتکنڈوں شرر انگیز تحریروں اور کتابوں کے جواب لکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ وہاں انگریزوں کے ناپاک ارادوں کو بے نقاب کرنے سے بھی نہیں چوکتا تھا۔ انگریزوں نے آج سے ۸۰ سال قبل مصر کو اپنی غلامی کے پنجے میں کس طرح جکڑ رکھا تھا۔ غیر ملکی کس طرح ہندوستان میں بڑے بڑے عہدوں پر مسلط تھے۔ اور ہندوستان کا کیا حشر بنا رکھا تھا ان حالات کا خاکہ اس اخبار نے ۱۶ اگست ۱۸۸۰ء کے شمارے میں کھینچا ہے۔

"مصر کے اخبارات سے معلوم ہوا ہے کہ اس وقت مصر کے مختلف عہدوں اور خدمتوں پر ممالک غیر کے ۳ ہزار ۲ سو ۱۶ اشخاص مامور وفائز ہیں۔ ان میں زیادہ تر انگریز ہیں جن کی تعداد ۳ ہزار ۴ سو ۲۰ ہے۔ ان کے بعد فرانس، آسٹریا، جرمنی، یونان، بلجیم، روس، امریکہ، بلگیریا، ہالینڈ اور ڈنمارک وغیرہ ممالک کے باشندے ہیں جس ملک کے جسم کا خون ممالک غیر

کی اس قدر جونکیں چوس رہی ہوں اس کی زندگی کا خدا حافظ ہے. ہندوستان کا بھی یہی حالت ہے جس قدر بڑے اور منتخب عہدے ہیں سب خوش قسمت انگریزوں ہی کو نصیب ہیں ہندوستانیوں کو بجز افلاس و مصیبت کے کچھ نہیں ملتا. افسوس جو لوگ ہندوستان سے ہزاروں کوس دور اور سینکڑوں دریا پار اس کے نام نامی اور شکل و ہیئت سے بھی ناواقف ہیں وہ تو اس کے روپیہ پیداوار جان و مال سے پرورش پاتے اور چین اڑاتے ہیں اور جنہوں نے آغوش ہند میں پرورش پائی۔ اس کے آب و گل سے بنے جو اہل وطن و فرزندان ہند ہیں وہ بجائے مسافرت تو درکنار اپنے ہی وطن میں بھوکوں مرتے ہیں۔ کوئی نہیں پوچھتا اگر پوچھے بھی گئے تو ٹکے کے دس دس علاقہ ضبط، جائداد قرق، روزگار عنقا، ملازمت غائب، ملکیت سے بیدخل، صنعت کو کوئی نہیں پوچھتا، حرفت کا پتہ نہیں کوئی مزدور البتہ پوچھا جاتا ہے وہ بھی صاحب بہادر کا پنکھا قلی، بیرا، خانساماں، حمال یا شملہ پر لیڈی صاحب لوگوں کی بگھی کھینچنے کے لئے گھوڑوں کی جگہ بس اور مفلسی و فاقہ مستی کے حوالے عبرت! افسوس۔ عبرت!

حکومت برطانیہ ہندوستان کی دولت کس طرح لوٹ کر انگلستان لیجاتی تھی وہ طریقے اور اس کے تفصیل منشوری محمدی یکم جنوری سنہ ۱۹۱۱ء کے اخبار میں درج ہے۔

" ہندوستان کا سولہ کروڑ روپیہ ۲۵ ہزار انگریزوں کی جیب میں بطور تنخواہ داخل ہوتا ہے چار کروڑ بقدرے تجارت یہاں سے جاتا ہے لیکن ۱۶ کروڑ ہی نہیں ہے جو تنخواہوں کی صورت میں انگریزی جیبوں میں جاتا ہے یہ تو وہ رقم ہے جو ۲۵ ہزار انگریز لیتے ہیں جن کی تنخواہیں ایک سو روپے سے زیادہ ہیں. حالانکہ ہزاروں اور یوریشین ایسے ہیں جو اس سے کم تنخواہ پاتے ہیں۔ علاوہ بریں

۷۵ ہزار انگریزی سپاہ ہندوستان کے روپیہ سے پیٹ پالتی ہے اور یہ حساب کیا گیا ہے کہ ایک سپاہی پر دو ہزار روپیہ سال صرف ہوتا ہے۔ چنگیز خاں، تیمور لنگ اور نادر شاہ کی بھی حکومت اگر ہوتی تو شاید نصف صدی میں ایکبار، حالانکہ یہ روپیہ ہر سال یہاں سے جاتا ہے۔"

حکومت برطانیہ کا ہندوستان پر لوٹ کھسوٹ کا سلسلہ جاری تھا۔ اور انگریزوں کا ہندوستانیوں کے ساتھ دشمنوں جیسا سلوک کیا جارہا تھا۔ جس کی وجہ سے ہندوستانیوں کو انگریزی حکومت سے ذرہ برابر بھی ہمدردی نہیں تھی اگر انگریز کسی جنگ میں ہار جاتا تھا تو ہندوستانی خوشیاں مناتے تھے یہی حالت منشور محمدی کی تھی ۱۳ نومبر ۱۸۹۵ء کے شمارے میں لیجیے اور چھیڑ گئی کے عنوان کے تحت انگریزوں کی شکست کا ذکر ہے۔

" آجکل سرکار انگریزی کے دن خدا جانے کیسے آئے ہیں کہ ایک طرف سے بچارے خلاصی نہیں پاچکے کہ دوسری طرف سے اس پر اور ہی مصیبت پڑجاتی ہے ابھی مصر میں بقول پنجابی "بھورا کھگل" چھوڑ کر نرس روس کے پنجوں سے اپنا کمبل چھڑا ابھی نہ پاچکی تھی کہ ادھر سے حضرت شاہ تھیودیا والئے ملک برمانے علیحدہ ہی دولتیاں جھاڑنا شروع کر دیں جس کی کیفیت یہ ہے کہ ہزار عیسائی اور پادری جو ان کے ملک میں عیسائی دین کے پھیلانے کیواسطے گئے ہوئے ہیں وہ فی النار والسقر کر دئے گئے۔ اور علاوہ اس کے انگریزی تجارتی کمپنیوں وغیرہ کو بڑے بڑے جرمانوں وغیرہ سے سخت دق کیا گیا.....۔"

اُردو اخبارات میں سنہ ۱۹۰۶ء تک کے اخباروں میں اتنی ہمت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ انگریزوں کی ناانصافیوں اور جابرانہ طریقوں کے خلاف کھل کر لکھتے تھے۔ اور ہندوستان کی دولت جو انگلستان جاتی تھی اس زیادتی کو بھی آشکارا

کرتے تھے لیکن ابھی ان میں یہ جرأت پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ انگریزی حکومت کے خلاف یہ لکھتے کہ تم ہندوستان سے اپنا بوریا بستر لیجاؤ اور ہندوستان کو آزاد کر دو اس کے برعکس ان کی یہ حالت تھی کہ حکومت برطانیہ کی اور اس کے انتظام کی بے پناہ تعریفیں کرتے تھے قصیدے لکھتے تھے حتیٰ کہ حکومت کو خوش کرنے کے لئے ایسے بھی لوگ تھے جو گورنروں اور چیف کمشنر کے نام پر اخبارات نکالتے تھے چنانچہ ان لوگوں کے نام پر حسب ذیل اخبار نکلے۔

(۱) النشی گزٹ دہلی سے ۱۸۷۶ء کو جاری ہوا۔ جس کے جاری کرنے والے منشی بلاقی داس تھے جس کے سر ورق پر تختگاہ شہنشاہ کا نقشہ پورے صفحہ پر بنا ہوا ہے جس میں ملکہ وکٹوریہ کو عشان صلیب کے ساتھ پری کی صورت میں اڑاتا ہوا دکھایا ہے ایک طرف اردو میں مبارکباد اور دوسری طرف ویلکم انگریزی میں لکھا ہوا ہے۔ اس سے پہلے کی عبارت یہ ہے الٰہی تو شہنشاہ ہندوستان کو سلامت رکھ آمین۔ اور چاروں طرف قطعہ کے یہ اشعار لکھے ہیں۔

صبحِ عشرت نے کیا مطلعِ بہجت سے ظہور — شبِ غم ہو گئی ہوتے ہی سحر کے کافور
ایک مدت سے جو تھی میری تمنا مخفی — پردۂ غیب سے خالق نے کیا اس کا ظہور
قیصرِ ہند ہوئیں آج سے ملکہ انگلینڈ — ہند و انگلینڈ وغیرہ میں ہے اس کا ذکور
سن کے یہ مژدہ جاں بخش نہ کیونکر ہو خوشی — اس نوید طرب افزا سے نہ کیونکر ہو سرور

مسند آرائے نواب گورنر جنرل
جلوہ افروز ہوئے تخت پہ نواب حضور

(۲) مئو گزٹ انجمن مناظرہ دہلی کی طرف سے عشرہ وار اخبار بیادگار امیر کبیر اول میو سابق وایسرائے و گورنر جنرل ہند جنوری ۱۸۷۲ء کو ظہور پذیر ہوا۔ ایڈیٹر و مہتمم سید نصیر اللہ پرنٹر عبد الرزاق بیگ تھے۔

(۳) میورگزٹ کیمپ میرٹھ سے ہفتہ وار اخبار بیادگار ولیم میور صاحب لفٹنٹ گورنر شائع ہوا۔ مالک رائے گنیشی لال ایڈیٹر بابو خوشوقت بہم بابو ولیمسن اور رائے پرنٹر لالہ شمبو ناتھ تھے۔

(۴) لائل گزٹ میرٹھ سے بیادگار سرایل لفٹنٹ گورنر مغربی وشمالی و چیف کمشنر ملک اودھ یکم فروری ۱۸۸۳ء کو وجود میں آیا۔ مالک بابو خوشوقت رائے تھے۔

جولسن گزٹ بیادگار مسٹر ڈبلو جولسن چیف کمشنر ممالک متوسط ہند ۱۸۸۴ء جنوری کو لکھنؤ سے نکلا۔ رائے سری کرشن چند قیصر مہتمم تھے۔

بعض صحافی وفاداری دکھلانے کے لئے گورنر وغیرہ کے نام پر اخبار نکالنے پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ برطانوی دربار کے نام پر رسالہ جاری کرنے پر فخر کرتے تھے۔

چنانچہ دسمبر ۱۹۱۱ء کو لکھنؤ سے "دربار" نام کا ایک رسالہ جلوہ افروز ہوا۔ اس کے نکالنے والے منشی رام سہائے تمنا جیسے مشہور شاعر، اہلِ قلم اور صحافی تھے۔ انہوں نے اسی دربار رسالہ میں راج بھگتی یعنے حاکم وقت کی وفاداری کے عنوان پر لکھنے والوں کو انعام دینے کا اعلان کیا تھا۔ جو ۱۳ اپریل ۱۹۱۲ء کے پرچے میں چھپا تھا۔ جس کی عبارت یہ تھی۔

"مضمون راج بھگتی یعنے حاکم وقت کی وفاداری پر صفحہ دربار کے موافق ۱۶ صفحات میں ہو۔ اردو عبارت عام فہم اور دلچسپ ہو۔ باموقع تمثیلات اور جابجا مضمون کی تائید میں اگر کچھ دلکش اشعار بھی درج ہوں تو بہتر ہے .... جو مضمون سب سے بہتر ہوگا اس کی بابت مبلغ صہ رعہ ۔ ۵ جلد مضمون مذکور کے دربار کی طرف سے بطور نذر پیشکش کئے جائیں گے۔"

اُسی وقت اخبارات نے یہ طریقہ بھی رائج کر رکھا تھا کہ خبر ختم ہوئی اور

ایڈیٹر صاحب نے خبر خاتمہ کے بعد خبر پر ہی تبصرہ فرما دیا۔ ایسی خبر کا نمونہ تاج الاخبار رامپور ۹ر دسمبر ۱۸۷۵ء سے نقل کیا جاتا ہے۔

"دہلی۔ ۲۲ر نومبر کو مہاراجہ صاحب بیکانیر یہاں رونق افروز ہوئے معمولی سلامی سر کی گئی جس وقت مہاراجہ صاحب موصوف ریل گاڑی سے اُترنے لگے تو ان کے وکیل حافظ حمید اللہ صاحب کی نقرئی کلی جو تین سو روپے کی تھی کسی نے اڑا لی مال و جوہر کا پتہ نہ لگا۔"

"تاج الاخبار۔ ان امور میں ریلوے کمپنیوں کا پولیس بہت بدنام ہو گیا ہے۔ سب کا یہی قول ہے کہ اہالی پولیس حفاظت کے پردے میں خود چوری کرتے ہیں۔ افسران ریلوے، کو اس کا بندوبست واجب ہے۔

اخبارات سے یہ طریقہ بھی برتتے تھے کہ خبروں کا عنوان شعر ہوتا تھا۔ ایک ایسی خبر بھی ناصر الاخبار دہلی یکم مارچ ۱۸۷۵ء کے شمارے میں پڑھیے۔ کتنی دلچسپ خبر اور کتنا دلچسپ شعر ہے۔

ذرا دیکھو عجب تہذیب انگلستان ہے یارو　　کہ جورو بیچتے ہیں یہ اپنی چار آنے کو

"ایک صاحب یورپین مسمیٰ جان فیر نے شہر شعت تیلا میں اپنی پیاری بی بی کو بہ قیمت چار آنے بدست مسمی سویل حال بیچ ڈالا خریدار بعد ادا کرنے دو آنہ زکوٰۃ دروازہ شہر میم صاحبہ کو توپ گاڑی میں لے کر جانب شہر مینچیسٹر روانہ ہوا۔"

اس زمانہ کے بعض صحافی جدت پسند واقع ہوئے تھے۔ انھوں نے نثر میں اخبار نکلتے دیکھا تو منظوم اخبار جاری کر دیا۔ چنانچہ ۱۸۸۰ء میں ایک "اخبار نظم" کے نام سے جاری ہوا۔ جس کا بڑا حصہ منظوم ہوتا تھا۔ اور خبریں بھی اس میں منظوم شائع ہوتی تھیں۔ ایک منظوم خبر ۵ر مارچ ۱۸۸۰ء سے نقل کی جاتی ہے

یہاں کی ــــ طوائف ایک مشہور　　پرستاں کی پری کا خرد سن کی حور

حسین و نازک و چالاک ہے وہ | جہاں کی رنڈیوں کی ناک ہے وہ
زمانے میں ہے دارو نام اس کا | تھا یوسف بندۂ بے دام اس کا
مزاج حسن ہفت افلاک پر تھا | پئے عشاق خندہ ناک پر تھا
ہے لب عشاق کو جاں بخش اس کا | تھا یار غار میراں بخش اس کا
محبت میں ہم شیر و شکر تھے | گل و بلبل پئے اہل نظر تھے
وفاداری کا دم بھرتے تھے دونوں | نہ تھا کھٹکا مزے کرتے تھے دونوں
فلک نے تفرقہ کی راہ نکالی | گرہ دارو کے نازک دل میں ڈالی
ہوا دارو کو شوق بے وفائی | نظر سے صورت عاشق گرائی
بگاڑی ایک عرصہ کی بنی بات | نئے دھوکے کی [illegible] سے کیا بات
سر عاشق پہ مارا خنجر جور | جو اپنے لئے ڈھونڈا کوئی اور
نہ میراں بخش کی سمجھی ندامت | جفا سے بند کی صاحب سلامت
ہوا بیتاب میراں بخش کا دل | جگر سینے میں تڑپا شکل بسمل
دکھی دارو کی اٹھتے بیٹھتے تاک | کسی دن پا کے موقع کاٹ لی ناک
مٹا اسباب خود بینی کا دم میں | گئی چہرے کی مرغوبی عدم میں
گئی جب بیرخی سے اس طرح ناک | نہ تاب آئی ہوئی دارو غضبناک
رخ مطلب پہ کی غازے کی مالش | عدالت چڑھ کے کی عاشق پہ نالش

جہاں کو اس خبر سے آگہی ہے
بس اب پیشی پہ پیشی ہو رہی ہے

بعض اخبارات بھی منظوم خبریں شائع کرتے تھے۔ چنانچہ اخبار لاہور مورخہ ۲۹ نومبر ۱۸۷۱ء میں ایک منظوم خبر شائع ہوئی ہے جس کا عنوان ہے "ظلم ایک زنگی کا نور کا"۔

اخبار نسیم جونپور کا — ہے واقع ظلم یہ سناتا
جبرالتراک ایک جگہ کا نام ہے — زنگی کوئی واں بد سرانجام
اس نے لڑکا کسی کا پکڑا — بشتہ رگ سے بہت سا کل خون چوسا
ہر چند وہ چیخا اور کیا غل — یہ پی گیا خون بے تامل
اس پہ یہ نیا ستم یہ دکھایا — ایک ہونٹ بھی اس کا نوچ کھایا

ہیں اکبر جہاں میں ایسے بھی مرد
جن کو ہم جنس کا نہیں ہے درد

کرنیل اخبار جو مراد آباد سے سنہ ۱۸۸۹ء میں ہفتہ وار نکلا تھا اس کو منظوم خبروں سے دلچسپی تھی چنانچہ اس اخبار کا جب بھی نیا سال شروع ہوتا تو اس کے پہلے شمارے میں تقریباً ہر خبر منظوم شائع ہوتی تھی۔ یکم جنوری سنہ ۱۸۹۰ء کے پرچے کی منظوم خبریں پڑھیے ؎

ساقی یہ نیا ہے سال آیا — کچھ مے کا نہ لطف پینے پایا
ہے صبح کا وقت ٹھنڈا ٹھنڈا — لا دے مجھے بسکٹ اور انڈا
ہے نیچری کا پسند ہانا ! — کانٹے و چھری سے کھاؤں کھانا
پتلون ہو اک ایک جاکٹ — انگریزی زباں میں ہو گٹ پٹ
پُھندار ہو سر پہ ایک ٹوپی — دانتوں میں دبی ہو جیسی ہوتی
کتا ہو پیچھے ایک سنڈا — تلوار سا ہو ہاتھ میں ایک ڈنڈا
مہاراج ہیں جو کہ شہر بیان — اس سال ہوا ہے ان کا گونا
ہیں مالک مطبع جو کہ منشی — بیاہی گئی ان کی بھی ہے دختر
ایک ان کے ہوا پسر بھی پیدا — دنیا میں اسے رکھے خدایا
نیشنل کانگریس ہوئی ہے لاہور — اسلامی کانگریس کا ہے دور

ہوا جو دلیپ سنگھ کا مرنا — دنیائے دنی کا ترک کرنا
پٹیالے کے تھے وزیر اعظم — ہر وقت خوشی میں تھے نہ تھا غم
دنیا کے نہ عیش کچھ بھی دیکھے — چالیسویں سال ہائے گذرے
چھوٹا ہے انھوں نے ایک لڑکا — کالج میں کویل کے ہے پڑھتا
گذرے ہوئے سن کا حال لکھا — کچھ عیش لکھا، ملال لکھا
اب سال نیا ہے جو کہ آیا — دیکھیں کہ خوشی ہے کیا یہ لایا

اخبارات کے اس ابتدائی زمانہ میں جہالت کا دور دورہ تھا۔ اور خاص طور پر دنیا کے حالات و تاریخ سے ہندوستان کے لوگ بالکل نابلد تھے اور دنیا جو ترقی کر رہی تھی۔ اس سے بھی ان کو کسی قسم کی واقفیت نہیں رہتی تھی۔ اس قسم کی معلومات سے آگاہ کرنے کے لئے حسب ذیل رسائل و اخبارات شائع ہوئے۔

خیرخواہ ہند مرزاپور ۱۸۳۷ء قران السعدین دہلی ۱۸۴۵ء فوائد الناظرین دہلی ۱۸۴۵ء محب ہند دہلی ۱۸۴۷ء تہذیب الاخلاق علی گڑھ ۱۸۷۰ء اشاعت السنہ لاہور ۱۸۷۸ء شحنۂ ہند میرٹھ ۱۸۸۳ء اشراق لکھنؤ ۱۵ مئی ۱۸۸۸ء۔ آئینہ اخلاق لاہور یکم دسمبر ۱۸۸۸ء دلگداز لکھنؤ ۱۸۸۷ء معارف علی گڑھ ۱۸۹۸ء المعلومات جے پور ۱۸۹۹ء ادیب فیروزآباد ۱۹۰۹ء وغیرہ

ان اخبارات و رسائل نے اپنے دور میں بیحد علمی خدمت کی ہے اور جتنا ان کے امکان میں ہو سکتا تھا۔ انھوں نے ہندوستانیوں کے لئے نادر اور شاہکار قسم کے پر از معلومات مضامین شائع کئے۔

خیرخواہ ہند کا مقصد عیسائیت کی تبلیغ کے ساتھ ہندوستانیوں میں علم کی اشاعت کرنا بھی تھا۔ اس رسالہ میں بیحد معلوماتی مضامین چھپتے تھے۔ مضامین کے عنوانات سے اندازہ لگائیے جو یہ ہیں۔

بھاپ کی کلوں۔ دو خانی جہازوں، انگلستان کی آہنی سڑکوں، سرنگیں غوطہ لگانے والی نل، انگریزی ٹائپ، اور پتھر کی لیتھو کی مشینوں اور برطانیہ کے پرانے باشندوں وغیرہ۔

قرآن السعدین فوائد الناظرین اور محب ہند تنوع اور مفید معلومات کے لحاظ سے بلند معیار رکھتے تھے فوائد الناظرین میں علمی موضوعات پر بہت عمدہ مضامین شائع ہوتے ہیں۔ محبّ ہند میں تاریخی، ادبی، معلوماتی مضامین چھپتے تھے جو بجد مفید اور دلچسپ ہوتے تھے۔

قرآن السعدین میں جو مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ان کے عنوانات یہ تھے (۱) کاہلی اور سستی ہندوستانیوں کی تمام امور میں جن سے رفاہ عام مقصود ہے اور جو مفید ہند ہو (۲) حال حکیم سقراط یونانی کا (۳) علم جغرافیہ کے فوائد میں (۴) خیالات ایک شخص کے جو بجائے خود یہ فکر کرتا ہے کہ مذہب کے باب میں کونسی باتوں کا معتقد ہو (۵) حال ملکہ الزبیتھ (۶) حال شہنشاہ قسطنطین اعظم کا۔ (۷) اکبر بادشاہ کا بند و بست (۸) ہندوستان میں علوم و فنون کی ترقی نہیں ہوتی (۹) خلاصہ تاریخ ہندوستان اور عہد محمود غزنوی (۱۰) تاریخ ملتان۔

محب ہند دہلی کے مضامین کے عنوانات یہ تھے۔

(۱) تاریخ چین (۲) مختصر حال بخارا (۳) سفر یوسف خاں کمل پوش (۴) مختصر حال شہر گور قدیم دارالخلافہ بنگال جس کو جنت آباد کہتے ہیں۔ (۵) بہوت بند (۶) مختصر حال تاریخ سندھ (۷) مفصل حال جگہائے جدید ملک پنجاب (۸) حال شاہ نصیر (۹) ذکر سکندر اعظم (۱۰) تاریخ سلطنت پنجاب (۱۱) خاندان مغلیہ اورنگ زیب کی سلطنت کا حال (۱۲) بیان رفت و بینہ (۱۳) [illegible] کا جس سے ڈوبا ہوا اسباب سمندر سے نکالتے ہیں۔

تہذیب الاخلاق نے حقیقتاً علمی، مذہبی معلومات اور سیاسی مسائل سے لوگوں میں بڑی کایا پلٹ کی تھی، اور سرسید نے اس اخبار کے ذریعہ اپنے خیالات سے علمی طبقہ کو روشناس کرایا تھا۔ اور تعلیم کی طرف توجہ دلائی تھی۔ تہذیب الاخلاق اپنے دور میں اپنا نظیر آپ تھا۔ اگر سرسید مذہبی معاملات میں نہ اُلجھتے تو اس اخبار کی مقبولیت بے پناہ ہوتی۔ اور مخالفت کا سیلاب سے نہ اُٹھتا۔

اس اخبار کے بارے میں جو غیر جانبدار معاصر تھے مثلاً انجمن پنجاب لاہور اس نے اس اخبار کے بارے میں ۱۲ ر فروری ۱۸۷۵ء کے شمارے میں یہ تبصرہ کیا تھا۔

"مضمون و بیان کے بلند معیار کی وجہ سے تہذیب الاخلاق قابل ستائش ہے یہ اخبار ہر حیثیت سے خرد افروز ہے"۔

گارستان دتاسی جو تہذیب الاخلاق کو باقاعدہ پڑھتے تھے۔ انھوں نے بھی اخبار کے بارے میں اپنے مقالہ میں یہ رائے دی تھی۔ "اس بے مثل رسالے میں جو سلسلہ مضامین نکل رہا ہے ان میں سے اکثر اسلامی دینیات و فلسفہ علمی و ملکی سے متعلق تھے ان سے مذہب میں سچی دل چسپی اور روشن خیالی کے ساتھ انسانی ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے۔ زیادہ تر مضامین خود سرسید احمد خاں کے ہوتے ہیں"۔

رسالہ دلگداز بھی اپنے عہد کا بے نظیر رسالہ تھا جس میں سیاسی مضامین نہ ہونے کے برابر اور تاریخی معلومات بہت زیادہ ہوتی تھی۔ اور ادبی مسائل پر بھی روشنی ڈالی جاتی تھی۔ اس رسالے نے واقعات عالم سے لوگوں کو آگاہ کرانے میں بڑا کارنامہ انجام دیا ہے اور لوگوں میں تاریخ پڑھنے کا ذوق بھی اس رسالہ سے پیدا ہوا ہے۔ چنانچہ مولانا شرر نے اس رسالہ کے بہت کرنے اور اس کی مقبولیت کا ذکر جنوری ۱۹۱۵ء کے شمارہ میں کیا ہے۔

"آخر ملک کا اصرار و تقاضہ دیکھ کر آغاز ۱۸۸۷ء سے میں نے رسالہ

دلگداز جاری کیا جس کا لٹریچر انگریزی و دیسی دونوں مذاق کے لوگوں میں مقبول ہوا۔ پھر ۱۸۹۸ء سے اس کے ساتھ تاریخی ناولوں کا سلسلہ جاری کیا گیا جس میں سب سے پہلا ناول ملک العزیز ورجینا ہے۔ ان کو ملک نے جس غرض سے لیا۔ اس کے بیان کرنے کی تو ضرورت نہیں مگر اتنا عرض کر دینا ضروری ہے۔ کہ انھیں ناولوں کی وجہ سے ناولوں کی تصنیف ہوئے اور ملک میں ان کے مطالعہ کا شوق بڑھنے کی بنیاد پڑی انھیں ناولوں کے ذریعہ سے ملک میں تاریخ کے پڑھنے اور واقعات عالم سے دلچسپی حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور انھیں ناولوں اور دلگداز کے صفحوں نے وہ رنگ پیدا کیا جس پر موجودہ ادب اردو کی بنیاد قائم ہوئی۔

رسالہ معارف بھی اپنے دور کا بہترین رسالہ تھا۔ اس کے ایڈیٹر ملک کے نامور ادیب حاجی محمد اسمٰعیل صاحب اور مولوی وحید الدین صاحب سلیم پانی پتی تھے۔

اس رسالہ میں علمی، فلسفی، اخلاقی، مذہبی، ملکی، تاریخی اور ادبی مضامین شائع ہوتے تھے اور مغربی طرز کی عمدہ نظمیں اور پاکیزہ ناول قسط وار چھپتا تھا۔

یہ رسالہ چار سال کی زندگی پا کر ۱۹۰۲ء میں بند ہو گیا تھا لیکن اس نے چار سال میں جو علمی ادبی خدمت کی نواب مہدی حسن خان کی قلم سے سنئے۔ وہ لکھتے ہیں۔

"افسوس کہ ہم جواں مرگ "معارف" کو جو تہذیب الاخلاق کا خلف صالح تھا زندہ نہ رکھ سکے معارف کی چار سالہ جلدوں کو دیکھئے صرف یہی نہیں کہ پہلے یورپ کے اچھے سے اچھے علمی پرچوں سے برا نہیں۔ صاحب المعارف نے جس طرح داد تحقیق دی اور ترکی لٹریچر کے اجزا جس شائستگی اور قابلیت کے ساتھ اردو میں لے گئے ہیں لکھنے والوں کا خاص حصہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ موجودہ رفتار واقعی کے ساتھ ہم دو تین سال تک نااہل نہ ہوں گے کہ اس قسم کے مضامین کی وقعت کا اندازہ کر سکیں۔ [illegible] نے علی گڑھ کی نئی پہلو دار کی طرح کوئی زبان [illegible]

گیا ہے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی زبان معارف کی زبان تھی۔"

رسالہ ادیب کا مقصد ملک میں اعلیٰ لٹریچر کا مذاق پیدا کرنا، مغربی فلسفے و نیچرل سائنس کے ذریعہ جو حملے آج مذہب پر ہو رہے ہیں اس کی تردید یورپ کے مستند عالموں اور مشہور فلاسفروں کی تصانیف و اقوال سے کرنا اور ناظرین کے لئے علوم و فنون تاریخی واقعات اور کارآمد معلومات کا ایک مفید دلچسپ ذخیرہ فلسفہ اخلاق، تاریخی طب، طبیعات، تمدن معاشرت، صنعت و حرفت اور تجارت کے متعلق مضامین فراہم کرنا تھا۔ اس کے مضمون نگار مولوی ذکاء اللہ، مولانا سید امجد علی اشہری مولوی منورخاں سکنڈ ماسٹر مشن سکول کاس گنج وغیرہ تھے۔

اس رسالہ کی زندگی ایک سال سے زیادہ نہیں ہوئی لیکن اس کے بارے میں ملک نامور مورخ اور اہل قلم شبلی نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے اس سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

"میں موجودہ رسالوں میں ادیب کو سب سے افضل سمجھتا ہوں۔ جنوری ۱۹۰۹ء سے دسمبر تک بارہ پرچوں جن کی مجموعی ضخامت پانچ سو صفحے سے زائد ہے تقریباً ایک سو بیس طبع ہوئے ہیں جو علمی معلومات کا خزانہ اور سحر طراز انشاء پردازوں کے زور قلم اور آورد معنی کا اعلیٰ نمونہ ہیں اور علوم مختلفہ تاریخ، فلسفہ، ہیئت، علم الارض طبیعات حیوانات نباتات، مفید و دلچسپ نکات سے پر ہیں۔"

زبان دہلی فروری ۱۹۱۰ء کے پرچے میں جناب دبیر اپنے مضمون میں اس رسالہ کے بارے میں علامہ شبلی کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"یادش بخیر ادیب مرحوم جو فیروز آباد ضلع آگرہ سے جناب اکبر علی صاحب اکبر آبادی نکالا کرتے تھے اور جسے کل اردو رسائل کا باوا آدم کہنا حق بجانب ہوگا۔ کیونکہ اس سے قبل کوئی اردو رسالہ اس مذاق و پایہ کا تھا ہی نہیں۔"

انگریزی حکومت کا قیام نیا نیا ہوا تھا۔ اس نے اپنے قوانین کا نفاذ بھی شروع کر دیا تھا جس سے عوام بالکل ناواقف تھے اسی لئے اخبارات نے انگریزی قانون سے واقفیت کرانے کے لئے اپنے صفحات مخصوص کئے۔ اس کے علاوہ حسب ذیل قانونی اخبارات اور رسائل بھی جاری ہوئے۔

(۱) فوائد الشائقین - دہلی ۱۸۴۲ء (۲) معدن القوانین آگرہ ۱۸۵۶ء (۳) مخزن القوانین مدراس [illegible] (۴) آگرہ لا جرنل آگرہ ۱۸۶۵ء (۵) مخزن القوانین آگرہ [illegible] (۶) گنجینۂ قانون لاہور [illegible] (۷) گنجینۂ نظائر لاہور [illegible] (۸) انتخاب قوانین و نظائر [illegible] (۹) مجموعہ نظائر ہند گیا [illegible] (۱۰) نظائر قانون ہند لاہور [illegible] (۱۱) خزینۃ القوانین لاہور [illegible] (۱۲) انڈین لا رپورٹ آگرہ [illegible] (۱۳) انڈین لا رپورٹ فتح پور [illegible] (۱۴) مفتاح القوانین اجمیر [illegible] (۱۵) مفتاح القوانین آگرہ [illegible] (۱۶) کتاب مسائل قانون آگرہ [illegible] (۱۷) نظائر وکلا [illegible] سید [illegible] (۱۸) کلید قوانین۔ لاہور [illegible] وغیرہ۔

ان اخبارات و رسائل میں کلکتہ، مدراس، بمبئی، الٰہ آباد اور [illegible] کونسل کی نظیریں۔ مقدمات کے فیصلے اور قانونی نکات اور معلومات درج ہوتی تھیں۔

اردو کے شعراء کے کلام اور ان کے مخصوص [illegible] کی تشہیر کرنے کے لئے کئی گلدستے شائع ہوئے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) گل رعنا دہلی [illegible] (۲) معیار الشعراء آگرہ [illegible] (۳) گلدستۂ شعراء لکھنؤ [illegible] (۴) گلدستۂ شعراء فتح گڑھ [illegible] (۵) گلدستۂ بدایوں [illegible] (۶) گلدستۂ شعراء لکھنؤ [illegible] (۷) گلدستۂ سخن لکھنؤ [illegible] (۸) ریاض [illegible] (۹) گلدستۂ نتیجۂ سخن کلکتہ [illegible] (۱۰) [illegible] (۱۱) گلدستۂ بنارس [illegible] (۱۲) گلدستۂ سخن [illegible]

(۱۵) شاعر۔ دہلی ۱۸۸۳ء (۱۶) گلدستہ شوق سید پور ۱۸۸۳ء (۱۷) پیام عاشق
قنوج ۱۸۸۳ء (۱۸) فیض سخن ۱۸۸۳ء (۱۹) گل گدہ مشتاق۔ حیدر آباد ۱۸۸۳ء
(۲۰) مذاق سخن۔ حیدر آباد دکن ۱۸۸۳ء (۲۱) رعنا لکھنؤ ۱۸۸۳ء (۲۲) گلدستہ انجمن
لاہور ۱۸۸۳ء (۲۳) گوہر کلکتہ ۱۸۸۳ء (۲۴) فیض سخن لکھنؤ ۱۸۸۳ء (۲۵)
گلکدہ زینت سخن۔ آگرہ ۱۸۸۳ء (۲۶) نالۂ عشاق مدراس ۱۸۸۴ء (۲۷) طوطیٔ شعراء
مدراس ۱۸۸۴ء (۲۸) شمع سخن بنگلور ۱۸۸۴ء (۲۹) نامۂ یار۔ رتلام ۱۸۸۴ء (۳۰)
تحفۂ عشاق لکھنؤ ۱۸۸۴ء (۳۱) گلدستہ ناز۔ بمبئی ۱۸۸۴ء (۳۲) چمن سخن۔ آنولہ ضلع
(۳۳) کرشمۂ دلبر خیر آباد ۱۸۸۴ء (۳۴) چمنستان سخن۔ کانپور ۱۸۸۴ء (۳۵) نالۂ عشاق
اجمیر ۱۸۸۴ء (۳۶) آشوب محشر۔ فرخ آباد ۱۸۸۴ء (۳۷) بہار سخن۔ رتلام ۱۸۸۵ء
(۳۸) ریاض سخن۔ رامپور ۱۸۸۵ء (۳۹) دامن گلچیں۔ لکھنؤ ۱۸۸۵ء (۴۰) گلچین سخن میرٹھ
۱۸۸۵ء۔ (۴۱) خنجر عشق۔ لکھنؤ ۱۸۸۵ء (۴۲) ریاض رنگین۔ پرتاب گڑھ ۱۸۸۵ء
(۴۳) گلزار خلد قنوج ۱۸۸۵ء (۴۴) گلکدۂ بہار سہسوان ۱۸۸۵ء (۴۵) جوہر سخن
حیدر آباد دکن ۱۸۸۵ء (۴۶) بہار سخن۔ کانپور ۱۸۸۵ء (۴۷) نامۂ عشاق بنارس۔
۱۸۸۵ء (۴۸) نامۂ دلسوز۔ اندور ۱۸۸۵ء (۴۹) نالۂ عشاق ۱۸۸۵ء (۵۰) خیال یار متھرا
۱۸۸۶ء (۵۱) آئینۂ سخن انبالہ ۱۸۸۶ء (۵۲) تصویر سخن۔ متھرا ۱۸۸۶ء (۵۳) ریاض ہند
امرتسر ۱۸۸۶ء (۵۴) تہذیب سخن۔ گھولا پور ۱۸۸۶ء (۵۵) گلدستہ کلام۔ دہلی ۱۸۸۶ء
(۵۶) تحفۂ مراد۔ شملہ ۱۸۸۶ء (۵۷) نالۂ زخمی۔ شیوراج پور ۱۸۸۶ء (۵۸) آئینۂ سخن۔
فتحپور ۱۸۸۶ء (۵۹) چمن ہند۔ شملہ ۱۸۸۶ء (۶۰) گلدستۂ نعتیہ۔ رائے پور ۱۸۸۶ء
(۶۱) نور بہار۔ لکھنؤ ۱۸۸۶ء (۶۲) نغمۂ عنادل۔ بنارس ۱۸۸۶ء (۶۳) سحر بابل۔
فتح پور ۱۸۸۶ء (۶۴) ریاض النبوی۔ شیوراج پور ۱۸۸۶ء (۶۵) خیال محبوب۔
حیدر آباد دکن ۱۸۸۶ء (۶۶) بہار سخن۔ گورکھپور ۱۸۸۶ء (۶۷) بہار ہند لکھنؤ ۱۸۸۶ء

(۶۸) گلزارِ سخن حیدر آباد دکن ۱۸۸۳ء (۶۹) گل و بلبل حیدر آباد دکن ۱۸۸۳ء (۷۰) تہذیبِ سخن کانپور ۱۸۸۳ء (۷۱) مطلعِ سخن۔ اورنگ آباد ۱۸۸۴ء (۷۲) شورِ محشر علی گڑھ ۱۸۸۶ء (۷۳) داغ۔ اجمیر ۱۸۸۸ء (۷۴) آفتابِ سخن سرسی ۱۸۸۸ء (۷۵) گلشن داغ۔ قتلام ۱۸۸۸ء (۷۶) انتخاب لکھنؤ ۱۸۸۹ء (۷۷) سیاح سخن جدید ۱۸۹۱ء (۷۸) گلچین۔ گورکھپور ۱۸۹۲ء (۷۹) دامنِ بہار۔ آگرہ ۱۸۹۳ء (۸۰) مجلس احباب شملہ مظفر نگر ۱۸۹۲ء (۸۱) عروجِ بہار بمبئی ۱۸۹۴ء (۸۲) گلدستۂ سخن لدھیانہ (۸۳) گلدستۂ معراج النبی اجمیر ۱۸۹۵ء (۸۴) پروانہ میرٹھ ۱۸۹۶ء (۸۵) پیامِ محبوب حیدر آباد دکن (۸۶) پنجہ نگارین دہلی اگست ۱۸۹۹ء (۸۷) دامنِ گلچیں لکھنؤ۔ جنوری ۱۸۹۹ء۔ (۸۸) پیامِ عشاق لکھنؤ ۱۸۸۳ء (۸۹) جلوۂ سخن۔ مدراس ۱۸۸۳ء (۹۰) ریاض المصطفیٰ۔ کانپور ۱۸۸۷ء (۹۱) کلیدِ جنت لاہور ۱۸۸۸ء (۹۲) ریاضِ خلیل مارہرہ ۱۸۹۶ء (۹۳) لختِ جگر کلکتہ ۱۸۸۵ء (۹۴) مہر انتخاب۔ کلکتہ ۱۸۸۵ء (۹۵) مرقعِ نگار لکھنؤ ۱۸۸۸ء (۹۶) وظائف خلد میسور۔ یکم جنوری ۱۸۸۸ء (۹۷) گلدستۂ ریاض۔ خیر آباد ۱۸۸۷ء (۹۸) فتنۂ عطرِ فتنہ۔ گورکھپور ۱۸۸۴ء

ان گلدستوں میں سے بعض بعض گلدستوں نے بڑی شہرت اور بڑی زندگی پائی۔ اور اپنے زمانے کے نوآموز اور نوآورد شاعروں کو استادی درجے میں لانے کا بڑا ہاتھ تھا معمولی شعراء کو روشناس کراکے نامور و معروف بنایا اور بام عروج تک پہنچایا۔ ان گلدستوں میں اولیت کا درجہ گلِ رعنا دہلی کو حاصل ہے جسے مولوی کریم الدین صاحب نے جاری کیا تھا۔ اس کے متعلق معلومات بہت کم فراہم ہوئی ہیں مولوی کریم الدین صاحب پانی پتی نے اس مشاعرہ کا ذکر جس کی غزلیں اس گلدستے میں شائع ہوتی تھیں اپنے تذکرہ طبقات الشعراء میں کیا ہے چنانچہ آپ نے ۱۸۴۵ء میں ایک تاریخی مشاعرہ کا اعلان کیا۔ جو ان کے مکان میں ہوتا رہا ہے

ہوا تھا۔ اس گلدستہ کو مولوی کریم الدین صاحب ہی مرتب کرتے تھے۔ ان مشاعروں میں حصہ لینے والے شاعروں کا بھی تذکرہ سے پتہ چلتا ہے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) شاہزادہ غلام محی الدین آشکی (۲) مرزا کریم الدین رسا (۳) مرزا منجھلے فسوں (۴) نواب غلام حسین خاں محشر وغیرہ۔ معیار الشعراء جس کو گلدستوں میں دوسرا درجہ حاصل ہے وہ مہینے میں دو مرتبہ نکلتا تھا اور اس کے جاری کرنے والے مولوی محمد ابوالحسن صاحب تھے۔ اس گلدستہ کو کافی شہرت حاصل ہوئی۔

معیار الشعراء کے جاری ہونے سے پہلے اس کے جاری ہونے کا اعلان ہر اخبار کو بھیجا گیا تھا جو ۷ ارنومبر ۱۸۴۸ء کے فوائد الناظرین دہلی میں چھپا تھا۔ اس اعلان سے اس کی غرض وغایت کا پتہ چلتا ہے۔

" واضح ہو کہ تفریح طبائع کے واسطے پندرھویں روز مجلس مشاعرہ راقم کے مکان میں منعقد ہوتی ہے چونکہ سب اضلاع کے رئیس حظ حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا راقم کو یہ منظور ہے کہ ہر مشاعرہ کی غزلیں ایک دو ورقہ پر مثل اخبارات کے طبع ہوا کریں اور چونکہ بعض شعراء علم عروض و قافیہ سے کم ماہر ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے نصفہ آخیر صفحے میں اس کا بیان ہے تاکہ خریدار علم عروض و قافیہ سے واقف ہو جائیں۔ اور منعقدہ شدہ ایک تذکرہ شعرار حال کا۔ بہ سبب اس کے کہ شروع غزل میں حال مختصر شاعر کا مندرج ہوگا۔ تیار ہو جائے گا۔ اور بہ نظر رفاہ عام چار آنے ماہواری جو کہ صرف کاغذ اور چھپائی کے واسطے تھا قیمت اس کی مقرر کی۔ ہاں اگر غزلیں زیادہ ہوں گی اور پرچہ اس قدر بڑھ جائے گا کہ اس کے صرف کے واسطے وہ قیمت کافی نہ ہو تو فی ورق کچھ مناسب قیمت زیادہ کرنی پڑے گی۔ اور مفرد طرح مشاعرہ آئندہ کا اس کے اخیر میں طبع ہوگا۔ یہ پرچہ بتاریخ ۲۱ نومبر

روز سہ شنبہ کے طبع ہوگا۔ مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۸۹۰ء دستخط فقط ابوالحسن [illegible] مدرسہ آگرہ"

یہ گلدستہ باوقار باثر مانا جاتا تھا۔ اودھ کی وسرکاری طبقہ میں پڑھا جاتا تھا۔ تقریباً ہر ایک شاعر اس میں اپنا کلام چھپوانے کی خواہش رکھتا تھا۔ اور چھپوانے کے لئے اس کے ایڈیٹر کے پاس با اثر لوگوں کی سفارشیں کراتا تھا۔ چنانچہ مرزا غالب نے اپنے ایک دوست کا کلام چھپوانے کی سفارش اس اخبار کے مہتمم منشی شیو نرائن کو ۱۲ جون ۱۸۵۹ء کے ایک خط میں کی تھی۔

"..... اب یہ بتاؤ کہ رئیس رام پور کے ہاں بھی تمہارا اخبار یا معیار الشعراء جاتا ہے۔ اب کے تمہارے معیار الشعراء میں میں نے یہ عبارت دیکھی تھی کہ امیر شاعر اپنی غزلیں بھیجتے ہیں۔ مجھ کو جب تک اس کا نام و نشان معلوم نہ ہوگا ہم ان کے اشعار نہ چھاپیں گے۔ میں تم کو لکھتا ہوں کہ یہ میرے دوست ہیں۔ اور امیر احمد ان کا نام ہے اور امیر تخلص کرتے ہیں۔ لکھنؤ کے ذی عزت باشندوں میں ہیں اور وہاں کے بادشاہوں کے روشناس اور مصاحب رہے ہیں۔ اور اب وہ رامپور میں نواب صاحب کے پاس ہیں۔ میں ان کی غزلیں تمہارے پاس بھیجتا ہوں۔ میرا نام لکھ کر ان غزلوں کو چھاپ دو یعنی غزلیں غالب نے ہمارے پاس بھیجیں اور اس کے لکھنے سے ان کا نام اور ان کا حال معلوم ہوا۔ اور حال وہ جو میں اوپر لکھ آیا ہوں۔ اس کو معیار الشعراء میں چھاپ کر ایک دو ورقہ یا چار ورقہ رامپور ان کے پاس بھیجو اور سر نامہ پر یہ لکھو کہ در رامپور بہ دولت حضور رسیدہ بخدمت مولوی امیر احمد امیر تخلص برسد اور مجھ کو اس کی اطلاع دو۔ کہ رامپور کو تمہارا اخبار جاتا ہے یا نہیں۔"

گلدستہ شعراء لکھنؤ یوپی کا مشہور گلدستہ تھا۔ اس عہد [illegible] کے نامور شعراء جو استادیت کا بھی درجہ رکھتے تھے۔ ان کا کلام [illegible]

یہ اور گلدستوں کے مقابلہ میں چھوٹے سائز پر نہیں بلکہ بڑے سائز پر چھپتا تھا۔ بہترین کتابت طباعت ہوتی تھی اور کاغذ بھی عمدہ ہوتا تھا۔ جن شعراء کا کلام اس میں چھپتا تھا۔ ان کے نام یہ ہیں۔

تدبیر الدولہ منشی مظفر علی خاں آسیر مرزا آغا حیدر افسوں، نواب حامد حسین خاں صاحب عقدؔ، اعتماد الدولہ سید یوسف علی خاں عزیزؔ، نواب احمد حسن خاں جوشؔ، نواب حسن علی خاں امیرؔ میر یار علی خاں، نواب اکرم الدولہ مرزا حسین خاں فراقؔ، نواب اشرف علی خاں ادجؔ، منشی امیر احمد صاحب امیرؔ نواب شاہ مرزا صاحب آزادؔ، صفیر بلگرامی، نواب محمد حسین علی سلطان نسیمؔ،

گلکدہ ریاض کے جاری کرنے والے جناب ریاض خیرآبادی تھے۔ چنانچہ جناب ریاض نے اس کا تعارف ان الفاظ میں کرایا ہے: "گلکدہ ریاض یہ جام رشک جام جم ہے جو وقف کف دست عالم ہے کہنہ دلو سے جوہر اٹھایا ہے۔ انتخاب کلام نظم شعرائے متقدمین وحال کرد کھایا ہے وہ اشعار بیاض دل کو جن کی آرزو تھی ہر فرد و بشر کو جس کی جستجو تھی تازہ بتازہ نو بنو رنگ برنگ اس میں نظر آئیں گے سچ تو یوں ہے طالع سخن چمک جائیں گے ہر بزم سخن رنگ فروغ اس میں پائیں گے۔ دور دور کی صحبت مشاعرہ اس میں جلوہ دکھائیں گی۔ مصرع طرح وغیر طرح پر کل کلام انتخاب ہوگا۔ جس میں متقدمین کا انتخاب لاجواب ہوگا۔

یارب جب تک گلہائے شگفتہ لب رنگین میں سخن کی بو رہے
اس جام بادہ جانفزا ہر دل کو جستجو رہے

یہ پہلا گلدستہ ہے کہ جس میں انتخاب کلام میں کسی کی رورعایت نہیں کی جاتی تھی بعض پرچوں میں امیر جیسے استاد کی غزل کا ایک شعر چھپتا تھا۔

مقررہ قافیہ کے تحت شعراء کے کلام کی اشاعت کے طریقہ کی ابتداء اسی

گلدستے سے ہوئی چنانچہ مولانا حسرت موہانی نے "اردوئے معلی" میں لکھا ہے "گلدستہ کو اپنی طرز میں اولیت کا شرف تھا۔"

منشی امیر مینائی کے متفرق اشعار کا مجموعہ "گوہر" کے نام سے بطور ضمیمہ اسی گلدستہ میں شائع ہوا۔ کچھ دنوں امیر تقی میر کے کلیات کا انتخاب اس میں شائع ہوا۔

گلدستہ نتیجۂ سخن منشی وزیر علی خان وزیر نے جاری کیا تھا۔ کلکتہ، دہلی اور لکھنؤ وغیرہ کے شعراء کا کلام اس میں چھپتا تھا۔ اس کی خصوصیت یہ تھی کہ اس میں پردہ نشیں حتیٰ کہ طوائفوں تک کی غزلیں چھپتی تھیں۔ اس گلدستہ نے بھی کافی گمنام شاعروں کو نامور کیا اور اس کی زندگی بھی کافی رہی ۱۹۱۱ء تک جاری رہا۔

اس گلدستہ کی شہرت اور مقبولیت کی وجہ سے اس کے مرتب جناب منشی وزیر علی خان وزیر ۱۹۱۰ء میں نظام حیدرآباد میر محبوب علی خان کے دو خلعت سے نوازے گئے۔ چنانچہ جناب وزیر اس خلعت کے بارے میں لکھتے ہیں "کسی کوئی اہلِ مطبع اس مراتب کو نہیں پہنچا"۔ ؎ اس خلعت کی رویداد اسی گلدستہ میں چھپی تھی اس کو مولانا حسرت موہانی نے اپنے رسالہ اردوئے معلی میں نقل کیا ہے۔

اردو کے کافی گلدستے نکلے لیکن جو شہرت پیام یار کو ہوئی اور کسی گلدستہ کو نصیب نہیں ہوئی۔ تقریباً ہر ایک گلدستے کے دو حصے ہوتے تھے ایک نثر کا اور دوسرا نظم کا۔ پیام یار کی بھی یہی پوزیشن تھی۔ پیام یار نے نثر اور نظم میں جو خدمات انجام دی ہیں اس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ان خدمات کا ذکر اس کے مرتب منشی نثار احمد صاحب نے پیام یار مارچ ۱۹۰۸ء کے شمارے میں کیا ہے۔

"آپ جانتے ہیں کہ "پیام یار" نے اس بائیس تیئس سال کی مدت میں آپ کے ملک آپ کی زبان اور آپ کی قوم کی کیسی خدمت کی ہے اس نے شاعری کا مذاق پھیلایا

؎ رسالہ اردوئے معلی علی گڑھ جنوری ۱۹۱۲ء

ہمارا پیشتر کے مذاق کو ترقی دی۔ فی الحال بہت سے نوجوان ملیں گے جو اس پرانی شاعری کو بُرا کہتے ہیں مگر انھیں یاد رکھنا چاہیئے کہ ان کے اس تغیر پسند مجتہدانہ مذاق نے پیام یار ہی کے آغوش میں پرورش پائی ہے؛ اور اسی کو پڑھ پڑھ کے وہ اس قابل ہوسکے ہیں کہ مفید یا غیر مفید اور مناسب یا غیر مناسب تغیر کے خواستگار ہوں۔ پیام یار نے ایسے ایسے مقامات میں شعر گوئی کا چرچا کر دیا۔ جہاں اس سے پیشتر زبانِ اُردو کا کوئی جاننے والا بھی کم تھا۔ بہت سے ایسے لوگ تھے جو موزوں کرنا بھی نہ جانتے تھے۔ انھیں پیام یار نے اُبھار اُبھار کے شاعر بنا دیا۔"

چنانچہ اس بات کی تائید مولانا حسرت موہانی صاحب نے بھی اُردوئے معلیٰ علی گڑھ مئی ۱۹۱۲ء میں فرمائی ہے۔ "اس وقت دنیائے ادب اور شاعری میں جن لوگوں کا نام آفتاب بن کر چمک رہا ہے ان میں سے اکثر کی شاعری کا آغاز بعد از تحقیق ضرور پیام یار کے ابتدائی پرچوں کے ساتھ وابستہ ہو گا۔ ۱۸۸۵ء کی جلدوں میں تلاش کرنے سے مولوی عبدالحلیم شرر، مولوی عزیز مرزا مرحوم اور مولوی ظفر علی خاں کی بھی غزلیں اور اشعار موجود پائے جائیں گے۔"

"گلشنِ داغ بھی اپنے دَور کا اچھا گلدستہ تھا۔ جس میں داغ کے شاگردوں کے علاوہ دوسرے نامور شعراء کا کلام بھی درج ہوتا تھا۔ کلام کا انتخاب سختی کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ شعراء کو کلام روانہ کرنے کے بارے میں اور اشعار کے انتخاب کے سلسلے میں یہ ہدایتیں اور مشورہ دیا گیا تھا

"خریدار ہوں یا غیر خریدار کلام سب کا طرح اور غیر طرح شائع ہوا کریگا۔ لیکن طرح کو غیر طرح پر ترجیح ہو گی اکثر شعراء لمبی لمبی چوڑی غزلیں بھیجکر شاکی ہوتے ہیں کہ ہماری غزل کا بہت سخت انتخاب کیا۔ مگر یہ نہیں سوچتے کہ ہماری غزلیں واقعی کس قدر اشعار قابلِ انتخاب تھے اور کس قدر مہمل اور فضول لہذا اپنی

غزل کے چوٹی کے اشعار ارسال فرما کر دیکھا کریں کہ کیسی تعداد ملتا ہے؟

انسانی فطرت میں جس طرح رنج و غم اور خوشی و مسرت کا جذبہ ہوتا ہے اسی طرح اس کی سرشت میں طنز و مزاح بھی داخل ہے۔

صحافی حضرات نے اس ضرورت کو بھی پورا کیا ہے اور [illegible] سے حسب ذیل مزاحیہ اخبارات بھی نکلے جو شروع ہوئے۔

(۱) بہار پنچ پٹنہ ۱۸۷۶ء۔ (۲) رسیلی لکھنؤ پنچ مراد آباد ۱۸۷۶ء (۳) اودھ پنچ لکھنؤ ۱۸۷۷ء (۴) سرپنچ ہند لکھنؤ ۱۸۷۷ء (۵) کلکتہ پنچ۔ کلکتہ ۱۸۷۸ء (۶) بنگال پنچ کلکتہ ۱۸۸۰ء (۷) دہلی پنچ۔ لاہور ۱۸۸۰ء (۸) میرٹھ پنچ میرٹھ ۱۸۸۱ء (۹) مہر ظرافت لکھنؤ ۱۸۸۲ء (۱۰) سرپنچ۔ سید پور ۱۸۸۳ء (۱۱) لکھنؤ پنچ لکھنؤ ۱۸۸۳ء (۱۲) سرپنچ بمبئی ۱۸۸۳ء۔ (۱۳) کیسر پنچ بدایوں ۱۸۸۳ء (۱۴) ہریانہ پنچ۔ جھجر ۱۸۸۴ء (۱۵) کرناٹک پنچ۔ مدراس ۱۸۸۴ء (۱۶) کرانچ میرٹھ ۱۸۸۵ء (۱۷) ظریف ہند دہلی ۱۸۸۵ء (۱۸) فتح گڑھ پنچ۔ قنوج ۱۸۸۵ء (۱۹) ظریف الہند میرٹھ ۱۸۸۵ء (۲۰) ملا دو پیازہ، لاہور ۱۸۸۶ء (۲۱) پاگل خانہ لاہور ۱۸۸۶ء (۲۲) تیس مار خاں۔ لاہور ۱۸۸۶ء (۲۳) بیربر سیالکوٹ ۱۸۸۶ء (۲۴) البیلا بدایوں ۱۸۸۶ء (۲۵) موج ظرافت ہوشنگ آباد ۱۸۸۶ء (۲۶) زاق کا پتلا رامپور ۱۸۸۶ء (۲۷) فیروز پنچ۔ فیروز پور ۱۸۸۶ء (۲۸) سرپنچ میرٹھ ۱۸۸۷ء (۲۹) چلتا [illegible] (۳۰) صدر پنچ۔ دہلی ۱۸۸۸ء (۳۱) جعفر زٹلی ۱۸۸۸ء (۳۲) دکن پنچ حیدر آباد ۱۸۸۸ء (۳۳) شریر لاہور ۱۸۸۸ء (۳۴) آگرہ پنچ آگرہ ۱۸۸۸ء (۳۵) [illegible] مراد آباد ۱۸۸۹ء (۳۶) ہند رسیلی لکھنؤ پنچ ۱۸۸۹ء (۳۷) [illegible] (۳۸) بمبئی پنچ بہادر بمبئی ۱۸۸۹ء (۳۹) بمبئی الہ پنچ [illegible] قنوج ۱۸۹۰ء (۴۱) سلطان اختر نا لکھنؤ ۱۸۹۰ء (۴۲) [illegible]

(۲۳) ایلچی پنچ ۱۸۸۱ء (۲۴) باد آدم پنچ ۱۸۸۱ء (۲۵) بنارس پنچ۔ بنارس ۱۸۸۱ء (۲۶) شیخ چلی سیالکوٹ ۱۸۸۱ء وغیرہ۔

ان پنچوں کے تعارفی اشتہارات بڑے دلچسپ ہوتے تھے۔ ظرافت کے دعویدار ہوتے تھے تو تعارف کرانے میں ظرافت کا پہلو نمایاں ہوتا تھا۔ اس لئے بہت بامزہ ہو جاتے تھے۔

دہلی پنچ لاہور نے یہ اشتہار شائع کیا۔

"یہ ظریف اخبار ملک کے واسطے گلدستہ ظرافت ہے اور آئینہ فطرت انسانی کا کام دیتا ہے کہ ایک نمکین جملہ میں ملک کی رائے ختم کرتا ہے اور بغلیں بجا بجا کر رعایا اور گورنمنٹ کی دوستی کا دم بھرتا ہے کبھی بانتیجہ راگوں سے رعایا کو وجد دلاتا ہے اور ظریفانہ اشعار سے گورنمنٹ اور ملک دونوں کو جگاتا ہے۔ نئے نئے ولولے بھر کر ملک کے سامنے آتا ہے اور ہر ایک فقرے میں اتنے پتے کی کہہ جاتا ہے۔ حرف زائد کا استعمال نہیں کرتا۔ خوشامدانہ بے نتیجہ مضامین نہیں بھرتا اردو زبان کو چمکانے والا فقط زبان قلم سے محظوظ نہیں کرتا بلکہ مضمون کو تصویر کے لباس لاتا ہے جس میں سینکڑوں آرٹیکلوں کا مزہ آتا ہے۔"

ایلچی پنچ کی زبانی اس کی تعریف سنئے۔

"آجاؤ ایلچی مسٹر ایلچی پنچ ہیں کیا آپ نے ابتک نہیں دیکھا ضرور دیکھئے اخبار نہیں چلتا ہوا جادو ظرافت کا پتلا۔ ایک جملہ پڑھو اور ہنستے ہنستے بے خود نہ ہو جاؤ تو ہمارا ذمہ۔ ایک خبر دیکھو اور پیٹ نہ پکڑ لو تو ہم گنہگار پھر بھی نہیں کہا ہے ہے کے سوا کام کی باتیں نہیں، پولٹیکل حوصلہ بارل، آرٹیکل سے مالا مال علمی، تمدنی، اخلاقی مضامین پر زبردست چٹکیاں لینے میں گودگدی بھی شامل اس پر زبان کی صفائی، محاورات کی بندش کا کیا کہنا۔ پڑھئے اور لوٹ لوٹ ہو جائیے۔"

پاٹے خاں کی بھی سنئے۔

"یہ پولیٹیکل پہلوان جو ظرافت کا لنگوٹ باندھے ہوئے پنجوں کی لاگ ڈانٹ کی اکھاڑے میں پینترے بدلتا آرہا ہے۔ کسی خاص شخص کو اپنا مقابل جاننا نہیں چاہتا۔ بلکہ ہند اور ہندوستان کے مخالفوں سے قلمی دنگل جانا اس کا خاص فن ہوگا۔ یہ اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھ کر کھلے بندوں بے دھڑک ان کی گت بنا دیگا۔ جو اس کے پیارے ملک یا عزیز ہم وطنوں کی طرف ذرا سی نظر بد بھی کرلیں گے۔"

(دو پنچوں کی نثر میں نہیں بلکہ نظم میں تعارف پڑھیئے۔

دہلی پنچ دہلی کے ایڈیٹر ہندوستان کے مشہور شاعر مولانا عبدالرحمٰن صاحب راسخ دہلوی تھے۔ انھوں نے ۸ جنوری ۱۹۱۵ء کے پہلے پرچہ میں ساقی نامہ کے عنوان کے تحت پنچ کو ان اشعار وں سے متعارف کرایا ہے۔

پیارے ساقی ناز کہاں تک	ارے باقی بازیہاں تک
تشنہ لبی ہے مٹکا بھر دے	ناک میں بوتل لٹکا کر دے
ساغر چھلکے، بوتل چھلکے!	دن ہیں میری جان یہ ہلکے
کب تک تو رہ یوں مری جاں	شربت غور، گھول مری جاں
مری وفا کا پاس ہو کب تک	تری جفا کا پاس ہو کب تک
کھلیا بھر لا، کلیے میں لا	مٹکا دھر لا جلسے میں لا
رندوں کی معشوق دوا ہے	بنت عنب کا خون رواں ہے
سال نیا ہے، دن نئی ہو	سال نیا ہے، جوبن نیا ہو
بادہ ہماری چھوٹنے کو ہے	تو یہ ہماری ٹوٹنے کو ہے
ساقی ٹوٹی، ٹوٹی توبہ!	میری بھی [illegible]
گنشہ ہو کر آئی لب تک	ساغر ہو کر [illegible]!

ساتھ سے میرے بھاگی ڈر کر — ہاتھ سے میرے چھوٹی توبہ
کھٹکا ہو کر مجھ سے کھٹکی — مٹکا بن کر پھوٹی توبہ
بادل گرجے، جھم جھم برسے — جم جم برسے، دُم دُم برسے
بچوں پر یہ مرقوم رقم ہے — دہلی پنچ کا جھوم جھم سے
مہر نشاں ہے پنچ ہمارا — قہر نشاں ہے پنچ ہمارا
مغز فشاں ہے بہر دشمن — نغز بیاں ہے پنچ ہمارا
فرش بیاں ہے پشت عدو کی — عرش مکاں ہے پنچ ہمارا
مہر منور گال کے صدقے — فتنہ محشر جال کے صدقے
ہاتھ ہیں جس کے گوری سکوری — ننگی کلائی گوری گوری
پنچوں کو یارب سال مبارک — چوروں کو ہر شب مال مبارک
دہلی پنچ کی دونی شہرت — بدگویوں کو ریلونی ذلت

عشق کے کارن ہیں جو بے دم
راسخ ان کو مبارک میڈم

پنچوں کے باپ یعنی بمبئی ابوالپنچ کی بھی راگنی گوش گذار کیجئے۔

ابوالپنچ کیا خوب اخبار ہے — کہ جو شریفوں کی درکار ہے
کمینوں کو یہ منہ لگاتا نہیں — بخیلوں سے گزے اُٹھاتا نہیں
دست جلتے ہیں وہی حرز جاں — مذاق سخن کے جو ہیں قدرداں
مخالف کی کیا بات جو جل کرے — گدھے کی طرح بس وہ ڈھینچوں کرے
ہما شاہ سخن اس کے نامہ نگار — ہیں ملک معانی کے وہ شہریار

حسد سے عدو کے نہیں مجھ کو کام
زباں تیغ ہے اور جوہر کلام

ان مذکورہ پنچوں میں اولیت کا درجہ بہار پنچ پٹنہ کو حاصل ہے یہ ہفتہ وار اخبار تھا ۔ مالک محمد اکبر خاں اور مہتمم منشی نوروز علی خاں شیدا تھے ۔ اس پنچ کے مقابلہ میں تو البیچ پٹنہ کو کچھ شہرت حاصل ہوئی لیکن یہ عصر تو کسی گنتی میں نہیں ہیں ۔

دوسرا درجہ پنچوں میں رہیل کھنڈ پنچ مراد آباد کا ہے اس کے مالک قاضی جمشید علی صاحب تجم تھے جو ہندوستان کے مشہور صحافی تھے جنہوں نے جام جمشید کے علاوہ اور بھی اخبارات نکالے تھے لیکن اس پرچے نے کوئی خاص حیثیت حاصل نہیں کی۔ البتہ اس کی ایڈیٹر نے جو تعریف کی ہے ۔ وہ یہ ہے ۔

" یہ پرچہ ظریف و لطیف تازہ بتازہ دلگی کے مضامین سے آراستہ ہو کر دلِ شائقین کو گل کی طرح کھلاتا ہے اس کا نکتہ نکتہ لفظ بلفظ ایسے حسن مذاق کے تہذیب کے پیرایہ میں روتوں کو ہنساتا اور سوتوں کو جگاتا ہے ۔"

تیسرا درجہ اودھ پنچ لکھنؤ کو حاصل ہے لیکن اس نے ملکی قومی اور اردو زبان اور اردو ادب کی اس قدر خدمت کی ہے کہ آج سوائے اودھ پنچ کے اہل علم کسی بھی پنچ سے واقف نہیں ہیں اس کے علاوہ سب عالم گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں

اودھ پنچ اگرچہ ظریفانہ پرچہ تھا مگر سیاسی' ادبی معاملہ بھی سر کرتا تھا۔ قدیم خیالات کا حامی تھا اور نئی روشنی کے مقلدوں کی مکروہ حرکتوں کا پردہ فاش کرتا تھا ۔ ابتدا ہی سے عوام کے خیالات کی ترجمانی کرنی شروع کر دی تھی۔ اور حکومت برطانیہ کے خلاف اپنے مخصوص انداز میں لکھتا تھا اور عوام کے جذبات کی ترجمانی کرتا تھا۔ الحاق اودھ' انکم ٹیکس اور البرٹ بل وغیرہ کی زبردست مخالفت کی۔ اس کی مشہور و معروف ادیبوں اور شاعروں کی جھڑپیں ہوئیں اور کتابوں اور کلام پر آزادانہ تبصرے کئے۔

انگریزی دور میں ریاستوں کے اہل الک رزیڈنٹ ہوتے تھے ان کو ریاستوں کی نگرانی کے نام پر ریاستوں کا خون چوسنے کے لیے لگایا جاتا تھا۔ ان کے اختیار بد پر ۲۳ر جون ۱۹۳۳ء کے شمارے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

مثل مشہور ہے "خدا دیکھا نہیں عقل سے پہچانا جاتا ہے" ہندوستانی درباروں میں لازم ہے اس کی یوں ترمیم کی جائے۔ خدا دیکھا نہیں رزیڈنٹ سے پہچانا کیا سبب۔ خدا کا معاملہ تو شاید مرنے پر کھلے۔ لیکن رزیڈنٹ بہادر رشید ان کی طرح جیسے تجاہل کرتے ہیں۔ اگر کوئی رئیس نیک نام معزز ہو کر با آسائش رہا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ رزیڈنٹ کے کتے اور بلی تک کو بھی نظر گرم سے نہ دیکھے۔ یہ بگڑے تو دین کا حال خدا جانے دنیا میں کہیں ٹھکانا نہیں اگر ہماری سنو تو دیسی رئیسو ایک رزیڈنٹ کو تاج میں رکھو۔ پھر بو جا ہو کر د۔ سب جگہ بیڑا پار ہے۔

ان پنچوں کی خوبی یہ تھی کہ یہ نثر اور نظم دونوں میں اپنا ما فی الضمیر ادا کرتے تھے۔ اور ان کی نظم بمقابل نثر کے جاندار اور بامطلب ہوتی تھی۔

اس دور میں جب ٹیکس کا نفاذ ہوا تو نثر میں ٹیکس کی دم جیسے مضامین کافی لکھے گئے۔ اسی کے ساتھ منظوم مخالفت بھی چلی۔ چنانچہ ۲۹ر مئی ۱۸۸۰ء کے شمارے میں ایک نظم "ٹیکس پر واویلا" کے عنوان سے چھپی ہے ؎

کہتے ہیں جسے ٹیکس وہ ہے قہر الٰہی | دیکھیں ہمیں کب ہوتی ہے اس سے رہائی
دن ہی میں صبح سے تا شام میسر! | حال میں ہو ٹیکس کی کس طرح سمائی
الٹی یہ بنا دیتا ہے عالم کی حجامت | یں بھی شاید کوئی اللہ کا نائی
کانٹا سا کھٹکتا ہے یہ آنکھوں میں ہماری | نشتر سا چبھا دل میں ہے جانوں پہ بن آئی
نل سے چسلا کبھی ادھر رخ سے بنے | دونوں نے پہنچتے ہی عجب دھوم مچائی

وہ مال کا جج ہے، تو یہ جانوں کا کلکٹر　　منظور ہے دونوں کو سررشتے کی صفائی
بربادی کے آثار، خرابی کی علامات　　اس ٹیکس میں ہر شخص کو دیتے ہیں دکھائی
کھٹکا ہے کہیں شعر پہ بھی ٹیکس نہ بندھ جائے
خاموش ہوں اصغر کہ اسی میں ہے بھلائی

بمبئی پنچ اگرچہ کافی دن چلا، لیکن اس کی خاص پوزیشن اخباری اعتبار سے حاصل نہیں تھی۔ لیکن اس کے باوجود حکمراں طبقہ اور اس کی پارلیمنٹ پر بھی نکتہ چینی کرنے سے باز نہیں آتا تھا۔ چنانچہ جب انگلستان کی پارلیمنٹ نے ہندوستانی فوجیوں کی بہادری کو انگریزی فوجیوں سے منسوب کیا تو یہ بھی بے آپے ہوگئے اور ۱۰ جنوری ۱۸۸۵ء کے شمارے میں "ولایتی جذبہ ہندوستانیوں میں" کے عنوان کے تحت اس کا جواب دیا ہے۔

"بو صاحب: یہ دیسی افواج کی قدر کی ہے۔ پارلیمنٹ کے ایک بڑے بھاری مدبر جنٹلمین بہادر فرماتے ہیں کہ دیسی فوج نے جو سرحد پر بہادری دکھائی ہے فی الواقع ان میں گورہ فوج کی شجاعت ہمت حلول کر گئی ہے۔ اے سبحان اللہ آپ نے تعریف بھی کیا کی ہے۔ ہفت۔ بس ایسی بہادری آپ کو اور آپ کی نازوں کی پالی سفید کھال والی فوج کو مبارک رہے کہ ذرا سی سردی زیادہ پڑ گئی تو سوں سوں کرنے لگے اور اگر ذرا سی گرمی زیادہ پڑی تو اُف اُف کر کے کوٹ پتلون معہ ہار دانے کے القط، گھبراتے کیوں ہو، جنرل لالا کھاڑے عنقریب انگریزی فتح مندی کا پھریرا اڑاتے ہوئے لندن پہنچنے والے ہیں۔ ذرا ان کو رٹے گرجا میں لیجا کر سوتے میں پوچھنا تو سہی۔ کہ کہو شیر بہادر کونسی فوج تمہارے تحت میں نہ ہوتی تو تم نوالہ ہی آ جاتے۔۔۔ میاں اللہ اللہ کرو انشاء اللہ۔ اسی ٹوٹی پھوٹی فوج کو اللہ قائم دائم اور ہمیشہ ہمیشہ نمک خوار گورنمنٹ رکھے ورنہ قدر و عافیت معلوم ہوتی۔"

اسی ۱۰ر جنوری ۱۹۰۸ء کے شمارے میں ایک شاہجہاںپور کے تحصیلدار بہادر کی بدعنوانیوں کو آشکارا کیا ہے اور اس کی اچھی خاصی مرمت کی ہے جو نثر میں نہیں بلکہ نظم میں ہے ؎

بیاں کیا ہو حال ان کے انصاف کا — کہ عالم سے ہے اُن کا عالم جدا
جہاں میں کہاں ان سا منصف مزاج — نظیر اپنے انصاف میں ہیں وہ آج
کیا ان کے انصاف نے آہ آہ — زمینداروں کا حال بالکل تباہ
کیا قحط نے پہلے دل بے قرار — مسلط ہوئے آج تحصیلدار!
وہ بھائی بڑے تھے تو چھوٹے ہیں یہ — بڑے سے بھی کچھ بڑھ کے کھوٹے ہیں یہ
یہ تشریف لائے ہیں تحصیلدار! — مجسم ہوا یا کہ قحط آشکار!
زمینداروں پر اک مصیبت یہ ہے — جو سچ پوچھیے تو قیامت یہ ہے
کہ لیں وہ اسامی سے یا کچھ نہ لیں — غرض کیا ہے سرکار کو قسط دیں
بھلا رحم ہو ان سے کیوں آشکار — کہ ہے قحط کا بھائی تحصیلدار
یہ کرتا ہے باتیں کچھ اس قسم کی — گدھوں کو بھی آتی ہے جس پر ہنسی
جو بچپن سے اب تک بریلی میں تھا — وہ حاکم ہوا شاہجہاںپور کا
الٰہی یہ ہیں تیری قدرت کے کھیل — چھچھوندر کے سر میں چنبیلی کا تیل

بہت اس سے دل تنگ ہیں خاص و عام
الٰہی ہو جلد اس کا قصہ تمام

قنوج پنچ بھی متوسط درجہ کا اخبار تھا۔ لیکن اس کے دل میں بھی ملک اور قوم کا درد تھا۔ غلامی کی لعنت سے بھی بے چین رہتا تھا چنانچہ جب ہندوستانیوں نے ہندوستان کی کپڑے کی تجارت کو فروغ دینے کے لئے مانچسٹر کاٹن کے کپڑوں پر ٹیکس کے لگانے کا مطالبہ کیا تو مانچسٹر والے بے چین ہو گئے۔ تو وہاں کے

اخبارات نے ہندوستانیوں کو مشورہ دیا کہ وہ اس ٹیکس کے لگانے پر زور نہ دیں۔ اس مشورہ پر فتوح تیغ نے ۱۰ اراپریل ۱۸۹۴ء کے شمارے میں ان خیالات کا اظہار کیا۔ عنوان یہ شعر ہے ؎

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

"بعض دوست کیسی مطلب کی بات کہتے ہیں۔ اور کیسے داؤ گھات کرتے ہیں لنڈن اخبار سٹینڈرڈ اہل ہند کو صلاح دیتا ہے کہ وہ ولایتی پارچہ کے محصول پر زور نہ دیں اطمینان رکھیئے آگے وہ یہ بھی کہے گا ہندوستانی ٹیکس کے خلاف کچھ نہ کہیں اور یہ تو ہمیشہ وہ کہے گا کہ ہندوستانی اپنی ترقی کی بات چیت زبان سے نہ نکالیں۔ بڑے سٹینڈرڈ اخبار کی نصیحت آپ نے سنی دیکھئے کیسے کیسے ناصح خدا نے ہمارے واسطے تیار کئے ہیں۔"

یہ اخبار بھی عوام کی غلامی کو ختم کرنے اور بیدار ہونے کی تلقین کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے قوم کو بیدار ہونے کی تلقین کی جو منظوم ہے۔ اور مخمس ہے جس کا عنوان "افسون بیداری" ہے اور ۲۰ رجولائی ۱۸۹۴ء کے شمارے میں چھپی ہے اس کے چند بند نقل کئے جاتے ہیں ؎

ٹھنڈی ہوا ہے عطر کی باسی بدلی اٹھی ہے کالی بلاسی
شمع پہ ہے ابھی گونہ اداسی ہار گلے کے ہو گئے باسی
جاگ ذرا او سونے والے

صبح ہوئی اے فتنۂ عالم روشنی ہے کچھ شمع کی مدھم
ران کھلی ہے سمٹی ہے محرم سر پہ کھڑا ہے اک نامحرم
جاگ ذرا او سونے والے

البرٹ بل کی تجھ کو قسم ہے دیدۂ دل کی تجھ کو قسم ہے

آب ذ گل کی تجھ کو قسم ہے — میسر طلی تجھ کو قسم ہے

جاگ ذرا، او سونے والے

کیوں تو بنا ہے پتلا غم کا — سوتا ہے کیوں، پابند الم کا
فتنۂ محشر آکر دھمکا — مہر ترقی سر پر چمکا

جاگ ذرا، او سونے والے

مست پڑے ہیں ہندی بھائی — آنکھوں پہ سب کے نیند ہے چھائی
دیکھ کے غافل ساری خدائی — پنچ نے یوں آواز لگائی

جاگ ذرا، او سونے والے

ان پنچوں کا مذاق اور دماغ ہی نرالا تھا۔ ان میں کلائے شراب کی خوبیوں اور برائی کے افیون کی اچھائیاں اور برائیاں چھپتی تھیں۔ اور اس عنوان پر بہت زور آزمائی ہوتی تھی۔ کوئی اخبار ایسا نہ تھا جو افیون کی قصیدہ خوانی اور مذمت سے نہ بھرا ہوا ہو۔

اصل میں یہ اخبارات اس زمانے کے لوگوں کی صحیح عادات و اطوار کی ترجمانی کرتے تھے۔ افیون کا اس وقت زیادہ رواج تھا چنانچہ قنوج پنچ کے یکم اپریل ۱۸۹۲ء کے شمارے میں" ہمت تری ایسی تیسی اے افیون" کے عنوان کے تحت ایک مخمس درج ہے جس کے چند بند ملاحظہ ہوں ؎

بیٹھے بیٹھے ہوا یہ مجھ کو جنوں — نظم افیوں پہ کیجئے موزوں
ہے یہ کالی بلا نہیں افیوں — ایک عالم کو کر دیا مجنوں !

ہمت تری ایسی تیسی اے افیوں

پیتے ہی عزت و حیا نہ رہے — عزت و آبرو ذرا نہ رہے
آدمیت کی کچھ ادا نہ رہے — بلکہ انسان کی صدا نہ رہے

ہنت تری ایسی تیسی اے افیوں

کھل کے اعضائے جسم ہوگئے شل — آگیا عقل و ہوش میں خلل
اب تو آنے لگے پیام اجل — آج زندہ رہے تو مر گئے کل

ہنت تری ایسی تیسی اے افیون

یک قلم کھو کے عزت و توقیر — چشم عالم میں ہو گئے وہ حقیر
جو بڑے بڑوں کے رئیس ابن رئیس — چانڈو خانہ میں بیٹھے ہو کے فقیر

ہنت تری ایسی تیسی اے افیون

کل چمکتے تھے جو برنگ شرر — آج وہ راکھ ہو گئے جل کر
باندھے پھرتے رہے جو کہ تیغ و تبر — ہاتھ اٹھانا ہے ان کو دوبھر

ہنت تری ایسی تیسی اے افیون

اب آپ اودھ پنچ لکھنؤ ۱۵ مئی ۲۶ء کی زبانی افیون کی تعریف و توصیف سنئے۔ عنوان ہے "افیون خوری" ہے ۔

افیون میں جو مزہ ہے کہاں وہ شراب میں — مصری کا ذائقہ بھی ملا ہے کباب میں
لکھے ہیں وصف سے جو مغاں کی کتاب میں — سودائیوں کی بک ہے بھلا کس حساب میں
میخوار دیکھ لیں جو کبھی چانڈو خانے کو — نکلیں نہ پیر مغاں بھی جو آئیں بلانے کو
بالائے بام فرش مکلف بچھا ہوا — کمرا تمام جھاڑ کنول سے سجا ہوا
بیٹھے ہیں ان کے پہلو سے پہلو بھڑا ہوا — محفل کا رنگ چشم فلک میں کھبا ہوا
افیوں کی پیالیاں چلی آتی ہیں گھوم گھوم — پیتے ہیں اہل ذوق سر افگندہ جھوم جھوم
دونے مٹھائیوں کے ہیں آگے دھرے ہوئے — حقے مدارے ہیں دو سیر ابھرے ہوئے
بے ہوش ہو رہے ہیں آئی چت پڑے ہوئے — تصویر بن گئے ہیں کوئی چپ کھڑے ہوئے
جلسہ عجوبہ خانۂ لندن سے کم نہیں — زندہ تو ہیں سبھی پہ کسی میں بھی دم نہیں

اُڑتی ہے ذوق و شوق میں رنگین حکایتیں — جادو لسا کہتے ہیں شیریں روائتیں
تقریر دلپذیر، مقفیٰ عبارتیں — پانی کی دھار پہ ہیں ہوائی عمارتیں
الفاظ سے بلا کی فصاحت ٹپکتی ہے — طوطی قفس میں باغ میں بلبل چہکتی ہے
احوال روس روم پہ جب نظر گڑی ہوئی — انجام کا بھی سوچ اگر کچھ پڑے کڑی
کابل سے تار برقیاں آئیں گھڑی گھڑی — سٹے کے بھی معاملے سے کچھ ٹکر لڑی

منقوش لوح دل پہ ہے احوال روزگار
حاضر ہیں لوگ آپ، یہ تواریخ ہر دیار

انسان کی ضروریات میں جہاں اور چیزیں داخل ہیں وہاں اس کی بیماری کے لئے دوا دارو بھی بڑی اہم چیز ہے اس لئے صحافیوں نے اس کمی کو بھی پورا کیا۔ اور طبی اخبارات و رسائل بھی جاری کئے جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) اخبار طبابت پشاور ۱۸۶۱ء (۲) محسرت لاہور ۱۸۶۷ء (۳) مراۃ الطبابت امرتسر ۱۸۷۰ء (۴) معدن الحکمت آگرہ ۱۸۷۷ء (۵) حافظ صحت لاہور ۱۸۷۸ء (۶) آستانہ حکمت آگرہ ۱۸۷۹ء (۷) تکمیل الحکمت لاہور ۱۸۸۲ء (۸) طلوع حکمت لاہور ۱۸۸۲ء (۹) میڈیکل پیپر میرٹھ ۱۸۸۳ء (۱۰) جامع مسائل علم طب کپورتھلہ ۱۸۸۳ء (۱۱) گلزار حکمت لاہور ۱۸۸۴ء۔ (۱۲) طب حیوانات لاہور ۱۸۸۴ء (۱۳) طبیب لاہور ۱۸۸۵ء (۱۴) میڈیکل ریفارمر آگرہ ۱۸۸۵ء (۱۵) معدن الاکسیر کپورتھلہ ۱۸۸۵ء (۱۶) گلدستہ حکمت لاہور ۱۸۸۵ء (۱۷) اعجاز لاہور ۱۸۸۵ء (۱۸) انتخاب الحکمت گورداسپور ۱۸۸۵ء (۱۹) تکملہ آگرہ ۱۸۸۶ء وغیرہ

یہ طبی رسالے و اخبارات مختلف علاج کے طریقوں کے حامل تھے۔ کوئی یونانی علاج کو انگریزی علاج پر فوقیت دیتا تھا۔ اور جواز نہ کر کے یونانی کی فوقیت ثابت کرتا تھا۔ کوئی یونانی و انگریزی دونوں طریقہ علاج کو پسند کرتا تھا

اور اُن کے طریقہ علاج بتاتا تھا۔ اور کوئی صرف انگریزی علاج کو پسند کرتا تھا اور اس کے نسخے لکھتا تھا۔ کوئی بچوں کے طریقہ علاج کے لئے مخصوص تھا۔ کوئی زچہ بچہ کے بچانے کے طریقے تحریر کرتا تھا۔ کوئی حیوانات کے لئے مخصوص تھا۔

گلدستہ حکمت لاہور وہ رسالہ تھا جو یونانی اور ویدک طریقہ علاج کو انگریزی طریقہ علاج پر فوقیت دیتا تھا۔ اور موازنہ کر کے یونانی کی فوقیت ثابت کرتا تھا۔ اور یونانی و ویدک کے نسخے درج کرتا تھا۔

طبیب لاہور میں بھی یونانی اور انگریزی طریقہ علاج کا مقابلہ کیا جاتا تھا۔ لیکن یہ انگریزی طریقہ علاج سے نفرت نہیں کرتا تھا بلکہ اس میں انگریزی طبی رسالوں کے مفید خلاصے، حکیموں اور ڈاکٹروں کے تجربات درج ہوتے تھے۔ نیز یونانی و انگریزی دواؤں کا نرخ نامہ درج کیا جاتا تھا تاکہ اگر کسی مقام پر دوا نہ ہو تو حاصل کر لی جائے اور دواؤں کی تجارت کو فروغ ہو۔ یہی حالت تکمیل الحکمت لاہور کی تھی اور یہ رسالہ ڈاکٹروں اور حکیموں کو ماہیت مرض اور جدید تجربات اور دوسرے اہم طبی مسئلوں سے آگاہ کرتا تھا۔ اور عوام کے لئے بھی کثیر الوقوع امراض کے علاج کے طریقے لکھتا تھا۔ تاکہ عوام الناس خود اپنا علاج کر لیں۔ اس لئے کہ بعض مقامات پر طبیب نہیں ہوتے تھے۔

معدن الحکمت میں انگریزی حروف کے حساب سے ہر ایک مرض کا مختصر علاج لکھا جاتا تھا۔ اور سہل و سستے نسخے درج ہوتے تھے تاکہ طبیب فوراً مریض کا علاج کر سکے۔ اور حسب ضرورت نسخے لکھنے کا عادی ہو جائے۔

حافظ صحت لاہور میں صحت کے لئے کیسی خوراک و پوشاک ہو اور کس طرح سونا اور بیدار ہونا چاہیے وہ طریقے بتائے جاتے تھے۔ اور موسموں کی تبدیلی کے اثرات سے۔ موسموں کے آنے سے قبل کیونکر بچنا چاہیے وہ تدبیریں بتائی

جاتی تھیں، اور کثیر الوقوع امراض کی خاص خاص علامتیں اور تشخیص کا طریقہ اور علاج بھی درج کیا جاتا تھا۔

گلزار حکمت لاہور میں ترتیب اطفال پر زیادہ زور دیا جاتا تھا۔ اور انسانی صحت کے لئے مجربہ و مفید نسخے اور حکمت کے عجیب نادر طریقے تحریر کئے جاتے تھے۔

رسالہ تکملہ آگرہ میں زچہ بچہ کی صحت و تندرستی کے لئے تدبیریں اور دوسرے وہ مسائل جن کا حکیم و طبیب کو جاننا ضروری ہوتا تھا درج ہوتے تھے۔

طب حیوانات لاہور کس لئے جاری کیا گیا تھا وہ اس کے اشتہار سے ظاہر ہوتا ہے جس کی عبارت یہ تھی۔

" اس پر عموماً اتفاق ہوگا کہ آج تک کوئی ایسا رسالہ جاری نہیں ہوا جسمیں حیوانات کے امراض و طریق و تشخیص و علاج اور ان کے عیب و صواب کا بیان ہو اور نہ ہمارے حکماء متقدمین نے اس بارے میں کوئی مستقل کتاب بنائی ہے اور یہ ظاہر ہے کہ بباعث عدم اشاعت اس علم کے بہت سے مویشیان تلف ہوجاتے ہیں جس سے زمینداران کے اسباب معاشرت میں فتور پیدا ہوکر اُن کے افلاس کا باعث ہوتا ہے اور نیز بیش قیمت گھوڑوں وغیرہ کی خرید میں اکثر صاحبان دفعتہً میں آکر بیمار جانور خرید لیتے ہیں ان خرابیوں کے دفعیہ کی غرض سے کمترین نے عرصہ دراز کے تجربے کے بعد یہ رسالہ جس کے مضامین حتی الامکان سلیس اردو عبارت اور عام فہم یونانی اصطلاحات مویشیان و اسپان وغیرہ وغیرہ حیوانات کے امراض کا سبب اور علاج اور طریق تشخیص اور ان کے عیب و صواب اور حفظ ماتقدم کے مسائل و مضامین ترقی نسل مویشیان و اسپان وغیرہ فوائد و طریق اخذ افعال الاعضا و تفریق تشریح حیوانات و طریق استعمال اور یہ مضامین متعلق کیمیا جاری کیا گیا۔ خاص صاحبان مفصلہ ذیل مدام ہماری قوم کی بہبودی اور ترقی

کے ساتھ ہیں نئے نئے تجربے اور مضامین ہمیشہ درج کئے جائیں گے"۔ ؎

انسان کے پیٹ بھرنے کے لئے اناج و غلہ کی سخت ضرورت ہے اور اس کے لئے کھیتی باڑی پر توجہ دلانا بھی لازمی امر ہے۔ اس لئے زراعت کرنے کے طریقوں کو بتانے اور سکھانے کے لئے اخبارات و رسائل جاری کئے گئے۔ جن کے نام یہ ہیں۔

(۱) اتالیق و زمینداراں۔ ہوشیار پور ۱۸۸۲ء (۲) مظہر الزراعت میرٹھ ۱۸۸۹ء (۳) فنون۔ حیدر آباد دکن ۱۸۹۳ء (۴) انجمن زراعت بجنور ۱۸۹۴ء (۵) مفید المزارعین کانپور ۱۸۹۵ء (۶) باغبان لاہور ۱۹۰۲ء (۷) زمینداران گوجرانوالا ۱۹۰۳ء (۸) خیر خواہ زمینداران۔ لوڑیہ ۱۹۱۰ء وغیرہ۔

فنون حیدر آباد دکن زراعت تجارت، صنعت و حرفت کو ترقی دینے اور درستگی باغات کے لئے نکالا گیا تھا جو زمینداروں کاشتکاروں، کاریگروں، پیشہ وروں اور شائقین علم نباتات و جمادات کے لئے کارآمد اور خاص طور پر باغ لگانے والوں کے لئے انتہائی مفید تھا۔

زمیندار، فن زراعت فلاحت، باغبانی و علاج المویشی، نخلبندی کے طریقے بتلانے کے جاری ہوا تھا۔ جو زمینداروں کے لئے آب حیات کا حکم رکھتا تھا اور دولت کمانے کا ایک کامیاب آلہ تھا۔

ایسے اخبارات و رسائل جاری کرانے میں حکومت بھی دلچسپی لیتی تھی۔ چنانچہ مفید المزارعین کا نپور محکمہ زراعت ممالک مغربی شمالی و اودھ کے اہتمام میں نکلتا تھا۔ جس کا یہ اشتہار شائع ہوتا تھا۔

" یہ رسالہ ماہواری بالفعل اردو میں محکمہ زراعت و تجارت ممالک مغربی و شمالی و اودھ سے شائع ہوا کریگا اس میں مضامین خبریں اور مفید صلاحیں متعلق زراعت

؎ اختر شہنشاہی ص۱۷۱

و تجارت بغرض اطلاعات و وفاء ملک درج ہوا کریں گے اعلان ان زراعتی تجربوں کا جو وقتاً فوقتاً محکمہ ہذا میں ہوا کرتے ہیں اس رسالہ کے ذریعہ سے ہوگا۔"

مظہرالزراعت میرٹھ مسٹر فلر اسسٹنٹ ڈائرکٹر زراعت کی صلاح پر زمینداروں اور کاشتکاروں کی معلومات کے لئے

(۱) تجارت الاخبار۔ کلکتہ سنہ ۱۸۸۰ء (۲) آئینۂ تجارت مرادآباد سنہ ۱۸۸۴ء (۳) گلدستہ تجارت دہلی سنہ ۱۸۸۵ء (۴) آئینہ تجارت آگرہ سنہ ۱۸۸۵ء (۵) مشتہر دہلی سنہ ۱۸۸۴ء (۶) معلم تجارت اندور جنوری سنہ ۱۸۸۸ء (۷) انجینرنگ گائیڈ لاہور سنہ ۱۸۸۸ء (۸) ایرن منگر۔ لنڈن سنہ ۱۸۸۶ء (۹) آئینۂ انگریزی سوداگری۔ لنڈن سنہ ۱۸۸۶ء وغیرہ

یہ اخبارات رسائل مختلف تاجروں نے جن میں ہندوستان کے علاوہ انگلینڈ کے تاجر بھی شامل تھے۔ اپنے مال اور اشیاء کے پروپیگنڈہ کے لئے جاری کئے تھے۔

گلدستہ تجارت کو اسلام الحق اور حافظ بخش الٰہی صاحب سوداگر بازار فتحپوری دہلی سے شائع کرتے تھے جس میں پارچات میوہ جات کے نرخنامے چھپتے تھے۔ یہ ماہنامہ تھا۔

آئینۂ تجارت محلہ تمباکو والا مرادآباد سے وجود میں آیا تھا۔ جس کے مہتمم مولوی امجد علی صاحب اشفاق علی اور پرنٹر ابن علی صاحب تھے اس میں مرادآباد کے کارخانوں کی روئیداد چھپتی تھی۔

انجینرنگ گائیڈ لاہور ماہنامہ تھا۔ جس غرض کے لئے یہ جاری ہوا تھا وہ اس کے اشتہار میں پڑھیے۔

• نقشہ کشی پیمائش اور اشیاء و سامان عمارت کی تشریح، نئی ویرانی [illegible] انگریزی و دیسی کے نقشہ جات اور ان کی تشریح مفصلہ بالا مطالب کی بابت کل ارباب پبلک ورکس ڈیپارٹمنٹ کے مضامین کی اشاعت، نئی تقرری کا ورسیر سب اورسیری، نقشہ نویسی اور سروے گری کا اشتہار، انجینئری الفاظ اور عمارتی معہ بالحیں وغیرہ وغیرہ کی تشریح "۔

تمام دنیا میں اور خاص طور پر ہندوستان میں انگریزی مال کے پروپیگنڈ کرنے کے لئے، لندن سے ہفتہ وار، ماہوار و سہ ماہی اخبار و رسالہ ایرن میگزین اور "آئینہ انگریزی سوداگری" شائع ہوئے۔

ایرن میگزین انگریزی جرمنی اطالین ڈچ، اور اردو زبانوں میں چھپتا تھا اور ولایت میں جو کلیں نئی بنتی تھیں اس کا تمام دنیا میں پروپیگنڈہ کیا جاتا تھا۔ جس میں ہندوستان بھی شامل تھا۔

" آئینہ انگریزی سوداگری " میں ولایت کے تمام اشیاء کے نرخ نامے اور سوداگروں کے پتے شائع ہوتے تھے۔ یہ سہ ماہی رسالہ تھا۔

علم پھیلانے کا بڑا ذریعہ مدن ۔ اگر ان کے طلباء پر توجہ نہ دی جاتی اور ان کی رہنمائی کے لئے رسائل نہ نکلتے تو علم اتنا نہ پھیلتا جس قدر اب پھیلا ہے۔ چنانچہ اخبارات کے ابتدائی دور میں اس ضرورت کو بھی محسوس کیا گیا جس کے مطابق حسب ذیل رسائل جاری ہوئے۔

(۱) خیر خواہ اطفال لکھنؤ ۱۸۷۳ء (۲) کلید امتحان مڈل اسکول و نارمل گوجرانوالہ ۱۸۷۷ء (۳) اردو انسٹرکٹر بمبئی ۱۸۷۹ء (۴) گلشن ریاضی آگرہ ۱۸۷۳ء (۵) مدرس فارسی بمبئی ۱۸۸۳ء (۶) اسٹوڈنٹس فرینڈ لاہور ۱۸۸۴ء (۷) اسٹوڈنٹس گائیڈ لاہور ۱۸۸۵ء (۸) خادم الطلباء دہلی ۱۸۸۵ء [illegible]

خیرخواہ اطفال لکھنؤ سنڈے سکولوں کے بچوں کے لئے جاری کر یا رسالہ جاری کیا تھا جو مطبع مشن پریس میں چھپتا تھا۔ اس رسالہ کا مقصد عیسائی مذہب کو فروغ دینا تھا

کلید امتحان مڈل سکول و انٹرنس۔ ان طلبا کے لئے جو مڈل و انٹرنس میں پڑھتے تھے منشی محبوب عالم صاحب نے جاری کیا تھا۔

مدرس فارسی۔ انگریزی اور فارسی میں نکلتا تھا۔ جس کا مقصد انگریزی کے ذریعہ فارسی کی استعداد اسکول و کالج کے طلبا کو حاصل کرانا تھی۔

سٹوڈنس فرینڈ لاہور کے سرورق پر شعر درج ہوتا تھا ؎

کیا گلشن علوم کھلا اس رسالہ میں گویا سما گیا ہے سمندر پیالہ میں!

یہ رسالہ طالب علموں کا استاد شفیق اور دوسرے لوگوں کے لئے بہترین رفیق تھا۔

خادم الطلبا دہلی کے مالک مولوی سید الطاف حسین صاحب حالی مدرس اینگلو عربک سکول دہلی اور ایڈیٹر مولانا ذکاء اللہ خاں پروفیسر میور کالج الہ آباد تھے۔ یہ سہ ماہی رسالہ تھا جس کی غرض طلبا کو ہدایتیں اور مشورہ دینا تھا۔ اردو انسٹرکٹر بمبئی کے مالک منشی شیخ حاجی غلام محمد صاحب تھے۔ یہ ماہانہ رسالہ انگریزی اور اردو میں نکلتا تھا جو طلبا کو مفید معلومات فراہم کرتا تھا۔

اردو اخبارات کے ابتدا ہونے کے بعد ہی سے عورتوں کی تعلیم کا چرچا شروع ہو گیا تھا۔ چنانچہ حسب ذیل عورتوں کے اخبارات و رسائل وجود میں آئے۔

(۱) معلمہ عام مدراس ۱۸۶۹ء (۲) رفیق نسواں لکھنؤ ۱۸۸۴ء (۳) اخبار النسا

دہلی ۱۸۸۴ء (۴) تہذیب نسواں لاہور ۱۸۹۸ء وغیرہ۔

مفید عام میں علوم' اقوال حکمائے فلاسفر اور تواریخ کی اشاعت کے ساتھ دختروں کے واسطے عمدہ اور مفید عام مضامین بھی چھپتے تھے۔

رفیق نسواں عیسائیوں کا رسالہ تھا۔ اس کے اشتہار سے اس کا مقصد واضح ہوتا ہے جس کی عبارت یہ ہے'

" پرچہ قومی عیسائیوں مسمی بہ رفیق نسواں یہاں آر دو ہندی لکھنؤ میں اور بزبان بنگالی کلکتہ میں اور بزبان تامل مدراس میں دو ہفتہ کے بعد یوم دوشنبہ کو مخصوص عیسائی عورتوں کے لیے۔ ۲ ورق اوسط پر شائع ہوتا ہے۔ غربا کے لیے مفت نذر ہے شائقین کو ایک پیسہ فی پرچہ علاوہ محصول ڈاک دینا ہوگا۔"

اخبار النساء ہی وہ اخبار ہے جس کو عورتوں کا پہلا اخبار کہا جاسکتا ہے اس لیے کہ مفید عام میں تاریخی وغیرہ مضامین کے ساتھ عورتوں کے متعلق بھی مضامین چھپتے تھے۔ رفیق نسواں صرف عیسائی عورتوں کے لیے تھا جس میں صرف عیسائی مذہب کا پروپیگنڈہ ہوتا تھا۔ اخبار النساء میں کسی قسم کی قید نہیں تھی یہ ہر طبقہ کی عورتوں کی اصلاح کے لئے شائع ہوا تھا۔ چنانچہ اخبار النساء میں اسی قسم کا اعلان چھپتا تھا۔

" یہ پہلا اخبار ہندوستان میں عورتوں کو فائدہ پہنچانے والا ہے اور طالب علموں کو۔"

تہذیب نسواں نے کافی زندگی پائی ۱۸۹۸ء میں نکلنے کے بعد ۵۱ سال کی عمر پاکر ۱۹۴۹ء میں بند ہوا۔ اس رسالے نے عورتوں کی بہبودگی اور اصلاح کے ناقابل فراموش تاریخی خدمت انجام دی ہے۔ اس کے بانی مولوی سید ممتاز علی صاحب تھے جن کا پنجاب کے مشہور صوفیوں میں شمار ہوتا ہے۔

۱۸۵۷ء سے قبل اور بعد بھی ایسی سوسائٹیاں اور انجمنیں قائم ہوئیں جنھوں نے اُردو ادب کی خدمت کی اور ملک میں اصلاحی کام بھی انجام دئے اور صنعت کو بھی ترقی دینے میں کوشش کی۔ ان سوسائٹیوں اور انجمنوں کے کارناموں کی اشاعت کے لئے ان انجمنوں نے اپنے رسائل و اخبارات بھی نکالے جن میں علمی تاریخی ادبی تعلیمی اصلاحی اور صنعتی مضامین شائع ہوئے۔ ایسے رسائل و اخبارات پر میں نے ایک علیحدہ مضمون بعنوان "قدیم علمی و صنعتی سوسائٹیوں اور انجمنوں کے رسائل و اخبارات" لکھا ہے۔

ہندوستان میں شادی بیاہ جیسے اور مرنے وغیرہ پر جو تباہ کن اور نقصان دہ رسمیں جاری تھیں ان کو ختم کرنے کے لئے برادریوں نے اصلاحی قدم اٹھائے۔ ان کی اشاعت و تشہیر کرنے کے لئے انھوں نے اخبارات و رسائل جاری کرنا ضروری سمجھا چنانچہ کائستھ کھتری اور کشمیروں نے حسب ذیل اخبارات و رسائل جاری کئے۔ جن سے ان برادریوں کی اصلاحی کوششوں کا ہی پتہ نہیں چلتا بلکہ خاندانی حالات بھی معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) کائستھ سماچار ۱۸۷۲ء (۲) مراسلہ کشمیر لاہور ۱۸۷۲ء (۳) گور کائستھ الہ آباد ۱۸۸۳ء (۴) قومی کائستھ نگم رونمایاں لکھنؤ ۱۸۸۴ء (۵) کائستھ ریفارم ایسوسی ایشن آگرہ ۱۸۸۷ء (۶) بہار گوپتر کانجے پور ۱۸۸۸ء (۷) کھتری ہتکاری آگرہ ۱۸۸۷ء (۸) کھتری سماچار لاہور ۱۸۹۰ء (۹) کائستھ اخبار لکھنؤ ۱۸۸۸ء۔ کائستھ متر لاہور ۱۸۹۱ء وغیرہ۔

یہ حقیقت ہے کہ اخبارات و رسائل نے قوموں اور برادریوں کو زندہ کیا۔ اور ان کی اصلیت سے آگاہ کیا۔ اور اصلاحی کاموں میں بڑی مدد دی۔ چنانچہ کائستھ سماچار نے کائستھوں کی تاریخی حیثیت کو واضح کیا۔ تنظیم کی طرف متوجہ کیا۔ کانفرنسوں کے قیام کا سبب بھی یہی ہے چنانچہ ۱۰ اپریل ۱۸۹۱ء کے شمارے میں ایک بعنوان

ہماری گذشتہ اور موجودہ حالت“ چھپا ہے اس میں کائستھ برادری کے تاریخی واقعات اور اصلاحی کاموں کی کامیابی کا ذکر ہے۔

” ہائے انھیں بدنصیب اور ناکام آریوں میں ہماری قوم بھی ہے جس کا نام شاستروں نے کائستھ قرار دیا ہے اور ورن کشتری بتلایا ہے۔ یہ قوم کسی حال کے زمانہ میں پیدا نہیں ہوئی اور نہ تھوڑے دنوں سے تشکیل پائی ہے بلکہ یہ ازلی شائستہ قوم ہے یہ بروز تکوین آفرینش بھی موجود تھی اور اس کے بغیر انتظام آفرینش کسی دوسری قوم سے مشکل تھا۔ یہ اسی لئے پیدا کی گئی تھی کہ کائنات کا انتظام کرے اس کا مورث اعلیٰ وہ شخص ہے جو جانداروں کے پاپ پن لکھا کرتا ہے جو کی ہزار برس کی تپشیا کا پھل ہے جو دھرم راج کی قوت بازو اور آفرینش کا سرتاج ہے بروز حساب تمام خلقت کو سب سے پہلے اسی بزرگ دیوتا کے حضور پیش ہونا ہوگا۔ سب کے پاپ پن کا دفتر حاکم حقیقی کے روبرو پیش کرے گا۔ اس مہاتم دیاگیانی دیوتا کا نام سری چترگپت ہے۔ روئے زمین کے تمام صحیح النسب کائستھ چترگپت کی اولاد ہیں۔ یہ اس واسطے مخلوق ہوئے تھے کہ انتظام آفرینش کا بار اٹھائیں۔ اس لئے دیہہ دیہہ اور ملک ملک میں پھیل گئے“۔

لکھنؤ میں کائستھ کانفرنس کی بنیاد قائم ہوئی ۱۸۸۷ء میں وہاں بڑی دھوم دھام سے پہلا جلسہ ہوا اس جلسہ کی کامیابی رونق بابو سری رام صاحب ایم اے بی ایل گورنمنٹ پلیڈر ملک اودھ کی نیک نامی کا ثبوت یادگار زمانہ ہے۔ کائستھ کانفرنس کے سالانہ جلسوں اور اس کی شاخوں یعنی کائستھ سبھاؤں نے قوم میں کیا اثر کیا یہ مندرجہ ذیل بیانات سے واضح ہوگا۔

(۱) تین چار سو کائستھ سبھائیں جا بجا قائم ہوگئیں ان سبھاؤں کے ذریعہ مقام خاص اور گردو نواح کے کائستھ صاحبوں کو مقاصد و فوائد کانفرنس سے بخوبی آگاہی

ہو گئی ہے اور گویا ان کی وساطت سے قوم میں تہذیب شائستگی کی ایک بے بہا تحریک پیدا ہو گئی۔"

"(۱) پہلے کوئی واقف نہ تھا کہ ہماری قوم کہاں کہاں آباد ہے اور وہ کتنی ہے۔ اب سب جاننے لگے ہیں کہ اتنی ہے اور وہاں وہاں ہے۔"

"(۲) شراب خانہ خراب ہماری قوم میں آبائی رسموں کے ساتھ بلا روک ٹوک جاری تھی۔ اب اس کے استعمال کو عیب سمجھنے لگے ہیں۔ بتج تو ہار اور جلسہ دعوت سے بالکل متروک کر دیا۔"

"(۴) مصارف بیجا و فضول خرچی نے اس قوم کو بالکل مفلس و تباہ کر دیا تھا۔ اب مصارف بیجا ناپسندیدہ قرار دئے گئے۔ بیاہوں میں پہلے بہت روپیہ صرف کرنے والوں کی ناموری ہوتی تھی۔ اب کم سے کم روپیہ خرچ کرنے والوں کی واہ واہ ہوتی ہے۔ اوہ! زمانہ ہی کا کایا پلٹ ہو گیا۔ کہئے اب بھی انقلاب زمانہ کے معتقد ہو یا نہ؟"

"(۵) صغیر سنی کی شادی کے رواج نے ہماری قوم میں جو بیحد نقصانات پہنچائے مخفی نہیں ہیں پہلوٹھی کی اولاد تو کبھی چھٹی کے دن تک جنین کا خاتمہ ہو جاتا تھا۔ اب ٹھیک عمر پر شادیاں ہوتی ہیں اور ہونگی اس لئے نہ بچے ضائع ہوں گے۔ نہ بیواؤں کی کثرت ہو گی۔"

وہ اسی کے ساتھ پچاس ساٹھ برس کے بڈھوں کو بھی اور بیاہ کرنے سے روکا گیا پہلے یہ خیال تھا کہ بوڑھے بابا نے دس برس کی کنیا سے ناتا جوڑا ہی تھا کہ بابا صاحب کو فرشتہ موت نے آ دبوچا لیجئے وہ بچاری دہ سالہ لڑکی عمر بھر سہاگ سے ہاتھ دھو بیٹھی اب خوش ہماتا رہا یعنے بڈھوں کے سر سہرا بندھنا موقوف ہو گیا۔"

اس رسالے کے ہر شمارے میں کائستھ برادری کے لوگوں کی پیدائش اموات'

تعلیمی اور دوسرے کاموں کی تفصیل دی جاتی تھی۔ ۱۸ دسمبر ۱۹۲۳ء کے پرچے میں پاٹھ شالہ الہ آباد جس میں کایستھوں کا مدرسہ قائم ہوا تھا ۱۹۲۳ء کی رپورٹ درج ہے اساتذہ کے نام، طلباء کی تعداد، کتب خانہ کی حالت اور نتیجہ امتحان شائع کیا گیا ہے۔

کالیستھ مترسہ جو رہبر اپنی قوم میں اصلاح کرنے کا دعویدار ہے کہ اس سلے دو سال میں قوم میں وہ بیداری پیدا کی جو کبھی فراموش نہیں کی جا سکتی اور اس سے پہلے جو اصلاحی تحریکیں کانفرنس کی شکل میں چلائی گئی تھیں وہ بیکار محض اور ڈھکوسلا تھیں اس رسالہ کی تحریروں نے قوم کے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔ چنانچہ یہ دعوے اپریل ۱۹۲۳ء کے رسالہ میں کئے گئے ہیں اس مضمون کا عنوان ہے "ہم اور ہمارا نیا سال" اس مضمون کے متعلق اقتباس یہ ہیں۔

"...... مگر حق بات پوشیدہ نہیں رہ سکتا۔ مترسے جو قوم کا رنگ بدلا ہے اور جو اس کی رفتار کو پلٹا دیا ہے وہ صفحہ ہستی سے مٹ نہیں سکتا۔ کل کی بات ہے کہ جب اس کا پہلا ہی نمبر نکلا تھا تو قومی دنیا میں ایک تہلکہ پڑ گیا تھا۔ لوگ گھبرا اٹھے ....
اوّل ہی اوّل جب مترسے کانفرنس اور کہلانے والے فخرانِ قوم کا پول کھولنا شروع کیا تھا تو بہت سے سادہ لوح یہ سمجھتے تھے کہ اسے جنون ہو گیا ہے بھلا کوئی کانفرنس کا بال بیکا کر سکتا ہے مگر دوسرے ہی سال کانفرنس کے شیدائیوں اور اس کے کرتا دھرتاؤں نے تحریری اور تقریری طور پر مترکے حرف اور لفظ لفظ کی تائید کی گویا ایک سال میں ہی انکو کانفرنس کا وجود پورا پورا ڈھکوسلا اور محض ناکارہ نظر آگیا۔ ابتک جو محنت ہوئی اور روپیہ صرف ہوا ہے وہ برباد گیا اور اسکے معاوضہ میں بہت ہی کم جو قریب قریب صفر کے ہے فائدہ بر آمد ہوا۔"

اصلاح قوموں اور برادریوں میں کن صورتوں میں ممکن ہو سکتی ہے اسکے ایک مضمون اسی شمارے اپریل ۱۹۲۳ء میں بعنوان "اصلاح اور سوشل اصلاح" چھپا ہے

جس میں فرانس کے انقلابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"چنانچہ کچھ عرصے کے بعد پھر ریوولیوشن ہوا اور اسی طرح شاید تین یا چار دفعہ ریولیوشن ہو مگر مدعا لوگوں کا حاصل نہیں ہوا۔ یہی خواہان نوع انسان بہت نا امید ہوئے کہ اصلاح اس دنیا میں ناممکن ہے آخر کاران عظیم اصلاحوں سے جو سبق غیر ملک کے مدبروں یا خاص فرانس کے مدبروں و عالموں نے سیکھا ہے وہ بہت ہی بیش قیمت ہے اور وہ سبق یہ ہے کہ ملکی یا سوشل لمبی لمبی تجویزیں لاحاصل ہیں۔ جب تک لوگ اپنی علمی دینی میں ترقی کر کے ان تجویزوں پر عمل کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ترقی قوانین و رسومات کی شخصوں تک نہیں پہنچتی بلکہ شخصی ترقی قوانین و رسومات پر اثر کرتی ہے۔ اسی بات کی تائید میں ہربرٹ سپنسر صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں کہ بے انصاف و طرفدار حکومت یا گورنمنٹ نہیں قائم رہ سکتی جب تک اس ملک میں لوگ اپنے خیالات و کاموں میں ویسے ہی بے انصاف و طرفدار نہ ہوں۔ بے انصافی کبھی حکومت نہیں کر سکتی۔ جب تک اس قوم میں سے ایک کثیر تعداد ایسے لوگوں کی نہ پائی جاوے جو اس بے انصافی کو عمل میں لاتے یا اس پر عمل کراتے ہیں۔ کوئی ظالم بادشاہ اپنے ملک پر ظلم نہیں کر سکتا جب تک وہ قوم خود ایسی گری ہوئی نہ ہو کہ اس ظلم کے لئے لڑنے اور اپنے بھائیوں کو غلامی میں رکھنے کے لئے کافی فوج مہیا کرے۔ کسی خاص جماعت کا بیجا اقتدار قائم نہیں رہ سکتا۔ جب تک اس قوم میں بے شمار آدمی رشوت لے کر اپنی رائے دینے والے نہ ہوں۔ حکام یا صاحب اقتدار اگر کوئی ناجائز کام یا حرکت کریں اور اس کو قائم رکھیں تو اس کے یہ معنے ہیں کہ وہ رعایا ایسی ہے کہ خود ایسی ناجائز و بے جا حرکت کرتی ہے۔"

کالیستھوں کی بھی کافی ذاتیں اور خاندان تھے۔ صرف آگرہ کالیستھوں کا آرگن کالیستھ ریفورم ایسوسی ایشن آگرہ تھا۔ جس کے مہتمم بابو ہرگوبند ناتھ اور نرائن پرشاد جوائنٹ سکریٹری تھے۔

کالستھ اخبار محلہ دزیر گنج لکھنؤ سے نکلتا تھا۔ جو ہفتہ وار تھا اس کے مہتمم و ایڈیٹر بابو سری رام وکیل تھے۔ اس اخبار کا مقصد جو اشتہار کی شکل میں شائع ہوتا تھا۔ یہ تھا۔

"قوم کی موجودہ حالت کی اصلاح، باہمی اتفاق کے فوائد، ترقی تعلیم اور معلومات جدیدہ معزز ہستیوں کی ترغیب ضروری مباحث پر رائے، مخالفین کی تحریرات کا جواب، اکابر قوم کی سوانح عمری، کالستھ سبھاؤں کی خلاصہ کارروائی، قومی تقرر و ترقی کا انتخاب حسب گزٹ، منتخب خبریں، تار کی خبریں مفید عام درج ہوا کریں گی"۔

بھارگو پترکا، بھارگو برادری میں چھوٹی عمر کی شادی کو ختم کرانے اور شادیوں میں تباہ کن رسموں کو بند کرانے اور تعلیم نسواں پر زور دیتا تھا۔ اس رسالہ میں بھارگو لوگوں کی پیدائش، اموات، شادی بیاہ، ملازمت وغیرہ کی خبریں چھپتی تھیں اور بھارگو کانفرنسوں کی تفصیلی روئیداد یں بھی شائع ہوتی تھیں چنانچہ مئی ۱۸۹۲ء میں جے پور کانفرنس اپریل میں قصبہ ریواڑی اور جون ۱۸۹۲ء میں اجمیر کانفرنس کی روئیداد چھپا۔ اور فروری ۱۸۹۱ء کے رسالہ میں شادی صغر سنی و تعلیم نسواں مولفہ بابو رام جی داس والا مضمون شائع ہوا ہے۔ غمی و شادی کی رسموں کو ختم کرانے کے لئے جو تجویزیں اجمیر کانفرنس میں پاس ہوئیں وہ حسب ذیل تھیں جو جون ۱۸۹۲ء کے شمارے میں چھپی ہیں۔

(۱) بوقت ضیافت برات۔ سمدھن کا فحش گیت نہ گایا جاوے۔ نہ فحش غزلیں پڑھی جاویں اور نہ رنڈیوں سے سنی دلوائی جاوے۔

(۲) شادیوں میں رات کے سرگشت بند کیجاوے اور دن کو صرف ایک بسر گشت کافی ہے اور اس سرگشت میں آتش بازی اور سوانگ بالکل نہوں۔

(۳) تحریک بابت رسم ماندلا لوچن تھی وہ ڈراپ کی گئی۔

(۴) ہر چہار بلانیوں کے وقت لڑکی کو جنواسہ میں بھیجنا بند کیا جاوے۔ مگر

حقوق کنیان و مستحق بدستور بلا کسی عذر کے دیے جادیں۔

(۵) کسی موقع پر حجام تلک نہ کیا جاوے۔

(۶) بموقع شادی ضیافت برات کے لئے و بد موقع و دیگر رسوم اگنوں وغیرہ ضیافت کے واسطے پتلوں میں تبع یکوائی بنوانا لازی نہیں ہے۔

(۷) بروز موت یا سوہرنی بانو ہنانہ کوئیں یا تالاب وغیرہ پر اشنان اور جل انجلی کے لئے جانا ضروری نہیں ہے۔ یہ رسم گھر پر ہی دروازے کے باہر تنا لگا کر یا پردہ کر کے ادا کی جائے۔

(۸) سگائی ہونے کے بعد ہی فوراً زیور کا چڑھانا بند کیا جاوے۔

(۹) رسم پرچن قابل مسدود ہے۔ قطعی بند کی جاوے۔

کھتریوں نے بھی اپنی برادری کو منظم کرنے اور برادری کو بری رسموں سے بچانے کے لئے کھتری ہتکاری آگرہ ایک ماہانہ پرچہ نکالا جس کے مہتمم و مینیجر منشی دینا ناتھ ٹنڈن میر مجلس و خزانچی منشی ہزالی چند اور سکریٹری بابو پرشاد تھے۔

کھتری سماچار ہفتہ وار جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر پنجاب کے مشہور جرنلسٹ ہیرا لال کپور تھے۔ یہ پرچہ کھتری برادری کے خیالات کی ترجمانی کرتا تھا۔ یہ روزانہ بھی ہو گیا تھا قوم کی بے توجہی سے اس اخبار کا نام کھتری سماچار کے بجائے پنجاب سماچار بدل گیا تھا۔ کھتری سماچار کی تحریروں کا ہی نتیجہ تھا کہ کھتری کانفرنس ہر سال پنجاب کے کسی نہ کسی مقام پر بڑی شان و شوکت سے کی جاتی تھی۔ لالہ ہیرا لال کپور کھتری ایسوسی ایشن کے عرصہ تک سکریٹری رہے۔

مراسلہ کشمیر کشمیری پنڈتوں کا رسالہ تھا جس کے مہتمم پنڈت شیو نرائن بہار تھے۔ اس رسالہ کے جاری کرنے کی غرض جولائی ۱۸۷۲ء کے شمارہ میں بتائی گئی ہے۔

"اشتہار بغرض تکمیل اخبار قوم۔ مراسلہ کشمیر میں اخبار "قوم" کا درج ہونا

بغایت پسند طبائع ہوگی ارباب قوم سے اور سچ ہے کہ بالفعل بھی اس کے بہت سے فوائد ہیں اور آئندہ تو ایک عمدہ ترین فائدہ ترتیب تاریخ قوم کے واسطے فراہم ہوتا جاتا ہے مگر ظاہر ہے کہ تکمیل اس کی بدون دلی توجہ و ہمدردی جملہ صاحبان قوم سکنہ تمامی ہندوستان و کشمیر کے ممکن نہیں ہے لہذا دست بستہ بخدمت ارباب قوم گذارش ہے کہ ایک دو صاحب ہر ایک ضلع میں اہتمام اس کا ازراہ مہربانی بہ نظر فائدہ عام اپنے ذمے لے کر جملہ حالات تقرر و ترقی و تبدل و کامیابی و بلند نامی و ترقی تعلیم و شادی کتخدائی و زنار بندی و موتمر رستی و تقرر نسبت شادی و حیات و ممات و دیگر امور نیک عمدہ قوم دریافت فرما کر ہر مہینے بذریعہ تحریر واسطے اندراج مراسلہ کے یہاں لکھنؤ میں پاس پنڈت کشن نرائن صاحب زرد چوب ساب تحصیلدار ساکن محلہ رانی کٹرہ کے اس حساب سے ارسال فرمایا کریں کہ قبل از ۲۵ تاریخ ہر مہینے کے لکھنؤ پہنچ جایا کریں تاکہ آپ لوگ کی اندک توجہ سے ہر ایک اپنے قوم کے حالات سے ہر مہینے واقف ہو جائیں"۔

کشمیریوں میں مختلف شہروں میں شادی بیاہ کے لئے سکوں کی قیمتیں مختلف مقرر تھیں جس سے ان کو شادی کے وقت لین دین میں بڑی دقتیں ہوتی تھیں بعض شہر کے لوگوں کو زیادہ دینے پڑتے تھے چنانچہ تمام مقامات پر سکون کی ایک قیمت کرنے کے لئے بڑی مہم چلائی گئی اور تمام کشمیریوں ... نامے لکھوائے گئے جس کا ذکر اگست ۱۸۸۱ء کے شمارے میں ہے۔

"ہماری قوم میں سکہ مختلف مقامات مختلف میں جاری ہو گیا ہے یعنے کشمیر و امرتسر لاہور اور ان کی نواح میں ۸ ر و دہلی و آگرہ و مراد آباد و بریلی وغیرہ میں ۱۲ ر و ۱۰ ر اور لکھنؤ میں ۴ ر و کلکتہ و بنارس وغیرہ اضلاع پورب میں ۱۶ ر جاری ہے۔ یہ اختلاف سکہ کا زیادہ تر مزاجوں میں اختلاف پیدا کرنے کا سبب ہوتا ہے اور باہم

حساب وکتاب کی بھی لوگوں کو بہت دقت ہوتی ہے ... آپ سب صاحبان بغرض فائدہ عام عالی ہمتی و سیرچشمی کو کام فرماکر استقدر عہد مستقل فرمالیویں۔

"ہم لوگ اقرار وعہد کرتے ہیں کہ اب ہم سب لوگ جن کے دستخط نقشہ ذیل کے خانۂ پنجم میں ثبت ہیں اپنی اور اپنی اولاد نرینہ کی شادی کتخدائی میں یا اپنے کسی عزیز اقارب کی اولاد نرینہ کی شادی کتخدائی میں جو باختیار ہمارے ہو ارباب دختر سے وقت شادی اور بعد شادی اور دیگر جملہ ارباب قوم سے ہر ایک طرح کے جملہ رسوم لوازم شادی و برادری وغیرہ میں کشی قدیم روپیہ جس کے ... لیونگے یعنے فی روپیہ ... کے حساب سے لیا کریں گے اس سے زیادہ ہرگز کبھی کسی طرح سے بھی قبول نہ کریں گے اور اگر کبھی کوئی زیادہ دلویگا تو ہم فی روپیہ ... کے حساب سے لے کر باقی فوراً واپس کردیویںگے"۔

ہندوستان میں عام طور سے لوگ اپنے لڑکوں کو زیورات پہنا کر سجا کر نکالا کرتے تھے جس سے کافی حادثات ہوتے تھے۔ لیٹرے گہنے کے لالچ میں ایسے بچوں کو مار ڈالتے تھے یا اٹھا کر لیجاتے تھے۔ اس طریقے کے خلاف بھی اس زمانہ کی سوسائٹیو اور انجمنوں نے آواز اٹھائی جس میں ان کو کامیابی ہوئی۔ اکتوبر ۱۸۷۸ء کے پرچے میں اس طریقے کے خلاف ایک مضمون چھپا تھا جس کے اقتباس یہ ہیں۔

"کوئی سمجھتا ہے کہ اس کے پہنانے سے سب لوگ ہم کو روپیہ والا کہیں گے کوئی کہتا ہے اس سے ہمارے لڑکے اچھے اور گورے چٹے دکھائی دیں گے جن کے پاس روپیہ نہیں ہے وہ اس لیئے اپنے لڑکوں کو بالوں کو پہناتے ہیں کہ جو نہ پہنائیں گے تو ہمارے بھائی اور جان پہچان کر کنگال کہیں گے سینکڑوں نے چاہا کہ ہندوستان سے یہ بری ریت چھوڑا دیں آج تک کچھ نہ ہوسکا.... ہم سنا کرتے ہیں کہ آج اس جگہ ایک لڑکے کو کسی نے گہنے کی لالچ سے مار ڈالا

دس بارہ دن ہوئے اس بستی میں کوئی دو لڑکوں کو جو گہنا پہنے تھے بہکا کر لے گیا۔ ادھر لڑکا ہوا ادھر جھٹ اس کے کان ناک چھید کے نچھیدا بنا دیا۔ اور جھٹ گلا ڈورا پہنا دیا۔ پھر تھوڑے دنوں میں چاندی یا سونے کی کنواجی پہنائی گئی کڑے اور ہنسلی اور بالو بھی پہناتے ہیں۔ ہم جب دیکھتے ہیں کہ دو چار برس کا لڑکا سر سے پیر تک گہنے سے لدا ہے اور چل نہیں سکتا۔ کان پک گئے۔ کڑے کی چاندی سے ٹخنے کالے کوئلا سے ہو گئے تو بہت جی دُکھتا ہے۔"

کشمیریوں کے علاوہ ہندوستان کی کسی بھی قوم یا برادری نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہمارے کسی بھی فرد نے انگریزوں کی مخالفت نہیں کی۔ بلکہ پوری قوم وفادار بنی رہی۔ یہ دعویٰ اگست ۱۸۶۸ء کے مراسلہ کشمیر کیا گیا ہے اور اشتہار شائع کیا گیا ہے۔

"۱۸۵۷ء کے بلوہ میں اس قوم کے ایک متنفس نے کبھی بغاوت نہ اختیار کی حالانکہ ہندوستان کی دوسری قوم اور ایسی نہ ہوگی کہ جس کا کوئی نہ کوئی باغی نہ ہوا جو غور کیا گیا تو معلوم ہوا کہ حکام ضلع نے جیسی چاہیے ویسی رپورٹ نہ لکھی اور نہ اس قوم کی طرف سے دعویٰ پیش کیا لہذا اس بارہ میں اکثر اہل قوم مثل پنڈت کشن لال سکھیا اکسٹرہ اسسٹنٹ کمشنر ضلع پرتاپ گڑھ و پنڈت جگت نرائن سب جج ضلع جونپور و پنڈت رتن لال سوپوری صدر امین ضلع جونپور وغیرہ سے رائے لی ایک کمیٹی اس غرض سے قائم ہو کہ وہ منجانب قوم وقتاً فوقتاً اظہار حالات کیا کرے اور ایک رسالہ جس میں ہماری قوم کے لوگوں کا مفصل اور مشرح ذکر بابت کارکردگی خیرخواہی سرکار و امورات رفاہ عام کے بزبان انگریزی مرتب ہو کر گورنمنٹ کے حضور میں پیش کیا جاوے اس لئے درخواست کی جاتی ہے کہ ایک اہل خطہ اپنے اپنے مختصر خاندانی حالات اور کارگزاریوں اور ان الزامات سے

جو بجلد وے ان کے ان کو گیا سلطنت انگریزی کیا دوسری سلطنت میں ملے ہوں اور جس بہتے پر یا جس کیفیت سے اب وہ ہوں اس رقم (یعنی نرائن مشران) کو اطلاع دیدیں۔ اور نیز اس سے بھی مطلع کریں کہ وہ کن کن صاحبوں کو اس کمیٹی کا ممبر ہونا جو اس کمیٹی کی رپورٹ مرتب کریں گے منظور فرماتے ہیں"

اہل ہنود میں مذہبی اعتبار سے مختلف فرقے ہیں مثلاً آریہ سماجی، سناتن دھرم جینی وغیرہ۔ انھوں نے بھی اپنے اپنے اخبارات و رسائل نکالے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

(۱) آریہ درپن، شاہجہاں پور ۱۸۷۸ء (۲) آریہ سماچار میرٹھ ۱۸۷۹ء (۳) آریہ سیتر بریلی ۱۸۸۴ء (۴) آریہ گزٹ کیمپ میرٹھ ۱۸۸۵ء (۵) جیون دھرم لاہور ۱۸۸۳ء (۶) ہندو باندھو لاہور ۱۸۷۵ء (۷) ادتیا حقیقت لاہور۔ ۱۸۷۳ء (۸) آریہ مترلاہور ۱۸۸۶ء (۹) جین پرکاش ہندوستان فرخ نگر ۱۸۸۴ء وغیرہ۔

آریہ درپن، قومی آریہ لوگوں کا ماہانہ آرگن تھا جس کو آریہ سماج نے جاری کیا تھا۔ مہتمم منشی کلیان سنگھ فورتھ ماسٹر گورنمنٹ اسکول سکریٹری آریہ سبھا تھے۔

آریہ سماچار کو انجمن آریہ سماج میرٹھ نے نکالا تھا۔ یہ ماہانہ تھا مہتمم منشی کلیان رائے سکریٹری اندلال تھے۔ آریہ متر، پنڈت سوامی دیانند کی یادگاری میں جاری ہوا تھا ایڈیٹر بابو ابردمن سنگھ وکیل، مہتمم منشی کاشی رام تھے یہ ہفتہ وار اخبار تھا۔

دھرم جیون پندرہ روزہ اخبار تھا جس کے مالک پنڈت شیو نرائن اگن ہوتری ایڈیٹر بہمچاری ستیہ نند اگن ہوتری تھے یہ اخبار قومی سنیاس دھرم کا تھا۔ جس کے بانی راجہ رام موہن رائے تھے۔ اس اخبار کی غرض و غایت

یہ تھی۔

"(اس میں) پرماتما کے نئے عطیے اور مکمل دھرم کے بارہ اپنچایتوں اور جیون مکتی اور دیو جیون کے متعلق نئے اور عالمگیر اصولوں کا ذکر ہوتا ہے اس کے علاوہ آریہ سماج کے افسوسناک حالات اور سوشل امور پر بلا لاگ لپیٹ انصاف کی بنا پر بحث ہوتی ہے اور بہت سی عام دلچسپ خبریں بھی شتہر ہوتی ہیں"۔

قریباً یہ پورا اخبار آریہ سماج کی مخالفت سے بھرا پڑا ہے اس کو جو بھی صورت بن آتی ہے آریہ سماج کی مخالفت میں کسر اٹھا کر نہیں رکھتا۔ چنانچہ مسلمان سکھ عیسائی حتیٰ کہ قادیانیوں کے اخبارات اور رہنماؤں کے مضامین و بیانات جو آریہ سماجیوں کی تردید میں شائع ہوتے تھے ان کو جلی سرخیوں میں شائع کرتا تھا۔

یہ اخبار راجہ رام موہن رائے کے نظریوں کے مطابق ہندو قوم کی اصلاح چاہتا تھا۔ یہ بیواؤں کی شادی کا حامی اور فضول رسموں اور چھوت چھات کا سخت ترین دشمن تھا ان کو جڑوں سے اکھیڑ پھینکدینا چاہتا تھا۔ ہندو یا نذ سناتن دھرم کا ترجمان تھا۔ جو ماہانہ تھا اور اس کے مالک پنڈت شیو نرائن اگنی ہوتری ہی تھے اس کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔

"ہندوؤں کی قوم آج علی العموم ابتر اور تاریک حالت میں پڑی ہوئی ہے اور اس قدیم تر زبان سنسکرت کا جس میں ان کے سناتن یعنے قدیم دھرم حقیقی اور صحیح اصول معاشرت اور اخلاق کا ذکر ہے۔ عام رواج از لبسے سے اصلی دہرم کرم اچار اور بیوپار وغیرہ سے غافل ہو کر ہزاروں توہمات اور تعصبات خارجی میں گرفتار ہو جانے سے برائے نام ہندو رہ گئے ہیں اور اصلیت حال کی جہالت دوسری شائستہ قوموں کی حقارت انگیز تیروں کے نشانے بن رہے

ہیں ان کی اصلاح اور فلاح میں بحث کرے۔ اور ان کے سناتن دھرم حقیقی کو اپنے اپنے موقوں پر بحوالہ صحائف قدیم سنسکرت یعنے شرتی سمرتی وغیرہ کے ظاہر کرے اور نیز ان کے حسن معاشرت اور اخلاق حمیدہ کے پھیلانے میں کوشش کرے اور بعض ان امر مذہبی جو ترقی اصلی کے مخالف حارج ہو رہے ہیں ان کے رفع کرنے میں ساعی ہوں۔"

جین پرکاش ہندوستان: اُردو اور ہندی زبان میں نکلتا تھا۔ یہ ماہانہ پرچہ تھا جینیوں کا آرگن تھا۔ مالک پنڈت چودھری منشی جیالال تھے۔ اسی اغراض کے ماتحت جاری کیا گیا تھا۔

"اصلی منشا یہ ہے کہ جین دھرم کو رونق ہو اس کے ذریعہ سے ہمارے جینی بھائی فائدہ اٹھاویں سب کو ترقی علم و ہنر و تہذیب و اخلاق کی رونق ہو۔ اور پرش مفید عام سب کو پہنچایا جاوے۔ وسیلہ معاش و طریقہ تعلیم سب کے ہاتھ آوے اپنے نیک و بد کو جانیں اور بھلے برے کو پہچانیں۔

مسلمانوں میں چار طبقے حنفی، شافعی، حنبلی اور مالکی ہیں۔ لیکن ۱۸۵۷ء کے بعد ہندوستان میں نیچری قادیانی اور دیوبندی بریلوی اور چار طبقے پیدا ہوئے۔ شافعی، مالکی اور حنبلی طبقوں نے کوئی اخبار نہیں نکالا۔ البتہ حنفی لوگوں نے جن کو اہلسنت بھی کہتے ہیں اپنے اخبارات نکالے اور شیعہ حضرات کے بھی اخبارات جاری ہوئے۔ لیکن جب وقت سرسید مرحوم نے تہذیب الاخلاق نکالا اور اس میں انھوں نے نئے خیالات کا اظہار کیا اور نئے نظریے پیش کئے تو ان کے مسلک کا نام نیچری رکھا گیا۔ جن کے خلاف کافی اخبارات شائع ہوئے اور تقریباً کوئی اخبار ایسا نہ تھا جو ان کے خیالات کی تردید میں نہ لکھتا ہو۔ یوں تو ان کے خیالات کے حامی بھی تھے لیکن بہت ہی کم تھے۔

اشاعت الاسلام راولپنڈی سے ۱۳ راگست ۱۸۸۵ء کو شائع ہوا۔ جس کے بانی مولوی محمد امین تھے۔ یہ ماہانہ رسالہ تھا۔ جو اہلسنت حضرات کے خیالات کی ترجمانی کرتا تھا۔ اس کے اغراض و مقاصد یہ تھے۔

فی زمانہ بہت سے لوگ جو علوم دینیہ عربیہ سے ناواقف ہیں اور اُردو کی تحریریں جو مخالفین مذہب نے واسطے بہکانے کم علم اہلسنت و جماعت کے شائع کیے ہیں ان کو اکثر لوگ دیکھ کر قدیم مذہب سے متنفر ہو کر جدید مذہب اختیار کرنے لگے قید تقلید سے چھوٹ کر دین میں لاپرواہی کرنے لگے اس واسطے بعض خادمان دین محمدی کی یہ رائے ہے کہ ایک رسالہ ایک جز کا جس میں ضروری مسائل موافق عقیدہ اہلسنت و جماعت کے ہوں جاری کیا جاوے جس کے پڑھنے میں کوئی شخص تضیع اوقات تصور نہ فرمادیں"۔

شیعہ حضرات نے بھی حسب ذیل اخبارات رسائل جاری کیے۔

(۱) مجمع البحرین لدھیانہ ۱۸۶۰ء (۲) ناصر الایمان لاہور ۱۸۸۵ء (۳) امامیہ لکھنؤ ۱۸۹۲ء (۴) رسالہ روشنی لکھنؤ ۱۸۹۳ء وغیرہ۔

مجمع البحرین ہفتہ وار اخبار تھا اور ہندوستان مشہور و معروف شیعہ حضرات کے مجتہد مولوی رجب علی اس کے ایڈیٹر تھے اس اخبار کو شیعہ حضرات میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا جو ان کے مذہبی خیالات کی صحیح ترجمانی کرتا تھا۔

ناصر الایمان ماہانہ رسالہ تھا جس کے ایڈیٹر و مالک سید نادر علی صاحب تھے۔ اس کے اشتہار کا مضمون یہ تھا۔

" جو شیعوں کی دینی و دنیوی ترقیات کے واسطے ہر قمری مہینہ کی اٹھارھویں تاریخ کو چھپتا ہے۔ چنانچہ دین اور دنیا دونوں میں ترقی کرو اور نیک خیال آدمی کی ہر ایک قسم کی ترقی خود اس کی ذات اس کی قوم اور ملک و سلطنت

کے واسطے مفید ہوتی ہے۔"

چنانچہ سالانہ خریداروں سے ..... للعہ، ستلاشیان دین اور کم بضاعت شیعہ صاحبان سے جن کی آمدنی ماہوار عہ تک ہوتی تھی ان سے دو روپیہ چودہ آنے لیا جاتا تھا۔"

تہذیب الاخلاق جاری ہونے کے بعد سرسید مرحوم نے اپنے ایسے خیالات کا اظہار کیا جو مسلمانوں کے مسلمہ امور کے خلاف تھا جس کی وجہ سے مسلمانوں کے علمی طبقہ میں ایک بے چینی پیدا ہوئی اور کثرت کے ساتھ اخباروں اور رسالوں نے ان کے خیالات کی تردید کی اور حسب ذیل اخبار ان کے مضامین کے جوابات دینے کے لئے شائع ہوئے۔

(۱) نور الآفاق کانپور ۱۸۷۳ء (۲) نور الانوار کانپور ۱۸۷۳ء (۳) تیرھویں صدی آگرہ ۱۸۷۳ء (۴) لوح محفوظ مراد آباد ۱۸۷۷ء (۵) تائید الاسلام مراد آباد ۱۸۸۱ء (۶) اکسیر اعظم مراد آباد ۱۸۸۶ء

تائید الاسلام کے ایڈیٹر مولوی قاضی احتشام الدین صاحب تھے۔ جن اغراض و مقاصد کے ماتحت یہ اخبار جاری ہوا تھا وہ یہ تھے۔

(۱) سید احمد خاں صاحب بہادر کا جھوٹ (۲) سید احمد خاں صاحب بہادر کی جہالت (۳) سید احمد خاں صاحب بہادر کا مذہب (۴) سید احمد خاں صاحب بہادر کی رائے تذبذب۔

سرسید مرحوم نے اپنے مخالف اخبار نور الآفاق اور نور الانوار کا ذکر تہذیب الاخلاق، یکم محرم ۱۲۹۱ھ کے شمارے میں کیا ہے۔

" ناصحان مشفق نے ہم کو کبھی کچھ کہا اور کبھی کچھ، آخر کار کافر و ملحد ٹھہرا بھی دیا۔ دور و نزدیک کے مولوی صاحبوں سے کفر کے فتووں پر مہر کیا

چھپوا ہی منگائیں اور ہمارے کفر پر ہمارے ناصح شفیق جناب مولوی حاجی سید امداد العلی صاحب نے ایک رسالہ چھاپ ہی دیا۔ اور امداد الآفاق اس کا نام رکھا۔ ... اخباروں میں نور الانوار تو اپنا نور عالم میں برسا ہی رہا تھا مگر ان سے ایک اور پرچہ ان کے گھر کا اُجالا مسمّی بہ نور الآفاق لدفع ظلمت اہل النفاق پیدا ہوا ہے جو نہایت ہی دلچسپ ہے اور ہمارے اس پرچے تہذیب الاخلاق کے جواب میں نکلا ہے۔ اس کے مضامین تو جناب حاجی مولوی سید امداد العلی صاحب بہادر کے طبع زاد معلوم ہوتے ہیں مگر بعض لوگ ان مضامین کو لے پالک بتاتے ہیں۔"

انگریزوں نے ہندوستان پر قابض ہوتے ہی اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے کتابیں اخبارات و رسائل شائع کرنے شروع کر دیئے تھے چنانچہ مشنریوں نے ہندوستان میں بنگالی زبان میں ۱۸۱۸ء میں دِگ درشن ایک ماہانہ رسالہ کلکتہ سے جاری کیا جس کے جواب میں راجہ رام موہن رائے نے ۱۸۲۱ء میں سمباد کمودی کلکتہ سے بنگالی ہی زبان میں نکالا جس میں دگ درشن کے جانشین سمباد کمودی کے جوابات شائع ہوتے تھے۔ اور ہندو دھرم اور مسیحی مذہب کا موازنہ کیا جاتا تھا۔ اس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہو گیا۔ انگریزوں نے اپنے مذہب کو پھیلانے کے لئے حسب ذیل اخبارات و رسائل جاری کیے۔

(۱) خیر خواہ ہند مرزا پور ۱۸۳۷ء (۲) خیر خواہ خلائق سکندرہ آگرہ ۱۸۶۳ء (۳) مخزن مسیحی الہ آباد ۱۸۶۸ء (۴) مواعظ عقبیٰ دہلی ۱۸۶۷ء (۵) حقائق عرفان امرتسر ۱۸۹۶ء (۶) شمس الاخبار لکھنؤ ۱۸۶۹ء (۷) نور افشاں لدھیانہ ۱۸۷۳ء (۸) وکیل ہندوستان امرتسر ۱۸۹۵ء (۹) پنجاب ریویو امرتسر

(۱۰) نیوٹر کرسچین پیپر ناگپور ۱۸۶۲ء (۱۱) کوکب عیسوی لکھنؤ ۱۸۶۸ء۔

ان اخباروں اور رسالوں میں ہندوستان کے ہر غیر عیسائی مذہب مسلمان سکھ اور ہندوؤں کے پیشواؤں پر الزامات لگائے جاتے تھے۔ اور خاص طور پر اسلام اور اس کے بانی جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، ازدواج مطہرات اور قرآن مجید پر رکیک ناشائستہ حملے کئے جاتے تھے۔

گارسان دتاسی کٹر قسم کا عیسائی تھا وہ اپنے مقالوں اور خطبوں میں ہندوستانی مشنریوں کے تبلیغی کارناموں کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے خیر خواہ خلق اور حقائق عرفاں کا ذکر اس انداز میں کیا ہے۔

"خیر خواہ خلق بالکل مذہبی قسم کا اخبار ہے اس کا مقصد دین مسیح کی نشر و اشاعت ہے اس کے سرورق پر یہ الفاظ لکھے رہتے ہیں خدا کا خوف دانائی کی ابتداء ہے اور مذہبی آدمی کے نزدیک علم اور احتیاط ہم معنی ہیں"۔ (خطبات ص ۲۷)

حقائق عرفاں مسیحی تبلیغ کا ماہوار رسالہ ہے جس کی ادارت کے فرائض عماد الدین انجام دیتے ہیں اس میں امرتسر کے مسلمان سے خطاب کیا جاتا ہے۔ ہر اشاعت میں مسیحی مذہب اور حضرت مسیح کے متعلق مقالے ہوتے ہیں (خطبات ۲۹)

ان مسیحی اخباروں اور رسالوں میں نور افشاں کو خاص اہمیت و پوزیشن حاصل تھی اس نے کافی عرصے عیسائی مذہب کی اشاعت .... میں حصہ لیا۔ اور شہرت حاصل کی۔

تقریباً ہر ہندوستانی اخبار اور خاص طور پر مسلمان اخباروں نے رد نصاریٰ میں بے پناہ حصہ لیا۔ اور مسیحی دین کے مقابلے میں اسلام کی

حقانیت کو ثابت کیا۔ لیکن بخصوصیت کے ساتھ عیسائی اخبارات کا جواب دینے اور اسلام کی افضلیت کا سکہ جمانے کے لئے حسب ذیل اخبارات و رسالے شائع ہوئے۔

(۱) خیر المواعظ دہلی ۱۸۶۹ء (۲) منشور محمدی بنگلور ۱۸۷۲ء (۳) مہر درخشاں دہلی ۱۸۷۴ء (۴) ضیاء الاسلام دہلی ۱۸۷۵ء (۵) حمایت الاسلام لاہور ۱۸۸۶ء (۶) سراج الاخبار جہلم ۱۸۸۵ء (۷) بنارس اخبار ۱۸۴۸ء (۸) مفید الانام فتح گڑھ ۱۸۶۰ء وغیرہ۔

خیر المواعظ اور ضیاء الاسلام کے بارے میں گارساں دتاسی اعتراف کرتا ہے کہ یہ دونوں پرچے عیسائیوں کے اعتراضات کے جوابات دینے کے لئے نکالے گئے تھے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

(۱) خیر المواعظ یہ ہفتہ وار اخبار دہلی سے ۸ صفحے پر شائع ہوتا ہے اس کے پیش نظر یہ مقصد ہے کہ اصول اسلام کی نشر و اشاعت اور مسیحی تعلیمات کا رد کرے۔ (خطبات دتاسی ۷۹)

(۲) ضیاء الاسلام پندرہ روزہ اخبار کی شکل میں نکلنے لگا ہے اسلام پر عیسائی پادری جو اعتراض کیا کرتے تھے اس کی تردید کے لئے یہ رسالہ وقف ہے۔ (مقالات دوم ص ۱۵۸)

مہر درخشاں کے اڈیٹر امام فن مناظرہ مولانا ابو المنصور اور سراج الاخبار کے بانی مولوی فقیر محمد صاحب مشہور زود نصاری عالم تھے۔ یہ دونوں پرچے اسلام کی حقانیت اور عیسائی مشریوں کے جوابات اور ان کی شرارتوں کا خاتمہ کرنے کے لئے نکالے گئے تھے۔

بنارس اخبار اور مفید الانام ہندوؤں نے عیسائیوں کے اعتراضات

کے جوابات دینے کے لئے شائع کئے گئے جس کا انکشاف دتاسی نے کیا ہے۔

بنارس اخبار سنا ہے کہ راجہ نیپال سے امداد ملتی ہے اس کا اڈیٹر ایک پرجوش ہندو ہے اس اخبار میں عیسائی مشنریوں کے خلاف ہندو مذہب کی پرزور حمایت ہوتی ہے (خطبات دتاسی صفحہ ۳۳)

مفید نام یہ ہفتہ وار اخبار فتح گڑھ سے اُردو میں نکلتا ہے اس اخبار میں عورتوں کو مسیحی مذہب قبول کرنے سے باز رکھنے کی تجاویز پیش کی گئی ہیں اور اس غرض سے ایک انجمن قائم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ (خطبات دتاسی صفحہ ۱۰۲)۔

جس طرح عیسائیوں کے اخبارات میں نور افشاں کو شہرت حاصل ہوئی اسی طرح رد نصاریٰ میں مشہور محمدی کو بھی شہرت حاصل ہوئی اس کے تاریخی کارنامے بھلائے نہیں جا سکتے۔ اس نے عیسائیت کے زور کو توڑا۔ اور نور افشاں کے پروپیگنڈے اور اعتراضوں کا دندان شکن جواب دیا۔ اس اخبار کی یہ خصوصیت تھی کہ اس نے بہت سی رد نصاریٰ کی کتابیں اپنے صفحات میں قسطوار چھاپ کر محفوظ کر دیں۔ ہندوستان کے بابائے مناظر حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب مرحوم و مغفور کی ازلۃ الاوہام جو فارسی میں تھی اس کا اردو میں قسط وار شائع کیا۔

اس دور کے اخبارات و رسائل نے بڑی تاریخی معلومات اور اہم واقعات اپنے اوراق میں محفوظ کیے حتیٰ کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے واقعات و حالات کو شائع کرنے کے لئے ایک ماہانہ رسالہ تاریخ بغاوت ہند آگرہ سے ۱۸۵۹ء میں جاری ہوا اس میں ہندوستان کے ہر ایک شہر کے ہنگامے

۱۸۵۷ء کے حالات تین چار سال تک چھپتے رہے۔ جس میں اس جنگ کے بارے میں کافی معلومات ملتی ہے۔

اس زمانے کے صحافیوں نے تقریباً کوئی عنوان نہیں چھوڑا جس میں انہوں نے اخبارات و رسائل نہ جاری کئے ہوں۔ کھیل کود کو کوئی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ اس کے بارے میں بھی مضامین چھاپنے کے لئے کلکتہ سے ۱۸۵۰ء میں ایک ماہانہ رسالہ گلزار جہاں نکالا۔ جو سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ اور اس کے مالک امیر علی صاحب تھے۔ ابتدائی دور میں اردو اخبار و رسائل کی اشاعت زیادہ نہیں تھی بلکہ بہت ہی کم تھی جس سے اخبار نکالنے والے اپنے ذوق و شوق کو تسکین دے لیا کرتے تھے۔ اس زمانے کے اخبارات کی تعداد کو دیکھ کر تعجب ضرور ہوگا۔ اس وقت لوگوں کو اخبار پڑھنے کا شوق بہت ہی کم تھا اور جس طرح آج مفت خور اخبارات دوسروں سے لے کر کافی تعداد میں پڑھتے ہیں۔ اس وقت بھی لوگوں کی یہی حالت تھی۔ ۱۸۵۷ء سے قبل کے اخبارات کی اشاعت کتنی تھی اس کا اندازہ حسب ذیل نقشے سے ہوگا۔

نام اخبار	سنہ	ہندو	مسلمان	یورپین	تبادلہ مفت	کل تعداد
دہلی اردو اخبار	۱۸۴۹ء	۲۴	۳۴	۳	۱۹	۸۰
سید الاخبار دہلی	۱۸۴۸ء	۳	۶	۱		۳۹
قران السعدین دہلی	۱۸۵۱ء	۴	۴	۸	۱۷	۳۳
صادق الاخبار دہلی	۱۸۵۱ء	۴	۲	۳	۱۲	۲۱
فتح الاخبار کول	۱۸۵۳ء	۱۰	۱۷	۱۲	۳	۴۲
کوہ نور لاہور	۱۸۵۱ء	۱۰۵	۵۲	۱۹	۱۳	۱۸۹

نام اخبار	سنہ	ہندو	مسلمان	یورپین	تبادلۂ مفت	کل تعداد
دریائے نور لاہور	۱۸۵۱ء	۲۸	۳۹	۳۰	۱۰	۱۰۷
ریاض نور ملتان	۱۸۵۳ء	۲۷	۴۰	۲۱	۵	۹۳
جام جمشید میرٹھ	۱۸۵۰ء	۳۷	۲۴	۵	۵	۷۱
مفتاح الاخبار ملتان	۱۸۵۰ء	۱۴	۱۷	۲	۷	۴۰
جام جہاں نما میرٹھ	۱۸۵۳ء	۱۵	۱۴	۷	۳	۳۹
الحقائق آگرہ	۱۸۵۱ء	۱۵	۱۳	۲۲	۱۰	۶۰
اسعد الاخبار آگرہ	۱۸۵۰ء	۸۴	۱۶	۸	۱۷	۱۲۵
مطلع الاخبار آگرہ	۱۸۵۰ء	۲۳	۱۰	۳	۰	۳۶
اخبار النواح آگرہ	۱۸۵۱ء	۱۵	۴	۵	۱۱	۳۵
قطب الاخبار آگرہ	۱۸۵۴ء	۷	۸	۱	۰	۱۶
نور الابصار آگرہ	۱۸۵۳ء	۱۸	۶	۲۱۳	۷	۲۴۴
مالوہ اخبار اندور	۱۸۵۱ء	۵۱	۱۰	۸	۲۱	۹۰
عمدۃ الاخبار بریلی	۱۸۴۹ء	۲۴	۱۳	۱۴	۱۴	۶۵
بنارس گزٹ بنارس	۱۸۴۸ء	۲۱		۲۳	۰	۴۴
باغ و بہار بنارس	۱۸۵۱ء	۵	۱۷	۵	۷	۳۴
زائرین ہند بنارس	۱۸۵۱ء	۴۲	۹	۲۴	۰	۷۵
بنارس ہرکارہ بنارس	۱۸۵۱ء	۱۶	۳	۶	۰	۲۵
آفتاب ہند بنارس	۱۸۵۳ء	۴۴	۱۳	۱۰	۴	۷۱

اخبارات کے ایڈیٹروں کے ساتھ ان کے نمائندوں کو بھی اہمیت دی جاتی تھی۔

جس اخبار کے زیادہ نمائندے ہوتے تھے وہی اخبار مقبول ہوتا اور کامیاب مانا جاتا تھا۔ اور اس میں خبریں مضامین تازہ اور عمدہ ہوتے تھے بعض اخبار تو نمائندوں اور مضمون نگاروں کے لئے ہدایتیں شائع کرتے تھے۔ چنانچہ ناصر الاخبار دہلی اپنے ہر شمارے میں دستور العمل نامہ نگاراں شائع کرتا تھا چنانچہ ۱۱ر فروری سنہ ۱۸۸۶ء کے پرچے سے چند ہدایتیں نقل کی جاتی ہیں۔

"(۱) بتحقیق صحت خبر بکوشش تمام کر کے مختصر اور مطلب خیز عبارت میں لکھنا چاہیئے۔

(۲) تعصب مذہبی یا تعصب قومی یا کسی کے توہین کے مضامین جو محض حاصل یا بوجہ خصومت ذاتی ہو ہرگز بہ قیمت بھی درج اخبار نہ ہوں گے۔"

(۳) کسی قسم کی نظم جو خلاف ادب و ایمان یا بے قاعدہ یا بے معنے یا غیر فصیح یا اصول شاعری کے خلاف ہو ہرگز چھاپی نہ جائے گی۔

(۴) وفات یا ولادت یا شادی وغیرہ کی خبریں جو عمائد سے علاقہ رکھتے ہوں یا عوام میں کسی کا ایسا واقعہ جو موجب عبرت یا باعث حیرت ہو درج اخبار کیجاوے گی اور بغیر فضلا اس کے ہر خاص و عام کی وفات و ولادت سے اطلاع مطبع کو بھیجنا کچھ ضروری نہیں۔

(۵) کارسپانڈنٹ صاحبوں کو چاہیئے کہ خبر تازہ عشرہ وار اور کبھی کبھی نرخ اجناس و مضامین مفید عام وغیرہ بھی اس طرح کہ تاریخ طبع اخبار سے دو دن پیشتر مطبع میں پہنچ جائیں بلا ناغہ روانہ کیا کریں۔

(۶) سب کارسپانڈنٹوں کو اس سے خاطر جمع رکھنا چاہیئے کہ حسب دستور ان کے نام ہرگز ظاہر نہ کئے جائیں گے۔"

اس ابتدائی دور میں اخبارات و رسائل کی اہمیت بتانے: ان کو کامیاب کرنے اور مقبول عام بنانے کے لئے تقریباً ہر ایک اخبار و رسالہ مضامین شائع

کرتا تھا اور ان کی خوبیاں تفصیل کے ساتھ لکھتا تھا۔ اخبار مرقع تہذیب لکھنؤ کے یکم اکتوبر ۱۸۷۴ء کے شمارے میں ایک طویل مضمون محمد حسن علی سکریٹری جلسہ تہذیب لکھنؤ کا "تہذیب الاخبار" کے عنوان کے تحت چھپا ہے جسمیں خطوط کی ایجاد ڈاک کی ابتدا پڑنے کے بعد اخبارات کے جاری ہونے پر اُن کے فوائد پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ تجویز رکھی ہے کہ ایک کمیٹی ایسی مقرر کی جائے جو لائق ایڈیٹروں کے ساتھ تجربہ کار نمائندوں کا بھی انتخاب کرے۔

"جب مختلف شہروں میں مختلف اخبار جاری ہوتے ہیں تو وہ اپنے مختلف کارسپانڈنٹوں کے ذریعہ سے حالات دیار و امصار صحیح طور پر باحتیاط دریافت کرتے ہیں عمدہ اہل رائے اشخاص کے عمدہ آرا حاصل کرتے ہیں اور خود اپنے عمدہ روشن ضمیری کے خیالات اس پر اضافہ کرتے ہیں اور عمدہ کتب کے ملاحظہ کے بعد مفید عام اور علمی خیالات سے درج کرکے شائع کرتے ہیں اور جب اسی طرح مختلف شہروں سے مختلف اخبارات شائع ہوئے اور ایک اخبار نے دیگر اخبار سے حالات اور عمدہ خیالات علمی نقل کیے تو ہر خبر نے ایک عمدہ جام جہاں نما کی کیفیت پیدا کرلی"۔

"ایسی کمیٹی عمدہ اہل اخبار کی وقتاً فوقتاً ایسے اصول بھی مقرر کرے گی جس کے ذریعہ اہل اخبار اپنے کارسپانڈنٹوں کی عمدہ لیاقت اور خوبی اخلاق اور نیک نیتی کی نسبت اطمینان حاصل کرکے ان کی کارسپانڈنٹی منظور کیا کریں اور نیز باینہمہ ایسے اصول عمدہ بھی مقرر کیے جادیں جس کے رو سے حالات زیادہ صحت کے ساتھ دریافت کرکے درج اخبار ہوا کریں"۔

اخبارات نے اسقدر کم اشاعت ہونے کے باوجود اپنا سکہ منوا لیا تھا۔ جہاں اہل قلم اور شاعر اپنا کلام چھپوانے کی اخبارات میں خواہش کرتا تھا

وہاں بااثر لوگ بھی ان سے مرعوب ہوتے تھے اور ان کو اپنے اثر میں رکھنے کے لئے مالی امداد دیتے تھے۔ چنانچہ سرکاری رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ زبدۃ الاخبار کو راجے نواب ہزار سو روپے کے قریب دیتے تھے۔ رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں۔

"خریداروں سے زبدۃ الاخبار آگرہ کی آمدنی تقریباً ایکسو چالیس روپے ماہوار ہے اس رقم کے علاوہ دور و نزدیک کے ان راجوں اور نوابوں سے بھی سو روپے کے نذرانے مل جاتے ہیں جو اس اخبار کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے متمنی رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس اخبار میں کوئی ایسی بات نہ چھپے جس سے ان کی سبکی ہو۔"

کوہ نور لاہور کے ایڈیٹر جناب منشی ہرسکھ رائے کی پنجاب کے حکمران بے پناہ عزت کرتے تھے اور خاص طور پر مہاراجہ کشمیر ان سے بہت متاثر تھے جب کبھی منشی صاحب کشمیر جاتے تو ان کی آؤبھگت میں کوئی کسر اٹھا کر نہیں رکھتے تھے شہر پر مہاراجہ کا ہاتھی انھیں لینے کے لئے آیا کرتا تھا۔ اور منشی صاحب بڑی شان و شوکت کے ساتھ بطور شاہی مہمان کے کشمیر میں قیام کرتے تھے رخصت کے وقت مہاراجہ کی طرف سے ان کو گیارہ سو روپے رخصتانہ کا ملتا تھا۔

خیر خواہ عالم دہلی کی یہ پوزیشن تھی کہ گورنمنٹ کو اس اخبار سے بہت مدد ملتی تھی خصوصاً ریاست جے پور میں تو یہ اخبار ترجمان سمجھا جاتا تھا۔ اور اس ریاست کو اس سے پوری مدد ملتی تھی اس کی تحریر پر وہاں عمل کیا جاتا تھا۔ اس اخبار نے ریاست جے پور میں جو خرابیاں تھیں ان کی کم و بیش اصلاح کرادی تھی۔ وہاں اس کی تحریر دستور العمل سمجھی جاتی تھی۔ حالانکہ یہ وہ زمانہ تھا جب کوئی اخبار کسی بات پر نکتہ چینی کرتا تھا تو وہاں کے وقائع نگاروں پر سنگین مقدمات دائر کئے جاتے تھے اور اس کے آنے پر پابندی لگادی جاتی تھی۔

اردو اخبارات کے ابتدائی عہد کے حالات و مسائل

اخبارات اپنے دور کے واقعات و حالات و ماحول اور سوسائٹی کی تصویر اور تاریخ ہوتے ہیں اور اسی ماحول و حالات کی ترجمانی کرتے ہیں جس طرح رہبر و رہنما و مصلح اپنے دور کی برائیوں اور نقصان دہ اور پریشان کن رسم و رواج کو ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسی طرح اخبارات کی بھی یہی سعی ہوتی ہے کہ وہ اپنے دور کے انسانیت سوز رسم و رواج، بری عادتوں اور بری خصلتوں اور جہالت کو دور اور اپنی زبان اور اپنے ادب کو زیادہ سے زیادہ شائستہ اور صاف و بہتر اور عام فہم بنائے۔ چنانچہ انگریز جو دنیا کی تمام قوموں میں اپنی قوم کے بارے میں زیادہ مہذب شائستہ اور شریف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کو مہذب و شائستہ بنانے اور ان کی رکیک و قبیح حرکات و عادت و خصلت کو بدل لینے اور ان کی غیر شائستہ زبان و ادب کو پاکیزہ بنانے میں سب سے بڑا ہاتھ اخباروں کا رہا ہے۔

ایک زمانہ تھا جب انگلستان کے لوگوں کی خصلت و عادت اور جہالت قابل نفرت تھی اچھے اور اونچے درجے کے لوگ خواہ وہ مرد ہوں یا عورت علم کے حاصل کرنے کو انتہائی برا سمجھتے اور کمینوں کا کام جانتے تھے۔ پڑھے لکھے لوگ شاذ و نادر نظر آتے تھے۔ جہالت کوئی عیب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ عورت کی تعلیم کو باعث بدنامی۔ قمار بازی اور خانہ جنگی کی انتہا تھی۔ چارلس دوم کے دور میں جو خرابیاں پھیلی ہوئی تھیں وہ شریف اور اعلیٰ درجے کے خاندانی لوگوں کی عادت و اطوار

میں داخل ہوگئی تھیں۔ بیلوں وغیرہ کو کتوں سے پھڑوانا اور اسی قسم کے کھیلوں اور تماشوں کا دیکھنا ہر ایک امیر کا شوق بن گیا تھا۔

سر رچرڈ اسٹیل صاحب نے ۱۷۰۹ء میں ایک اخبار نکالا جس کا نام ٹیٹلر تھا اس کے ایڈیٹر اسٹیل صاحب تھے مگر ایڈیسن صاحب کے اس میں کبھی کبھی مضامین چھپ جاتے تھے اور مدد دیے تھے یہ اخبار ہفتے میں تین دفعہ نکلتا تھا۔ پہلا شمارہ ۱۲ اپریل ۱۷۰۹ء میں جاری ہوا۔ سر رچرڈ نے اس اخبار کے جاری کرنے کی غرض غایت یہ بتائی تھی۔

" انسان جھوٹی باتوں کو اپنی زندگی میں داخل کرلیتا ہے اس کو ختم کرے۔ مکاری شیخی کو مٹا دے تصنع والی پوشاک کو اتار کر پوشاک، گفتگو اور برتاؤ میں سادگی پیدا کرے "

اس اخبار کے ۲۷۱ پرچے شائع ہوئے، آخری پرچہ ۲ جنوری ۱۷۱۱ء کو طبع ہوا تھا اس کے بعد یہ اخبار نہیں نکلا بعد ازاں اسٹیل صاحب اور مسٹر ایڈیسن صاحب نے ایک اور اخبار نکالا۔ اس کا نام اسپکٹیٹر تھا۔ یہ اخبار روزانہ تھا۔ اس کے صرف ۵۳۵ شمارے شائع ہوئے تھے اور ۱۷۱۲ء میں بند ہوگیا تھا۔

۱۷۱۳ء میں اس کے بعد اسٹیل صاحب نے مسٹر ایڈیسن کی مدد سے ایک اور روزنامہ نکالا جس کا نام گارڈین تھا۔ اس کے ۱۷۵ نمبر نکلے اس کے بعد یہ لقمہ اجل ہوا۔ ان اخبارات کے جاری ہونے سے انگریزوں کے اخلاق و عادات دینداری کو بے پناہ فائدہ ہوا۔ لوگوں کے دلوں پر ان کا اثر ہوا۔ ڈاکٹر دربک صاحب کا قول ہے۔

" عام لوگوں کو علم ادب کا شوق اسی وقت سے پیدا ہوا جب سے ٹیٹلر شائع ہونا شروع ہوا۔ اور اسپکٹیٹر اور گارڈین نے اس شوق کو اور اجالا کردیا۔"

اسپکٹیٹر میں اس کے ایڈیٹر نے ایک مرتبہ تحریر کیا تھا۔

"اخلاق میں خوش طبعی کی جان ڈالوں گا اور خوش طبعی کو اخلاق میں شامل کروں گا۔ اور لوگ جن خرابیوں میں جکڑے ہوئے ہیں جب تک میں ان کو دور نہیں کرلوں گا اس وقت تک ان کو نصیحت کرتا رہوں گا سقراط کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے فلسفے کو آسمان سے اتارا اور انسانوں میں بسایا مگر میں اپنی نسبت صرف اتنا ہی کہنا چاہتا ہوں کہ میں نے فلسفوں کو مدرسوں اور مکتبوں کے کتب خانوں کی کوٹھڑیوں میں سے نکالا اور چائے اور قہوہ پینے کی مجلسوں میں پھیلایا اور ہر ایک دل میں بسایا"۔

سپکیٹیٹر میں عمدہ اخلاقی اور تہذیبی مضامین شائع ہوتے تھے اور خویش اقارب کے ساتھ اچھے سلوک کرنے کے طریقے بتائے جاتے تھے اور اس بات پر بھی زور توجہ دلاتا تھا کہ انسان اپنی اس قوت کو جس کا نام شوق ہے سوچ سمجھ کر صرف کرے اس اخبار کا بڑا کارنامہ یہ تھا کہ اس نے تحریر کا شائستہ مقبول و دلکش طرز لوگوں کو سکھایا۔ اور جو لوگ اپنی گفتگو میں بُرے کلمات اور بُرے محاورات استعمال کرتے تھے ان کو درست کرنے کی تلقین کی۔

سپکیٹیٹر کے مضامین میں انسان کے خیالات کے مخرج اور ان خیالات سے جو مسرتیں حاصل ہوتی ہیں ان کی وضاحت بڑی خوش اسلوبی سے کی جاتی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ شاعروں کے خیالات اور ان کے اشعار کی خیال بندی نہایت عمدہ اور درست ہوگئی۔ لغو اور بے سود خیالات اشعار میں سے خارج ہونے لگے اور ان کی جگہ موثر خیالات سے لوگوں میں لائق و قابل مصنفوں کی تحریروں کو جانچنے اور لطف اٹھانے کی صلاحیت پیدا ہوگئی۔

ان اخبارات سے صرف انگریزی علم ادب اور علم انشا ہی میں ترقی نہیں

ہوئی بلکہ انگریزوں کی عادات و اطوار میں بڑا فرق پڑا اور کافی شائستگی پیدا ہوئی۔ جہالت دور ہوئی۔ تعلیم کی طرف لوگ توجہ دینے لگے۔

ان اخبارات کے ذریعے اس زمانے کی مشہور کتابیں منظر عام پر آئیں۔ اور ان کے مصنفین عوام کے سامنے روشناس ہوئے اور ان کی قابلیت کا سکہ جما۔ چنانچہ ملٹن جو یورپ کا مشہور مصنف ہے اس کی بے نظیر کتاب پیراڈائز لاسٹ کا تعارف انہی اخباروں کے ذریعے ہوا۔

ہندوستان میں انگریزی اور اُردو اخبارات کی ابتدا اس وقت ہوئی جبکہ سائنس اپنی ترقی کی ابتدائی منزلیں طے کر چکی تھی۔ اور ترقی و آسائش کے ذرائع کی معلومات فراہم کرنے کا آغاز ہو گیا تھا۔ اس وقت ہندوستان کے لوگ بحری جہاز، ہوائی جہاز، بجلی کے پنکھے، موٹر گاڑی، ریل گاڑی سے ناآشنا تھے۔ ہوائی جہاز کا وجود تک نہیں تھا۔ ہندوستان میں تعلیم کا معیار گر چکا تھا۔ ہر طرف تقریباً جہالت چھائی ہوئی تھی۔ عورتوں کی تعلیم کے نام سے لوگ بھاگتے تھے اور اس کو عورت کی بے عزتی اور اس کی سیرت و اخلاق کی تباہی کا باعث جانتے تھے۔ انسانیت سوزستی کی رسم جاری تھی۔ بیواؤں کی شادی، غیر ممالک کا سفر معیوب سمجھا جاتا تھا۔ خبروں کا معیار کچھ نہیں تھا۔ حیرت انگیز خبریں اور محیر العقول واقعات سے دلچسپی لی جاتی تھی۔ اور ادب صرف ذہنوں میں پرورش پا رہا تھا۔ قابل و لائق ہستیوں کی ذہانت و فراست ایک طبقے کے لئے محدود ہو گئی تھی۔ مایہ ناز تصانیف کی اشاعت کا کوئی ذریعہ نہیں تھا۔ انگریزی حکومت کے قائم ہونے کے بعد جب انگریزی قانون لاگو ہوا تو ہندوستان کے لوگ اس سے بالکل ناواقف تھے۔

اُردو اخبارات شائع ہوئے، انھوں نے جہاں اُردو ادب کی خدمت کی

اور اس کو فروغ دیا۔ لائق و قابل مصنفین کی کتابوں اور نامور شعراء کے کلاموں کی اشاعت کی تو علم پھیلا اور علم کی قدر ہوئی۔ ماہر فن اہل علم اور اہل قلم حضرات سے دُنیا پوری طرح واقف ہوگئی۔

اُردو اخبارات نے اپنے صفحات میں وہ خزانے محفوظ کر رکھے ہیں جن سے اس زمانے کے احوال و حالات کا پتہ چلتا ہے۔ ہندوستان کی ابتدائی ترقی کا حال بھی معلوم ہوتا ہے اور اس زمانے کے علمی، ادبی، سیاسی اور سماجی واقعات کا پتا لگتا ہے کہ کس طرح لوگ انگریزی قانون سے واقف ہونے کے لئے بیچین رہتے تھے۔ ہوائی جہاز کو کیسا عجوبہ سمجھا جاتا تھا اور اس کے بنانے کے لئے کیا کیا کوششیں ہوتی تھیں۔ تار، ڈاک، بجلی کے پنکھے اور ریل گاڑی کو لوگ کس طرح حیرت سے دیکھتے تھے اور بیواؤں کی شادی اور عورتوں کی تعلیم کو کس قدر معیوب سمجھا جاتا تھا بیواؤں کی شادی اور عورتوں کی تعلیم کے لئے کیا کیا جتن ہوئے۔ رسم ستی ہندو سماج میں کس طرح چھائی ہوئی تھی اور کس طرح اس کا خاتمہ ہوا۔ تعلیم کی کیا حالت تھی اور اس کو پھیلانے کے لئے کیا صورتیں اختیار کی گئیں۔

آج کل کے اخبارات دیکھئے اس میں کوئی صفحہ تو کجا کوئی لائن بھی ایسی نظر نہیں آئے گی جس میں قانون سے واقفیت کے لئے کچھ لکھا ہو اور نہ ہی اخبارات میں قانونی کتابوں کے اشتہارات شائع ہوتے ہیں اور نہ ہی کتب فروش اپنی فہرستوں میں کسی قانونی کتاب کا اشتہار شائع کرتے ہیں۔

لیکن اخبارات کے ابتدائی دور میں قانونی معلومات حاصل کرنے کے لئے لوگ بیچین رہتے تھے۔ اگر کوئی اخبار قانون کے متعلق کچھ نہ لکھتا تو اس کے پڑھنے والے اُسے مجبور کرتے تھے کہ وہ قانونی معلومات زیادہ سے زیادہ شائع کرے چنانچہ اخبارات اپنے ناظرین کو خوش کرنے کے لئے اعلان کرتے تھے

کو فلاں تاریخ سے قانونی معلومات یعنی گورنمنٹ گزٹ آگرہ کی نقل شائع کی جائے گی۔

اسعد الاخبار آگرہ چار صفحات پر نکلتا تھا۔ دو صفحے مذہبی معلومات کے اور تیسرے صفحے کا آدھا حصہ اولیاء کرام کے حالات کے لئے وقف تھا۔ بقایا ڈیڑھ صفحے میں خبریں شائع کی جاتی تھیں۔ اس کے باوجود پڑھنے والوں نے قانونی معلومات کے لئے تقاضا کیا جس کے بعد ایڈیٹر نے ۲۷ دسمبر ۱۸۵۰ء کے پرچے میں یہ اعلان شائع کیا۔

" ناظرین اخبار پر مخفی نہ رہے کہ پرچہ ہذا میں گورنمنٹ گزٹ جو التزاماً ہفتہ وار منقول نہیں ہوتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ کبھی تو بہ سبب ہونے سرکیولر طولانی کے خود اس پرچے میں گنجائش نہ ہوتی تھی اور کبھی گزٹ ہی میں کوئی قانونی دیوانی یا کلکٹری نہ پایا گیا اور کبھی پرچہ ہذا میں بہ سبب تحریر مطالب ضروریہ و اخبارات وغیرہ کے خلاصہ گزٹ مرقوم نہ ہو سکا۔ مگر اب میں نے التزاماً یہ تجویز ٹھہرائی ہے کہ مثل اور اخباروں کے گورنمنٹ گزٹ کی بھی تھوڑی سی نقل ہر اخبار میں ہوا کرے۔ شروع ۱۸۵۱ء سے ایسا ہوا کرے گا کہ بقدر ایک صفحے کے گورنمنٹ گزٹ میں جس قدر سما سکے گا بترتیب وار لکھا جائے گا اور اخبارات وغیرہ میں تخفیف کی جائے گی اور جیسا کہ اور اخباروں میں دستور ہے کہ گزٹ کے مطابق بالاستیعاب لکھتے ہیں خواہ ایک پرچے میں سمائیں خواہ دو تین میں، ویسے ہی اخبار ہذا میں التزاماً ہو گا اور ہر ہفتہ برابر چھپا کرے گا۔ کہ کوئی قانون فروگزاشت نہ ہوا کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔"

غرض اسی طرح ہر ایک اخبار میں قانونی معلومات شائع کی جاتی ۔۔ دہلی اردو اخبار بھی چار صفحات پر مشتمل تھا۔ اس میں دو صفحوں پر فورٹ ولیم کے احکام

کی نقل کی جاتی تھی۔ اس کے علاوہ تقریباً ہر اخبار اپنے پریس میں قانونی کتابیں چھاپتا تھا اور اس کے اشتہار شائع کرتا تھا چنانچہ قانونی کتابوں کے مقابلے میں اور دوسری کتابوں کے اشتہار زیادہ ہوتے تھے۔

قانونی کتابوں اور اخبارات کی قانونی معلومات سے بھی لوگوں کی ضرورت پوری نہیں ہوتی تھی اس کی کو پورا کرنے کے لئے قانونی اخبار اور رسائل بھی نکلنے شروع ہوئے۔ فوائد الشائقین ہفتہ وار اخبار دہلی سے نومبر ۱۸۶۵ء کو جاری ہوا اور آگرے سے معدن القوانین ایک ماہنامہ رسالہ ۱۸۶۸ء میں شائع ہوا۔ اس میں بھی مقدمات کے فیصلے درج ہوتے تھے۔ اور قانونی مشورے دیئے جاتے تھے۔ سوال وجواب کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ چنانچہ فوائد الشائقین دہلی مورخہ ۸ مئی ۱۸۶۶ء میں یہ سوال چھپا" جس کا جواب بھی اسی شمارے میں درج ہے۔

"سوال:- ایک رئیس کا مال منقولہ بعلت زرڈگری چند اشخاص ذمگی اس کی عدالت سے نیلام ہوگیا اور وہ رئیس مفلس اور بے استطاعت ہوگیا اور تنخواہ ملازمان اس کی کے ذمہ رئیس مذکور باقی ہے اور بباعث افلاس کے ادائگی سے معذور۔ میرا یہ سوال ہے کہ زر تنخواہ نوکران عدالت حسب استغاثہ راونکی عدالت فوجداری یا دیوانی سے مل سکتا ہے کہ نہیں اور جو مل سکتا ہے تو کس طرح اور جس قدر زر بابت تنخواہ باقی ہے اسی قدر مل سکتا ہے یا کم۔ بیّنوا۔

"جواب:- مفلس ہونا کسی شخص کا مانع ادائے تنخواہ ملازمین کا نہیں ہوسکتا اور بصورت درپیش ہونے نالش کے عدالت دیوانی یا فوجداری میں اور صادر ہونے ڈگری بحق مدعی کے زر تنخواہ ملازمان جائداد و اسباب منقولہ وغیرہ منقولہ مدعا علیہ سے اور بصورت نہ ملنے جائداد اور دستیابی خود مدعا علیہ کے بہ گرفتاری و قید مدعا علیہ دلایا جاسکتا ہے۔"

قانونی معلومات کی ابتدائی زمانے میں لوگوں کو اس قدر ضرورت تھی کہ منشی نولکشور کی ۱۸۷۰ء کی فہرست کتب میں دوسو کے قریب قانونی کتابوں کا اشتہار ہے جو بڑے سائز کے بارہ صفحات میں درج ہے۔

اخبارات کی تاریخی حیثیت کی ایک جھلک آپ نے دیکھی بقایا مذکورہ حالات اور مسائل کی ابتدائی حالت قدیم اخبارات کے صفحات میں پڑھیے۔

بحری جہاز کے بارے میں ۱۸۲۵ء سے قبل ہندوستانی عوام واقف نہیں تھے۔ اس جہاز کے سلسلے میں ایک مضمون "دھوئیں کی کل کا بیان" معلم العلما" آگرہ کے اکتوبر نومبر ۱۸۵۵ء کے شماروں میں شائع ہوا۔ اور "دخانی جہازوں کا بیان" والا تفصیلی مضمون ۱۸ اگست ۱۸۵۰ء کے کوہ نور لاہور اور خیر خواہ ہند مرزاپور میں چھپا جس کا اقتباس یہ ہے۔

" بولٹن صاحب نے ۱۷۸۱ء کلدار جہاز تیار کیا اور دریائے ہڈسن میں چلانے لگا ۔۔۔۔ پہلے پہل جب جاہلوں نے جہازوں کو بغیر پال و ڈانڈ کے پانی میں چلا جانے اور دودکش سے دھواں اور آگ نکلتے دیکھا تو نہایت گھبرائے اور جس راہ سے دھواں کش جہاز جاتا تھا دوسرے جہازوں کے لوگ اسے دیکھ کر خوف کے مارے جہاز کی ٹھوکر میں پانی کے نیچے جا چھپتے تھے یا اسی جگہ اوندھے منہ گر کر خدا سے پناہ چاہتے تھے۔"

جب کہ دخانی جہاز ہندوستان میں ۱۸۲۵ء کے آخر میں آیا تو اس کی خبر جام جہاں نما کلکتہ مورخہ ۲۸ دسمبر ۱۸۲۵ء میں چھپی عوام پر اس جہاز کے دیکھنے کا جو اثر ہوا وہ اس میں درج ہے جس کا عنوان "دھوئیں کی جہاز کی مفصل خبر" ہے۔

" بہت دنوں سے یہ خبر مشہور تھی کہ انگلستان میں ایک جہاز طیارہ ہوتا ہے کہ جس طرح ایک ناو چپلے بدس نکلتے ہیں، آگ کو صرف دھوئیں کے زور سے چڑھاؤ،

اتار پر بے تکلف دریا میں چلی جاتی ہے وہ جہاز اسی طرح بے کھٹکے بحر محیط میں آمد شد کرے گا۔ اور اس جہاز کے بنانے والے نے انگلینڈ سے کلکتہ پہنچنے کی چھبیس دن کی مدت ٹھہرائی ہے کس واسطے کہ وہ جہاز پال سے علاقہ نہیں رکھتا جو ہوا کا محتاج ہو اس کو آندھی طوفان موسم غیر موسم سب برابر ہے بارے چھبیس ہفتے میں وہ جہاز ولایت سے آیا۔ جس دن کلکتے میں پہنچا دریا کے کنارے ایک انبوہ جمع تھا ہفت اقلیم کے سیاح اکٹھا ہوئے تھے کس واسطے کہ اگلے زمانہ میں کسو نے ایسے جہاز کا نام نہیں سنا ہر چند ناؤ کے دیکھنے سے لوگوں نے سمجھا تھا کہ جہاز بھی بن سکتا ہے پر بڑے بڑے ریاضی داں جنہوں کو اس علم میں دعویٰ ہے یہ کہتے تھے کہ ایسا جہاز ولایت سے کلکتے ہرگز نہ پہنچے گا اس جہاز کی طیاری اور جلد رفتاری کو دیکھ کر سب خلقت دنگ ہو گئی اور ریاضی کے اہل کمال حیران ہو کر کہنے لگے کہ سچ مچ یہ جہاز ہے دھوئیں کے زور سے چلا آتا ہے یا کوئی طلسم ہے کہ دکھلائی دیتا ہے اس جہاز کے بنانے والے کو ہزار آفرین کیا چاہیے بشر کا یہ کام نہیں ایسی نادر صنعت کا ایجاد کرنا بہت مشکل ہے اس سبب سے کہ بنانے والا موجود دیکھنے والوں نے بنتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا سب کو یقین ہوا کہ یہ صنعت ریاضی علم کے زور سے نکلی جو اگلے وقت میں کسو نے بنایا ہوتا تو بہت لوگ یہی کہتے کہ اس کے بنانے والے کے فرشتے مددگار تھے۔ اس نے دھوئیں کا جہاز نہیں بنایا خلق کو اپنا معجزہ دکھلایا۔ غرض جس قدر لوگوں نے ستائش کی اگر لکھی جاوے ایک دفتر میں گنجائش نہ پاوے۔ اب گزارش کیا جاتا ہے کہ اس مرتبہ جہاز ایک سو لو دن میں انگلینڈ سے کلکتے پہنچا۔ چونتیس دن مقرری میعاد سے بڑھ گئے اس کا سبب یہ ہے کہ کوئلہ جہاز میں کم ہو گیا کوئلہ درکار تھا اثنائے راہ میں نہ ملا۔ آخر جس قدر کوئلہ میسر ہوا اسی کو جلاتے ہوئے جہاز کلکتے میں لا سکے ورنہ مطابق جو بنانے والے نے تجویز کیا ہے اگر کوئلہ دن رات آتش خانے میں جلتا دھواں اس

اندازے سے نکلتا کہ اس کے زور سے جہاز چھتر دن میں کلکتے پہنچا۔ اب جہاز کے کپتان نے جگہ جگہ جزیروں میں کوئلے کا بندوبست کیا ہے آئندہ جہاں ضرورت ہوگا وہاں سے کوئلہ لے گا اور جہاز چھتر دن میں بیشک انگلینڈ سے کلکتے اور کلکتے سے انگلینڈ آیا جایا کرے گا۔ اور انگلینڈ کے بہت امیر جن کو ہندوستان دیکھنے کی آرزو ہے کم فرصتی کے سبب ایسا دراز سفر نہیں کر سکتے ہیں کہ صرف آمدورفت میں ایک برس گزر جاتا۔ سیر کے دن ایک برس سے زیادہ ہوتے اب یقین ہے کہ اس جہاز کے وسیلے سے ہندوستان دیکھیں گے کس واسطے کہ آمدورفت کی مدت پانچ مہینے سے زیادہ نہیں"۔

ابھی تک ہوائی جہاز کی اسکیم پایہ تکمیل تک نہیں پہنچی تھی۔ یورپ میں کیا کیا جتن کیے جا رہے تھے وہ اسعد الاخبار آگرہ مورخہ ۷ نومبر ۱۸۵۱ء میں پڑھیے۔

"خبر غبارہ:۔ ان دنوں لفٹنٹ گیل نے ایک بڑا غبارہ بنا کر اپنے گھوڑے سے اس کو باندھا اور گھوڑے پر سوار ہو کر آسمان کی طرف اڑا اور ایک لمحے میں نظر سے غائب ہو گیا اور پانچ ساعت تک غائب رہا جب گھوڑے کے تڑپنے سے یا کسی اور وجہ سے غبارے کا زور گھٹ گیا تب وہ زمین کی طرف اترا اور گھوڑا غبارے سے جدا ہو کر زمین پر گر پڑا اور لفٹنٹ گیل ویسے ہی غبارے میں الجھا رہا غبارہ جب گھوڑے کے گرنے سے ہلکا ہوا تو پھر آسمان کو چڑھا اور لفٹنٹ گیل کو لے اڑا۔ دوسرے دن چھ میل کے فاصلے پر کھیت والوں نے لفٹنٹ گیل کی لاش دیکھی۔ کتوں اور درندوں نے اس کا منہ نوچ کھایا تھا اور آدھے میل کے فاصلے سے غبارہ بھی پڑا تھا۔ اس مقام لورود جہاں سے یہ انگریز غبارے پر اڑا تھا اس کے خویش واقربا ڈھونڈتے ہوئے نعش پر گئے اور اس کو دفن کیا۔ کہتے ہیں کہ بارہا اسی طرح انگریزوں کی جان تلف

ہوئی ہے تو بھی ایسی باتوں سے باز نہیں آئے نہیں معلوم اس میں کیا فائدہ ہے"۔

اس سے قبل ۱۸۴۵ء میں انگلینڈ میں ایک اور کوشش ہو چکی تھی۔ اس کے بعد امریکہ والوں نے جہاز بنانے کی کوشش کی جس کا ذکر یکم جولائی ۱۸۴۹ء کے اسعد الاخبار آگرہ میں ہے۔ جس کا عنوان ہے "خبر صنعت" عجیبہ اہل امریکا۔

"اہل امریکہ بڑے ذہین اور صناع ہیں پہلے آہنی ک انھوں نے بڑی کفایت سے طیار کی۔ اب ایک امر عجیب ایجاد کیا ہے شرح اس کی یہ ہے کہ کچھ عرصے گزرا کہ انگلستان میں کسی انگریز نے ایک ہوائی جہاز کی طیاری پر ہاتھ لگایا تھا۔ کہ غبارے کے مانند ہوا پر چلے اور دھواں کش کی بھاپ سے اس کے پہیے اور پتوار کام کریں اور اس کام میں اس نے بڑی محنت کی پر آخر کو ساری سعی و کوشش باطل ٹھیری اب اہل امریکہ نے اس کے بنانے کا قصد کیا ہے۔ بلکہ نیویارک شہر کے پورتر صاحب ایک نمونہ بھی طیار کر چکے ہیں۔ جو دس فٹ لمبا ہے اس کا ایک حصہ ایک غبارہ ہے مچھلی کی شکل پر اس کے نیچے ایک چھوٹی سی دخانی ہے جس سے پہیے گھومتے ہیں صاحب مذکور نے کئی بار ایک وسیع میدان میں اِدھر اُدھر چلایا۔ اور اس پر ایک دوسرا نمونہ جو چوبیس فٹ کا ہے بنانے کا ارادہ کیا ہے اس کے بعد ایک پورا ہوائی جہاز پانسو فٹ لمبا اور چالیس فٹ چوڑا مع دخانی کل کے بنائیں گے لیکن طرفہ تر یہ ہے کہ لوگ اس جہاز کے بننے کا ایسا قوی یقین رکھتے ہیں کہ دو سو آدمی نے اس جہاز میں اپنے واسطے جگہ بھی کرائے پہلے لی ہے فقط بعض صاحبان عالیشان اہل ولایت کی زبانی راقم حقیقت نے یہ سنا کہ ہنوز یہ امر پایۂ تصدیق پر نہیں پہنچا"۔

بجلی کے پنکھے سے قبل لکڑی کا پنکھا استعمال ہوتا تھا جس کو انسان کھینچتے تھے۔ حکمران طبقے کو خیال پیدا ہوا کہ ایسا پنکھا ایجاد ہونا چاہیے جو خود بخود کھنچے۔ چنانچہ اس قسم کا اشتہار حکومت مدراس نے شائع کرایا۔ ہندوستانی دماغ نے اختراع کی اور

اپنے پنکھوں کو بنا کر تیار کر دیا۔ یہ خبر اسعد الاخبار آگرہ مورخہ ۱۶ ستمبر سنہ ۱۸۵۱ء میں چھپی ہے۔

خبر اختراع عجیب و غریب:- مدراس کے اخبار سے معلوم ہوا کہ مدراس کی گورنمنٹ نے اشتہار جاری کیا تھا کہ جو کوئی اپنی حکمت سے ایسا پنکھا ایجاد و اختراع کرے جو خود بخود کھنچا کرے تو وہ سرکار سے انعام پائے گا سو ان دنوں [illegible] مدراس میں [illegible] انشمند [illegible] سے ایک شخص نے کمال خوبی و لطافت کا پنکھا بنایا جو بغیر آدمی خود بخود کھنچتا ہے اور جب چاہو بند کر دو یقین ہے کہ اس کو بڑا انعام ملے اور وہ پنکھا [illegible] میں بھی آوے"۔

مدراس کے بعد اس قسم کا پنکھا کلکتہ میں بھی بنا۔ اور اس میں اور خوبی پیدا کی گئی۔ اس کی اطلاع ۹ جنوری سنہ ۱۸۵۴ء کے اسعد الاخبار آگرہ نے دی ہے۔

بادکش عجیب:- سابق اس سے گورنر بہادر مدراس نے حکم دیا تھا کہ جو شخص ایسا پنکھا کہ بغیر وساطت کسی متنفس کے ہلتا رہے بنا کر پیش کرے گا۔ اس کو خلعت اور انعام حسب دلخواہ اس کے مرحمت ہوگا سو یہ حال سن کر خاں مدراس کے ایک کاریگر نے ایسا عجیب پنکھا بنایا تھا کہ صبح کے آٹھ بجے سے شام کے چار بجے تک ہلتا رہتا تھا اور کاریگر مذکور کو بہت انعام اور خلعت گراں بہا عنایت ہوا تھا۔ اور سب جگہ اس کی شہرت ہو گئی تھی اب سنا گیا کہ مقام کلکتہ میں بھی ان دنوں ایک کاریگر نے اس حکمت سے ایک پنکھا تیار کیا ہے کہ اگر ایک دفعہ [illegible] کی رسی ہلا دی جائے تو دن رات جب تک زنجیر بند نہ کیا جاوے بدستور ہلتا رہے اور صرف تیس روپے میں اس کا سامان تیار ہوتا ہے"۔

ہو سکتا ہے اس پنکھے سے بجلی کے پنکھے میں مدد لی گئی ہو۔

لیجیے موٹر گاڑی کی ایجاد کی خبر کوہ نور لاہور مورخہ ۱۹ مئی سنہ ۱۸۶۰ء نے سنا دی ہے جس کو ہندوستان کے لوگوں نے خوش آمدید کہا اور اس کا بیچینی سے انتظار

کیا حسن کی ترجمانی کوہ نور نے کی ہے لکھتے ہیں۔

عجیب گاڑی:۔ ولایت کے اخبار سے معلوم ہوا کہ مسٹر لمکٹ نام ایک صناع ولایت کے رہنے والا ایک ایسی گاڑی اختراع کی ہے جو روانگی میں محتاج گھوڑے، ٹٹو، بیل، بھینسے وغیرہ کے ہرگز نہیں بجائے گھوڑے کے صرف ایک تیسرا پہیا اور بڑھایا ہے چار آدمی اس پر بفراغت سوار ہو سکتے ہیں۔ ... سڑک پختہ یا آہنی کی بھی نہیں ہے جدھر کو چاہو ... اور ... بہ آسانی وہ سکی فی گھنٹہ دس میل سے ۱۶ میل تک طے کرتی ہے۔ سبحان اللہ اگر ایسی گاڑی ہندوستان میں آجاوے تو مجھے یقین ہے کہ ٹکیس کی گرانی کا لفظ یہاں کوئی بشر ہرگز زبان پر نہ لاوے ... ساری دنیا میں بہائم کی تکلیف یک لخت دور ہوجاوے۔ امرتسر اور لاہور کی سڑکوں پر جو ہزاروں یکے رات دن چلتا ہے ایک بھی نہ چلنے پاوے یکے والوں کو ... اپنے ٹٹوؤں کے کہ اس ... کا بالکل نہ رہے اگر سچ ہے تو خدا کرے یہ گاڑی جلد آجاوے ایک گھنٹہ سولہ میل کیا سولہ سو میل چل کر پہونچ جاوے۔"

موجودہ ریل جس کو اس زمانے کے لوگ دھوئیں کی گاڑی یا دخانی گاڑی کہتے تھے یہ غالباً ۱۸۵۸ء میں ہندوستان میں جاری ہوئی ... مقام ... اس گاڑی کا آغاز کیا جاتا تھا وہاں ... لوگ کھڑے ہو جاتے تھے اور اس کو حیرت سے دیکھتے تھے۔ ۷ فروری ۱۸۶۰ء کو سورت سے بروچ تک آہنی سڑک بنائی گئی۔ ۳ مارچ ۱۸۶۰ء کا کوہ نور لکھتا ہے۔

• اسی دن قریب اٹھ سو آدمیوں کے سورت سے بروچ کو بسواری دخانی گاڑی گئی بہ تہنیت اس مہم عظمیٰ کے تفریح تماشیاں کے واسطے انگریزی باجا خوب بجتا رہا اور راستے میں دروازہ پھولوں اور برگہا سبز سے بنائے گئے تھے۔"

کوہ نور ۱۶ جون سنہ ۱۸۶۰ء کو خبر چھپی کہ یکم مئی سنہ ۱۸۶۰ء تک الہ آباد سے تا آگرہ دخانی گاڑیوں کی آمد و رفت جاری ہو جائے گی۔

ان دخانی گاڑیوں سے ریلوے کمپنی نے جنوری سنہ ۱۸۶۰ء تک کیا کمائی کی اس کی تفصیل ۲۵ اگست سنہ ۱۸۶۰ء کے کوہ نور لاہور میں شائع ہوئی ہے۔ عنوان "آمد و خرچ ریلوے":

"ہندوستان میں ابتدائے سنہ ۱۸۵۳ء سے جنوری سنہ ۱۸۶۰ء تک آہنی ڑک اور گردون دخانی کے صرف میں دو کروڑ ترسیٹھ لاکھ چھ ہزار ستر روپے خرچ ہو چکے ہیں اور آمدنی ابتدائی جولائی سنہ ۱۸۶۰ء سے جنوری سنہ ۱۸۶۰ء تک پندرہ لاکھ ستاون ہزار ایک سو اکھتر روپے ہوئے ہیں"۔

علم ریاضی میں اگر انگریز اپنا دماغ کھپا رہے تھے تو ہندوستانی بھی اپنی ذہانت کا جوہر دکھانے میں پیچھے نہیں تھے انھوں نے ایسا پنکھا ایجاد کیا تھا جو خود بخود چلتا تھا جو انسان کا محتاج نہ تھا۔ اسی طرح دہلی کے فنکاروں نے ایک ایسا گھنٹہ ایجاد کرکے شاہ اودھ کی خدمت میں پیش کیا جس کے اوصاف اسعد الاخبار آگرہ مورخہ ۲۷ اگست سنہ ۱۸۵۲ء میں چھپے ہیں۔

" ان دنوں ایک عجیب و غریب گھنٹہ شاہجہاں آباد کے کاریگروں نے چار درجے کا بنا کر شاہ اودھ کو بھیجا ہے اس کے اوّل درجہ پہ ایک کٹورہ ۴۲ سیر کا لٹکا ہوا ہے اور دوسرے درجے میں پرزہ گھنٹہ اور تیسرے درجے میں چند اشعار توصیف شاہ ممدوح میں اور طغرا فسلائی کام کے بوائی میں اور چوتھے درجے میں کاریگر کا نام۔ لیکن اس میں صنعت یہ ہے کہ ایک کسیل میں چار سوئیاں۔ ایک سوئی سے تاریخ ؛ ہ فارسی و انگریزی اور ایک سوئی سے دن اور دو سوئیوں سے گھنٹہ معلوم ہوتا ہے اور ایک دفعہ کی کوک کا چار دن تک اثر رہتا ہے"۔

جلد اطلاعات و خبر حاصل کرنے کے لئے تار کا ذریعہ اختیار کیا گیا تھا۔ اس کی ابتدائی حالت ہندوستان میں اس قسم کی تھی جس کو ۵ر دسمبر ۱۸۵۱ء کے اسعد الاخبار نے بیان کیا ہے۔ خبر کا عنوان ہے "خبر کہربائی تار کی"۔

"اخباروں سے معلوم ہوا کہ تار کہربائی جو بالفعل کلکتے سے بندرگاہ کجری تک لگائی جاتی ہیں چند مہینے بعد تیار ہو جائے گی تب جھنڈوں کے نشانوں کے عوض دس تار بجر کے وسیلے عجیب جلدی کے ساتھ جہازوں کا حال دریافت ہوا کریگا۔ جبکہ اس بندوبست کی نسبت کامیابی ثابت ہووے تب سرکار گورنمنٹ کو اس بات کا غور کرنا پڑے گا۔ کہ آیا اس قسم کے تار کلکتے سے مرزاپور تک بالفعل یا بعد تیاری آہنی سڑک کے لگانا مصلحت ہے اتنے دور کے تار کے لگانے میں صرف چار لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔ جب سارا سامان موجود کیا جاوے تب ایک دن میں کوس بھر تک لگا سکیں گے اور ایک سال کے عرصے میں کلکتے سے مرزاپور تک چلے گی۔ اس تار مخبر کے وسیلے مغربی ممالک اور پنجاب کا کلکتے میں اب کی نسبت تین چار روز جلد تر معلوم ہو جائے گا"۔

انگریزی حکومت کے ابتدائی دور میں ڈاک پہنچانے کے مختلف طریقے تھے۔ گھوڑوں، بیلوں، بگھیوں اور تھانوں کے ذریعہ خطوط لوگوں کو پہنچائے جاتے تھے۔ چنانچہ مختلف مقامات پر مختلف طریقہ رائج تھا۔ مغربی و شمالی ممالک میں تھانوں کے ذریعے ڈاک روانہ کی جاتی تھی۔ ممالک مغربی و شمالی کے جنرل پوسٹ ماسٹر نے گورنمنٹ ممالک مغربی و شمالی کے سکریٹری کو شملہ کے پتے پر ۲۲ر اکتوبر ۱۸۵۰ء کو ایک رپورٹ بھیجی تھی جو ۱۸ر جون ۱۸۵۱ء کے اسعد الاخبار آگرہ میں نقل ہوئی وہ لکھتا ہے۔

"میں آپ کی خدمت میں وہ نقشے ارسال کرتا ہوں جن سے واضح ہوگا کہ

اور سال گزشتہ کے اندر ممالک مغربی و شمالی میں تھانجات کی معرفت کتنے خطوط
در آمد برآمد ہوئے اور ان سے گورنمنٹ کو کتنا محصول ملا۔ اب معلوم ہوتا ہے
کہ یہاں کے لوگ رفتہ رفتہ رسل و رسائل کے اس سہل سبیل کا فائدہ اٹھانے کی
طرف زیادہ متوجہ ہوتے جاتے ہیں جو ان کو تھانوں کے ذریعے سے میسر ہے نقشہ جات
متذکرہ بالا کو ملاحظہ کرنے سے جناب لفٹنٹ گورنر کی رائے پر مستحضر ہوگا کہ متفرق
ضلعوں میں بلا دریافت ڈاک معمولی چٹھیوں کی آمد و رفت میں تیزی کی نسبت کسقدر کثرت
ہوگئی ہے اور اگرچہ ابھی یہ تعداد بھی کم ہے مگر میری دانست میں انجام کار کو
رسل و رسائل کی یہ سبیل بہت ترقی پذیر ہوگی۔ رسل و رسائل کی سبیل اعظم میں
تعجیل اور تدبیر مناسب ہوئے سے اکثر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جو مقام تھوڑے
فاصلے پر مقرر ہوتے ہیں ان میں ایک کو دوسرے خطوط دیر پہنچتے ہیں پس ایسی
صورت میں ڈاک ہائے مفصل سے بہت فائدہ متصور ہے بشرطیکہ ان کا
انتظام بھی اچھی طرح کیا جائے۔ اس امر میں رفع کرنے کے لائق ایک بڑی قباحت
یہ ہے کہ خطوط روانہ کرنے والوں کو سہولت نہیں ہے۔ تھانوں کے محرر لینے
او پر محنت اور تکلیف گوارا نہیں کرتے پس میری رائے ہے یہ دشواری اس
طرح پر رفع ہوسکتی ہے کہ جو رسید خط بھیجنے [illegible] لیکر [illegible]
وہ نہ ملا کرے [illegible] ضلع کا [illegible] محصول [illegible]
محتشم الیہ [illegible] اجازت فرمائیں کہ سب صاحبان کلکٹر و مجسٹریٹ کو لکھیں کہ
وے ہر تھانے میں ایک ایک قفل دار صندوق رکھیں۔ اور وہ صندوق تھانے
[illegible] کسی مقام منظر گاہ عام میں دھرا رہے اور صاحبان ممدوح مشتہر کردیں
[illegible] اس صندوق میں روانہ کرنے کے واسطے خط ڈالے گا وہ خط بیرنگ
بھیجا جائے گا اور اس پر ضلع کا پیشگی محصول جواب لگتا ہے نہ لگے گا اور اگر

اس ضلع کے اندر کسی مقام کے لیے وہ خط ہوگا تو اس پر آدھ آنہ محصول لیا جائے گا۔ اگر خط بھیجنے والا رسید چاہے گا تو اس سے حسب رواج فی تولہ آدھ آنہ ٹکٹ کی محصول لیا جاوے گا۔ میری رائے میں تجویز بالا کے باعث سے ڈاک کے مفصل کی آمدنی میں چنداں کمی واقع نہ ہو گی کیونکہ محصول اس صورت میں بھی مکتوب الیہ سے وصول ہو گا اور چونکہ اکثر خط ایسے ہوں گے کہ ان کے جواب میں مکتوب الیہ بھی خط لکھے گے پس فیصلہ ان کا شکل ہر آدمیوں کے ... معاف کرنے سے ظاہر ہوگا۔ اس کا معاوضہ غیر خط وکتابت سے ہو جاوے گا کیونکہ واضح ہے کہ رسل و رسائل میں کثرت ہونے سے ڈاک کی آمدنی ہوا ترقی پذیر ہوتی ہے۔

لاہور سے ملتان تک گھوڑوں کی ڈاک لینا کی خبر ۲ نومبر ۱۸۵۱ء کے اسعد الاخبار آگرہ میں شائع ہوئی ہے۔

"خبر لاہور۔ لاہور سے ملتان تک اور سڑک کے چوکیات گھوڑوں کی واسطے ڈاک گھر کرایہ کے ہوں گے اور پہلی تاریخ اکتوبر ۱۸۵۱ء سے جاری ہونا گھوڑوں کا شروع ہوگا اور ایک ایک چوکی پر پانچ پانچ گھوڑے مقرر ہوں گے اور بالفعل طلب گھوڑوں کی پندرہ پندرہ روپیہ ماہوار قرار پاوے گی بشرطیکہ ڈاک اچھا ... نہ ہوشے اور ... نہ ہو سکے۔ اگر نیلامی ... تو اچھا اور ... ہوشے۔"

متھرا سے آگرے تک بیلوں کی ڈاک جاتی تھی۔ اس کی تصدیق ۲ر جنوری ۱۸۵۲ء کے اسعد الاخبار آگرہ سے ہوتی ہے۔

"۱۰ دسمبر منجانب سے لالہ امبا پرشاد اور دیبی چند نے متھرا سے اکبرآباد تک بیلوں کی ڈاک گاڑی کا بندوبست کیا ہے چنانچہ ہر روز گاڑیاں متھرا سے

آگرے، کو آتی اور آگرے سے متھرا کو جاتی ہیں اور آدمی کا کرایہ فی نفر دو اور بوجھ کا بھاڑا فی من ۲۰ مقرر ہے لوگوں کو اس کی آمدورفت سے بڑا آرام ہے۔"

علی گڑھ اور آگرے کے درمیان بھی گھوڑے کی ڈاک تھی۔ ۲۰ مارچ ۱۸۵۲ء کا اسعد الاخبار روایت کرتا ہے
عنوان ہے۔ "خبر ڈاک جدید"

" ان دنوں علی گڑھ کے ڈاک خانے میں مسافروں کے آرام کے لئے گھوڑوں کی گاڑیاں تیار ہوئی ہیں۔ یہ گاڑیاں علی گڑھ اور آگرے کے درمیان اور مضافات مشرقی کی پختہ سڑکوں پر جاری ہوں گی اور کرایہ فی میل ایک آنہ مقرر ہو گا علیگڑھ آگرے سے پچاس میل ہے تین روپے دو آنہ فی کس کرایہ لیا جائے گا۔ اور آگرے سے علی گڑھ چھ گھنٹے میں پہنچا دیں گے اور ہر گاڑی میں چار آدمی بٹھائے جائیں گے۔ شاید یہ گاڑیاں ایک مہینے کے عرصے میں جاری ہو جا دیں اور آگرے اور علی گڑھ کے آنے جانے والے بصرف قلیل چھ گھنٹے میں آنے جانے لگیں۔"

الہ آباد سے کانپور تک جو ڈاک جاتی تھی ۲۸ نومبر ۱۸۴۱ء کے دہلی اُردو اخبار میں اس کی خبر درج ہے۔

" مرلی سوداگر نے پانچویں ماہ حال کو ذمہ ڈاک انگریزی کیا گیا ڈاک الہ آباد سے ۲ تاریخ ساڑھے آٹھ بجے رات کے روانہ ہوئی اور کانپور میں ۳ تاریخ ڈیڑھ بجے شام کے پہنچی کر بعد وضع پون گھنٹے ٹھہرنے فتحپور کے فی گھنٹہ آٹھ میل پہونچی۔"

اس خبر کی وضاحت ۵ دسمبر ۱۸۴۱ء کے دہلی اُردو اخبار نے کی ہے جو یہ ہے۔

" ہفتہ گزشتہ میں چھپنے کچھ عمل مال جاری ہونے ڈاک گھی کا الہ آباد سے کانپور تک درج کیا تھا۔ اب حال اس طرح معلوم ہوا۔ ڈاک گھی مذکور کو ایک گھنٹے میں دس میل انگریزی طے کرتی ہے مگر اس میں کوئی دو چار لحظوں کا فرق ہو جاتا ہے تین تین میل پر ڈاک چوکی مقرر کی گئی ہے اور ہر چوکی پر چھ گھوڑے رکھے ہیں بگھیاں بھی ہلکی بنائی ہیں. یعنی ایک من. اسیر وزن ہیں۔ اور وزن پارسلوں کا کچھ کم و زیادہ دومن سے ہوتا ہے۔ خبر ہے کہ ماہ آئندہ سے اور مقاموں میں بھی بنارس سے دہلی تک جاری ہو گی۔"

انگریزی دور میں ڈاک کا معقول انتظام کافی عرصے تک نہیں ہو سکا تھا. اس زمانے میں جو علمی ادبی سوسائٹیاں بنی ہوئی تھیں ان کی میٹنگوں میں ایسے مسائل پر غور ہوتا تھا۔ چنانچہ انجمن رفاہ عام راجپوتانہ کی جولائی ۱۸۷۲ء کی میٹنگ میں پنڈت جگل زراج کشن اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نائب صدر انجمن نے اپنا ایک مضمون بعنوان "چٹھی ڈالنے کے صندوقوں کا زیادہ ہونا بہت ضرورت ہے" پڑھا اور اس میں طے ہوا کہ یہ مضمون یا چٹھی ڈائرکٹر جنرل ڈاکخانہ جات کو ارسال کر دی جائے۔ یہ مضمون انجمن کے رسالے اپریل لغایۃ اگست ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔ اس کے اقتباس سے اندازہ ہوگا کہ اجمیر والوں کو ڈاک کے سلسلے میں کیا شکایت تھی۔

" شہر اجمیر میں امیر رئیس اور حاکم رہتے ہیں اور کئی طرح کا بیوپار ہوتا ہے اور بکثرت روانگی چٹھیات بکثرت پیش آتی ہے۔ واقعہ یہ ہے یعنی بجز ایک صدر ڈاک خانے کے جو شہر سے باہر ہے اور کسی جگہ شہر میں چٹھی کا صندوق نہیں ہے ... اگر مثل اور شہروں کے کئی جگہ صندوق چٹھی ڈالنے کے رکھے جاویں تو یقین کامل ہے کہ بمقابلہ اس تعداد کے کہ جو اب ماہواری چٹھیاں ڈاک خانہ صدر میں پڑتی ہیں زیادہ مقدار ہو جاویگی ... سرکاری خرچ اس انتظام میں بہت زیادہ

نہیں ہو سکتا ہے۔ صرف صندوقوں کا بنوانا کافی نظر آتا ہے۔ باقی رہا صندوقوں کا لانا لیجانا سواس کام کو وہی آدمی جو چٹھی رساں ہیں اور شہر میں چٹھی تقسیم کرنے کے آتے ہیں اور پھر ڈاک خانے کو جاتے ہیں موجود ہیں یا کر کانسٹبل پولیس بعض مقام کے صندوق کو ڈاک خانے تک پہنچا سکتے ہیں۔ نئے آدمی نوکر رکھنے کی اور خرچ زیادہ کرنے کی ضرورت نہیں (۲۱)"

یہ بات ہر ذی علم اچھی طرح جانتا ہے کہ راجا رام موہن رائے نے اپنے زمانہ میں ذرائع سے ستی رسم کی مخالفت کی جس کے نتیجے میں لارڈ بینٹنگ کے عہد میں اس رسم کے خلاف قانون بنا۔ لیکن یہ رسم کافی عرصے تک قائم رہی اور اس کی تقدیس لوگوں کے ذہنوں میں رہی اور حکومت کو ایسے لوگوں کے خلاف مقدمات قائم کرنے پڑے۔ کوہ نور لاہور مورخہ ۲ جون ۱۸۶۰ء میں ایک عورت کے ستی ہونے کی خبر شائع ہوئی ہے جس میں اس کی تقدیس کو قائم رکھا ہے۔

ضلع لکھنؤ میں ان دنوں ایک عجیب مقدمہ ستی کا وقوع میں آیا ہے ایک بنیا خیراتی نام مدت سے بیمار تھا تیسری مئی کو موضع حسین پور میں مر گیا اور اس کی جورو جو چند اگر ڈیہہ میں رہتی تھی یہ واقعہ سن کر اسی روز ضلع مذکور میں پہنچی، تاریخ کو شام کے وقت اس بنیے کے ورثا نے طیاری اس کے جلانے کی کی۔ دو دن اس کام کے واسطے اچھا تھا جب یہ حال بیوہ سے کہا اس نے کہا میں ستی ہونگی۔ نمبر دار یہ خبر سن کر جمع ہوئے اور فہمائش کرنے لگے اس نے کہا کہ اگر تم مجھ کو ستی نہ ہونے دو گے تو میں کسی اور ترکیب سے اپنے تئیں مار ڈالوں گی اور تمہارے گاؤں پر آفت نازل ہو گی۔ اس پر انھوں نے یہ جواب دیا کہ اچھا تو اپنا ست دکھلا۔ یہ سن کر اس نے ایک ہاتھ تیل میں ڈبو کر اپنی انگلی کو باندھ دیا۔ اور اس کو آگ لگا دی جو چراغ کی طرح جلنے لگا۔ یہ دیکھتے ہی سب نے اجازت

ستی ہونے کی دے دی اور وہ بیوہ کسی وقت جل کر خاک ہوگئی جب بالتفاق زمینداران یہ صورت ظہور میں آئی اہالی پولیس نے فوراً قبل از وقوع واردات ایک چوکیدار کو اطلاع دہی حکام کے واسطے روانہ کر دیا۔ اسواسطے وہ بری ہیں اور اب کپتان چرلین صاحب بہادر سپرنٹنڈنٹ پولیس تحقیقات فرماتے ہیں۔ چنانچہ ... آدمی گرفتار کیے ہیں جو اس کام میں شریک ہو سکے تھے۔ دیکھیئے انجام اس کا کیا ہوتا ہے یقین ہے کہ مہر داروں کو سخت سزا ملیگی"۔

ہندوؤں میں بیوہ عورتوں کی بڑی درگت بنتی تھی تمام عمر ان کو شادی کی مخالفت تھی۔ دنیا کے تمام عیش و آرام سے محروم رہتی اچھا کھانا اور اچھا کپڑا پہننا اور اچھے بستر پر سونا اس کو زندگی بھر نصیب نہیں ہوتا تھا اس کی زندگی وبال جان تھی اور ماں باپ کے لیئے ایک مصیبت بن جاتی تھی۔ چنانچہ ہندوستان کے سمجھدار لوگوں نے بیوہ عورتوں کی شادی کرنے کے لیئے آواز اٹھائی اس تحریک کی ابتدار کا پتا ۱۸ اکتوبر ۱۸۴۱ء کے دہلی اُردو اخبار سے چلتا ہے جس کا آغاز ایک مخیر انسان کے اعلان سے ہوا۔

"کلکتہ :- چند مدت ہوئی کہ بابو موتی لال سیل نام ایک تونگر ساکن کلکتہ نے انعام دس ہزار روپے کا دینا کیا تھا۔ اس شخص کو جو ہندو ہووے اور کسی بیوہ عورت سے بیاہ کرے لیکن ایک شخص نے بھی جرأت نہیں کی تھی مگر واضح ہوتا ہے کہ اب یہ حالت دربیش ہوئے کو ہے یعنی ایک ہندوستانی غیرت دار نوجوان آدمی جس نے کہ مدرسہ انگریزی المعروف ہندو کالج میں تربیت پائی ہے اس نے ایک جوان رانڈ عورت سے شادی کی ہے"۔

بیوہ عورت سے شادی نہ کرنے کا بھوت ان لوگوں پر بھی طاری تھا جو مصلحین تھے۔ چنانچہ انھوں نے صرف ان بیوہ عورتوں کی شادی کے بارے

میں فتویٰ دیا تھا جن کے خاوند اپنی بیوی سے صحبت کئے بغیر مر گئے ہوں۔ اور جن کے خاوندوں نے اپنی بیوی سے صحبت کر لی ہو اور فوت ہو گئے ہوں اس بیوہ سے شادی نہ کرنے کی پابندی برقرار رکھی تھی چنانچہ اس قسم کے خیالات کا اظہار ۲۸ راپریل ۱۸۸۱ء کے کوہ نور لاہور میں کیا گیا ہے۔ اس خبر کا عنوان ہے۔ "شادی بیوگان"۔

"شادی بیوگان، ہنود کا پونا میں بڑا چرچا پھیل رہا ہے اور بہت لوگ اس بات کے رواج دینے پر مستعد ہیں برہمنوں کے کئی افضل خاندانوں میں کئی بیوہ عورتوں کی شادی کی گفتگو ہو رہی ہے اور تین سو برہمنوں اور پنڈتوں کے قریب اس رائے پر متفق ہیں اور کہتے ہیں کہ بیوہ بیاہ مناسب اور دھرم شاستر کے موافق ہے۔ بنگالہ میں یہ رواج کئی برس سے جاری ہو گیا ہے اور تیس عورتوں بیوہ سے زیادہ کا دوسرا بیاہ ہو چکا ہے۔

ناظرین اخبار نے دیکھا ہو گا کہ اس باب میں پہلے اس سے ۱۸۵۴ء و ۱۸۵۵ء میں حسب جد و جہد بابو کشب لال صاحب گھوش میر منشی رزیڈنٹی نیپال کے کسقدر تحریرات اور تنقیحات طول وطویل ہو چکی ہیں۔ چنانچہ اکثر صاحبوں نے بہت سے گرنتھوں اور بہت سے پوران کو بھی پڑھ ڈالا تھا اور انجام کار یہ بات قرار پائی تھی کہ رواج ملک سب پورانوں اور سب شاستروں پر ہے اور رواج ملک اس کو کہتے ہیں کہ جس کو دس بیس پچاس سو ہزار آدمی ایک قوم کے مان لیں۔ خصوصاً ایسا کام کہ جو دھرم شاستر سے بھی مانا جا سکتا ہے اور عقل سلیم کے نزدیک بھی اتفاقاً واجبات سے ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ جو دھرم شاستر سے بھی مانا جا سکتا ہے اور عقل سلیم کے نزدیک بھی اتفاقاً واجبات سے ہے مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعد اس کے جو ۱۸۵۷ء میں ایک بے تمیزی کے طوفان نے جوش مارا تھا

چرچا اس کا مدھم ہو گیا تھا۔ ہماری رائے سلیم تو اس بات میں یہ ہے کہ جو عورتیں بال بدھو ہو جاتی ہیں وہ تو ضرور ہی قابل رحم ہیں اور جو عورتیں کہ اپنے خاوندوں سے ہم بستر ہو چکی ہیں اولاد ہوئی ہو خواہ نہوئی ہو وہ شادی ثانی سے محروم ہیں تو مضائقہ نہیں "

بیوہ عورتوں کی شادی کا مسئلہ تقریباً ہر سوسائٹی کے سامنے آیا تھا۔ دہلی سوسائٹی کی میٹنگ میں پنڈت بشیشر ناتھ کا ایک مضمون بعنوان "شادی بیوگان" پڑھا گیا تھا اور اس کو لاہور کی انجمن کے پاس بھیجا گیا تھا۔ جہاں اس پر بحث ہوئی تھی اور اس کو لفٹنٹ گورنر نے بھی پسند کیا تھا۔ [۱]

بیوہ عورتوں کی شادی کی تحریک تو چلتی رہی لیکن وہی مذکورہ محدود نظریہ غیر صحبت یافتہ اور صحبت یافتہ بیوہ عورتوں میں تمیز قائم رہی۔ چنانچہ دہلی ایسوسی ایشن کی میٹنگ مورخہ ۸ جون ۱۸۷۲ء میں ماسٹر دشکن چند صاحب سکنڈ ماسٹر سنسکرت اسکول دہلی نے شادی بیوگان پر اپنا مضمون پڑھا جو ایسوسی ایشن کے رسالے کی جلد اول ۱۸۷۲ء میں شائع ہوا۔ اس کے اقتباس سے تحریک جاری رکھنے کا تو پتا چلتا ہے لیکن معلوم ہوتا ہے تحریک میں ترقی نہیں ہوئی۔

"..... ملک بنگال اور بمبئی کی سوسائٹیوں میں اس امر کی بہت بحث ہو چکی ہے اور وہاں بعضے داناؤں نے اپنی بیوہ لڑکیوں کی شادی بھی کر دی ہے اور اب وہاں کچھ رواج بھی اس بات کا پایا جاتا ہے لیکن اب تک ترقی بہت کم ہوئی ہے ہمارے ملک پنجاب کے باشندوں پر تو اس بات کا اب تک کچھ اثر نہیں ہوا۔ میری رائے میں ان نادان بیوہ عورتوں کی تو ضرور شادی کر دینی چاہیے

---

[۱] رسالہ سوسائٹی دہلی ۱۰ رمئی ۱۸۶۹ء صفحہ ۲۰

جن کے شوہر شادی کے بعد کی تقریب مقررہ سے پیشتر ہی فوت ہو گئے ہیں۔ چنانچہ گرو نارمن تی نے بھی جو ہندو کے نزدیک بڑی متی گزرے ہیں اپنی پستک اولی سندھ کے دوسوانتیس ورق میں لکھا ہے کہ جو کنیا بواہ کے بعد اپنے شوہر کی اسنگ کو نہ پراپت ہوئی ہو اور اس کا شوہر مر جائے تو اس کا دوسرا بیاہ کرنا جائز ہے اس کو لڑکی کنیا کے جاننا چاہیئے"۔

ہندوؤں کا علمی طبقہ تک میں غیر ممالک کے سفر کو دھرم کے خلاف سمجھتا تھا۔ اگر کوئی شخص کسی غیر ملک میں چلا جاتا تھا تو برادری اس کو اپنے میں سے خارج کر دیتی تھی۔ اس کو آخر کار پرائشچت کرنا پڑتا تھا۔ اس سلسلے میں اخبارات و رسائل اور سوسائٹیوں نے اصلاحی قدم اٹھایا۔ دہلی سوسائٹی کی میٹنگ مورخہ ۲۲ نومبر ۱۸۶۹ء کو ماسٹر پیارے لال صاحب نے اپنا ایک مضمون بعنوان "ہندوستان کی ترقی کے اسباب" پڑھا۔ جو ۱۰ مئی ۱۸۶۹ء لغایت ۲ فروری ۱۸۷۰ء کے شمارے میں طبع ہوا تھا جس میں آپ نے غیر ممالک میں جانا بھی ترقی کا ایک سبب ظاہر کیا تھا۔ اس کی عبارت یہ ہے۔

"اس ترقی کے واسطے اول یہ چاہیئے کہ یہاں سے کچھ آدمی ولایت انگلستان میں اور ہو سکے تو یورپ کے اور ملکوں میں بھی جا کر سیر کریں اور وہاں کے عجائبات کا ملاحظہ فرمائیں اور سب کچھ دیکھ بھال کر اور کام کی باتیں سیکھ کر یہاں چلے آئیں سرکار کی توجہ اس باب میں یہ تجویز ہو رہی ہے کہ ہندوستان میں سے ہر برس نو یا دس آدمی تعلیم یافتہ انگلستان میں بھیجے جاتے ہیں اور ان کی آمد و رفت کا خرچ دیا جاتا ہے۔ اور جب تک وہاں رہتے ہیں ان کے کھانے پینے کی بھی خبر لی جاتی ہے ..... لیکن غور کا مقام ہے کہ اٹھارہ کروڑ آدمیوں سے ہر سال نو دس آدمیوں کے جانے سے کیا کام نکلتا ہے اور ان کی شائستگی کا اثر کہاں

تک پھیل سکتا ہے یہ ملک اتنا وسیع ہے کہ اگر ہر سال یہاں کے بڑے بڑے شہروں میں سے بھی ایک ایک آدمی جائے اور تعلیم پاکر آئے تو معلوم نہ ہو۔ غرض راجہ اور نواب سب کو لازم ہے کہ جو لوگ سرکار کی طرف سے ولایت جاتے ہیں ان کے سوا یہ لوگ بھی اپنے صرف سے چند طلبہ وہاں بھیجا کریں اس تدبیر میں ان کا صرف کم ہے اور فائدہ زیادہ یہ کتنا بڑا نفع ہے کہ جب وہ لوگ پھر کر آئیں گے ان کی سرکاریں نوکر ہو کر ریاستوں کا انتظام جیسا چاہیے کر دکھائیں گے۔ (۱۱۷)"

جب ماسٹر پیارے لال صاحب اپنا مذکورہ مضمون پڑھ چکے تھے تو سوسائٹی کے قاعدے کے مطابق میٹنگ میں اس مضمون پر تبادلۂ خیال ہوا۔ یہ مضمون اسی رسالہ سوسائٹی مورخہ ۱۰ مئی ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا۔ اس تبادلۂ خیال سے اندازہ لگایئے کہ اس وقت کے تعلیم یافتہ لوگ بھی اس رو میں کس طرح بہہ گئے تھے۔ اس مضمون پر جو بحث و تمحیص ہوئی وہ حسب ذیل تھی۔

اس مضمون کی نسبت سکریٹری (چندو لال) نے یہ عرض کیا کہ درحقیقت ہندوستانیوں کا علم و ہنر سیکھنے اور سیر کرنے کے واسطے ولایت جانا خالی از فائدہ نہیں تاہم یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس نواح کے رئیس اور امیر جو مذہب کی رو سے ولایت جانا برا سمجھتے ہیں اپنے لڑکوں کو وہاں بھیجیں اور ان کے کام میں مدد کریں ماسٹر صاحب نے فرمایا ہندوؤں کے ولایت جانے کی نسبت جو اعتراض تھا اس کے باب میں فرمایا کہ کاشی کے پنڈتوں نے بیوستہ دیا ہے کہ ولایت جانا ہندوؤں کے واسطے خلاف مذہب نہیں ہے سکریٹری نے عرض کیا کہ ایک جاہنگہ

پنڈتوں کے پیوستہ دیے ہے یہ ابھی عہدہ برآمد ہونا مشکل ہے۔"

اس مسئلے کے سلسلے میں ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ جو ہندو تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ گیا سماج اور دھرم کے ٹھیکیداروں نے اس کی مخالفت کی اور برادری نے اس کا بائیکاٹ کرایا۔ چنانچہ پنڈت بشن نرائن آبر جو کشمیری پنڈت تھے۔ ان کا واقعہ کافی شہرت حاصل کر گیا تھا کہ جب وہ ولایت سے بیرسٹر ہو کر لکھنؤ آئے تو وہاں کی کشمیری پنڈت برادری نے ان کو اپنے میں شریک کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ تب برادری کے ایک طبقے نے پنڈت گنگا دت شاستری پر وفیسر کیننگ کالج کے ہاتھوں ان کا پراشچت (کفارہ) کرا کر ان کو اپنے میں شریک کر لیا تھا۔ مخالفین نے اس شرکت کو نہیں مانا۔ اس وقت سے دو جماعتیں برادری میں قائم ہو گئیں۔ شریک کرنے والی ترقی پسند جماعت کا نام بشن سبھا اور فریق مخالف کی جماعت کا نام دھرم سبھا تھا۔ علامہ برجموہن دتاتریہ کیفی ترقی پسند جماعت کے رکن تھے انھوں نے اسی واقعے سے متاثر ہو کر مسدس "مراۃ خیال" لکھی تھی۔ جس کو کیفی صاحب نے اپنے اخبار خیر اندیش انبالہ مورخہ ۱۱ر دسمبر ۱۸۸۸ء میں بھی شائع کیا تھا۔ اس کا پہلا بند یہ ہے ؎

کچھ ایسی زمانے کی بگڑی ہوا ہے　　جدھر دیکھیے ایک طوفاں بپا ہے
یہ فتنہ تعصب کا کیسا اٹھا ہے　　کہ ہر ایک آپس میں دشمن ہوا ہے
گھٹائیں کدورت کی چھائی ہوئی ہیں
بلائیں محبت کی آئی ہوئی ہیں

غیر ممالک میں سفر کرنے کے خلاف کافی عرصے تک آوازیں اٹھتی رہیں۔ لیکن مصلحین بھی باز نہیں آئے۔ انھوں نے دلائل سے غیر ممالک میں ہندوؤں کا جانا ثابت کیا۔ چنانچہ اسی قسم کا ایک مضمون رسالہ بہار۔ گوہر کا میں

جولائی اگست ۱۸۹۱ء میں بعنوان "دریائی سفر" شائع ہوا مضمون عجیب ہے اس کا اقتباس ملاحظہ ہو۔

" چونکہ دریائی سفر کی شاستروں نے مخالفت کردی ہے اس لئے لوگ بحری زندگی کو نگاہِ تنفر سے دیکھنے لگے ہیں اور بالطبع یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ ہندو سیاح نہیں ہیں چونکہ ہندوؤں کی قدیم کتابیں اس نتیجہ کی موئد نہیں ہیں لہذا ہم خود یہ نظر بہبود قوم اس نتیجے کی تردید کا موقع حاصل کرتے ہیں۔ ہزاروں برس پہلے ہندو ایک محض دریائی قوم تھی جو جہاز بناتی تھی اور غیر بندرگاہوں سے تجارت کرتی تھی ہندوؤں میں، ڈرک، انتیں اور کول جیسے سینکڑوں ناموں سیاح ہوئے ہیں جن کی یادگار صفحہ روزگار سے بالکل مٹ گئی اور چند تخیلات کی وجہ سے ہم اس قدر پست ہمت ہوگئے کہ ایک حصہ ملک سے دوسرے حصہ ملک میں سفر کرنا خلاف مذہب سمجھتے ہیں حالانکہ ان کی اس عزلت گزینی سے مضرتیں پہنچتی ہیں ان کی کوئی انتہا نہیں۔ ہندوستان کی بحری تاریخ لوک وید کے زمانے سے شروع ہوتی ہے بیان ہوا ہے کہ اس وقت بھوج نے سومستول کے جہاز پر سمندر طے کیا۔۔۔ رامائن میں سمندر کے راجا بل کا ذکر ہے اور کالی داس نے اپنے شکنتلا ناٹک میں ایک بڑے دریائی ملک التجار کا اشارہ کیا ہے۔ ہومر نے اپنی تصنیفات میں بہت سے ہندوستانی تجارتی اشیا کا ذکر کیا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بحر "دس میں" سے ہندوؤں کی تجارت جاری تھی "

تعلیم کو فروغ اور ترقی دینے کے لئے اخبارات نے کافی جد وجہد کی اور عوام کو تعلیم کے حصول کے لئے آمادہ کیا اور جہالت کی پریشانیوں سے بھی آگاہ کیا اسکولوں مدرسوں اور کالجوں کے قیام ان کی درجہ بدرجہ ترقی کی خبریں اور ان کی سالانہ رپورٹیں شائع کیں۔ اساتذہ کی کوششوں کو سراہا اور ان کے

کارناموں کو اُبھارا جس قدر اخبارات میں تعلیم کے بارے میں اور ہندوستانی اسکولوں مدرسوں اور کالجوں کے بارے میں مستند اور قابل وثوق معلومات ہیں ان سے ہر ایک اسکول، مدرسے اور کالج کی تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے۔ دہلی کے اخبارات میں دہلی کالج وغیرہ کے بارے میں کافی مواد ہے اسی طرح پنجاب کے اخبارات میں سرکاری مدرسہ لاہور، میڈیکل کالج لاہور، یونیورسٹی لاہور وغیرہ اور پنجاب کے دوسرے مختلف مقامات کے کالجوں اور اسکولوں کے متعلق بھی کافی میٹر ہے غرض ہندوستان کے ہر صوبے کی تعلیم اور کالجوں وغیرہ کے متعلق اخبارات میں بے پناہ خزانہ ہے۔

کالجوں، سکولوں اور مدرسوں میں کوئی زیادتی ہوتی اور اس کو نقصان پہنچانے کے لئے کوئی حرکت کی جاتی تو اس کا خاتمہ کرنے کا ایک بڑا ذریعہ اخبارات ہی ہوتے تھے۔ چنانچہ جب دہلی کالج میں تعلیم کی فیس ادا کرنی ضروری قرار دی گئی تو اس پر دہلی اردو اخبار نے ایک طویل احتجاجی آرٹیکل ۱۴ اپریل ۱۸۵۱ء کے شمارے میں لکھا جس کا اقتباس یہ ہے۔

"مدرسہ دہلی .... ایک چٹھی جنرل کمیٹی کی اس مضمون کی بھی ہے کہ کوئی آدمی نہیں تعلیم پاوے گا مگر اس کے وارث حق تعلیم ادا کریں گے"

(ایڈیٹر کا تبصرہ) مشہور ہے کہ اس انتظام کو کوئی شخص اہل شاہجہاں آباد سیکھنے کا قصد نہیں کرنے کا چند وجوہات سے جب تنخواہ کچھ نہ ملے اور الٹا کچھ دینا پڑے گا اور مدرسہ سرکار میں بھیجنا جہاں سو طرح کی قیدیں ہیں کیا فائدہ وہ لوگ شہر میں مطلق العنان جہاں چاہیں جس قدر چاہیں اکتساب علم کر سکتے تھیا جو ان کے پاس خود حاضر رہے تابعداری کرے پھر ان کو کیا ضرورت ہے جو مدرسہ میں مولوی صاحب کی تابعداری کیا کریں۔ قیود اور قواعد معینہ سرکاری

کے مقید رہیں"۔

انگریزی حکومت کے ابتدائی دور میں تعلیم کا کیا طریقہ اختیار کیا گیا تھا۔ اسکولوں کالجوں میں داخلہ کس طور پر کیا جاتا تھا۔ اس کا اندازہ اس رپورٹ سے کیجیے جو ۲۵ اپریل ۱۸۴۱ء کے دہلی اردو اخبار میں شائع ہوئی ہے۔

"گورنمنٹ آگرہ اور دہلی کے مدرسوں کے طالب علموں کے واسطے تقرری وا زر مفصلہ ذیل بطریق وظیفہ از راہ عنایت کے معین فرمایا ہے آگرہ ۳۸۵ روپیہ ماہواری دہلی ۳۲۸ روپیہ ماہواری ایضاً منجملہ زر عطیہ نواب اعتماد الدولہ بہادر مدرسے کے لئے ۱۲۴ روپیہ ماہواری یہ تمام روپیہ بطریق تفصیل ذیل کے تقسیم کیا جاوے گا۔ تفصیل آگرہ اور دہلی کے مدرسوں کے وظیفہ داروں کی جو کہ گورنمنٹ سے مقرر ہوں گے وظیفہ داران ادنیٰ ۳۲ نفر فی چار روپیہ ماہانہ یہ وظیفہ چار برس تک رہے گا اور ہر سال آٹھ وظیفہ دار خارج و داخل ہوا کریں گے۔ وظیفہ داران اعلیٰ ۱۲ نفران میں سے آٹھ نفر سولہ سولہ اور چار اٹھارہ روپیہ ماہیانہ پایا کریں گے اور اس درجے میں تین برس تک رہیں گے اور ہر سال ان میں سے چار چار شخص خارج و داخل ہوا کریں گے۔ آگرے کے مدرسے میں نصف اس وظیفے کا علوم عربی اور فارسی اور اردو کے اور نصف سنسکرت اور ہندی کے افضل طلبہ کو عنایت ہوگا۔ دہلی کے مدرسے میں عربی اور فارسی کے افضل طلبہ کو تین حصے اور سنسکرت اور ہندی کے اکمل طلبہ کو ایک حصہ عنایت ہوگا۔ تفصیل تقسیم زر عطیہ نواب اعتماد الدولہ بہادر کے وظیفہ داران ادنیٰ سولہ نفر جن کا چار چار روپیہ ماہانہ چار برس تک رہے گا اور ان میں سے

سال بسال چار چار نفر خارج اور داخل ہوا کریں گے۔ وظیفہ داران اعلیٰ تین نفر بتیس بتیس روپیہ ماہانہ تین برس تک پاویں گے اور ہر سال ان میں سے ایک ایک شخص خارج اور داخل ہوا کرے گا۔ الا یہ وظیفہ صرف عربی اور فارسی کے افضل طالب علموں کو مرحمت ہوگا۔ آگرے کے مدرسے میں ماہ ستمبر کے آخر کو اور دہلی کے مدرسے میں ماہ اکتوبر کے اوّل میں امتحان ہوا کرے گا۔ اس وقت وظیفہ مذکور کے امید واروں میں سے جو افضل پایا جاوے گا داخل ہو سکے گا۔ بشرطیکہ وظیفہ دار ادنیٰ کی عمر سولہ برس سے سوا اور وظیفہ دار اعلیٰ کی عمر بیس برس سے زیادہ نہ ہو۔ جو کہ امتحان میں سب افضل ہوگا وہ پوری میعاد میں مقرر ہوگا اور جو اس سے کم ہوگا کم میعاد میں مقرر کیا جاوے گا۔ اس وضع پر کہ آئندہ ہر سال میں خارج و داخل اوپر کے سلسلے کے موافق ہوا کرے گا لیکن جو کم میعاد میں داخل کئے جاویں گے سو آئندہ امتحان میں پھر پوری میعاد کے لائق ہو سکیں گے۔ امسال گزرنے کے بعد وظیفہ داروں کی معین ہونے کی شرائط جبکہ انتظام قرار واقعی ہوویگا مشتہر کئے جاویں گے۔ جو جو طالب علم کہ بعمر مناسب اور کچھ علم سے بہرہ یاب ہوں ان کے فوراً داخل کرنے کا مدرسہ مذکورین کے پرنسپل یعنے صاحبان مہتمم کو اختیار ہوگا اور درصورتیکہ اس کی عمر بیس برس سے زیادہ نہ ہو اور کتب مفصل ذیل میں امتحان دے سکے۔ یعنی عربی اور فارسی کے درجوں میں ہدایت النحو الف لیلہ یا نفحت الیمن، گلستان اور انشائے مادھورام سنسکرت کے درجے میں۔ منو پدیش۔ تو ایسے طالب علموں کا تین تین ماہیانہ بواسطے قوت بسری کے ہوگا۔ مگر یہ مشاہرہ ماہ ستمبر اور ماہ اکتوبر کے امتحان تک فقط بحال رہے گا اور یہ بھی شرط ہے کہ مشاہرہ

مذکورہ کا مصارف کل زرمرقومہ بالا سے متجاوز ہو۔ جو جو شخص مدرسے میں داخل ہونے کا امید وار ہو آگرے کے مدرسے میں مڈلٹن صاحب پرنسپل اور دہلی کے مدرسے میں بوٹروس صاحب پرنسپل کی خدمت میں اپنی اپنی درخواست گزارنے ماہ ستمبر اور ماہ اکتوبر آئندہ میں وظیفہ داروں کا امتحان جو ہوگا اس کی کیفیت تفصیل ذیل سے واضح ہوگی۔ امیدواران وظیفہ عربی اور فارسی کے امتحان کے لئے عربی صرف و نحو، عروض، نفحت الیمن، تاریخ یتموری۔ مقامات حریری فارسی انشائے ابوالفضل، انوار سہیلی سکندرنامہ فارسی یا اردو کا ترجمہ عربی میں۔ اور عربی کا ترجمہ فارسی یا اردو میں۔ عربی اور فارسی کی نظم و نثر میں طبع زاد مضمون تحریر کر کے کسی علم کے اصول کو بیان کرے۔ امید داران وظیفہ سنسکرت کے امتحان کے لئے بیاکرن، مہابھارت، رگھوبنش، ہندی یا اردو کا ترجمہ سنسکرت کا ترجمہ ہندی اور اردو میں سنسکرت کی نظم و نثر میں طبع زاد مضمون تحریر کرے کسی علم کے اصول کو بیان کرے جیمس ٹامیس آگرہ اور دہلی کے مدرسوں کا منتظم مقام آگرہ۔ ۸ر اپریل ۱۸۴۱ء"۔

عورتوں کی تعلیم کا مسئلہ بھی ہندوستان میں بہت نازک تھا تقریباً ہر ہندوستانی تعلیم کو عورتوں کے لئے بد اخلاقی کا پیش خیمہ سمجھتا تھا۔ لیکن عورتوں کی تعلیم کی ابتدا بھی کلکتے سے ہوئی اور وہاں کے ایک مخیر و دردمند انسان نے عورتوں کا ایک مدرسہ قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ خبر اسعد الاخبار آگرہ مورخہ ۱۰ر اپریل ۱۸۴۹ء میں چھپی ہے۔ عنوان ہے "خبر طیاری مدرسہ واسطے تعلیم ہندوستانی عورتوں کے لئے"۔

"عقلا اور امرا۔ کلکتے میں ایک مدت سے مشورہ ہو رہا تھا کہ مدرسہ

قائم کیجیے اب بابو جے کشن مکرجی نے اس کام کو اپنے ذمے کیا اور مستقل ارادہ کیا عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ مقرر کریں اور ایک شفاخانہ بھی بنایا جائے اور اس مدرسے میں شرفا کی لڑکیاں پڑھیں۔ لیکن چونکہ اس کے مصارف کے لئے تنہا بابو مذکور متحمل نہ ہو سکتے تھے اس واسطے انھوں نے اور ایبل تلہوم صاحب میر مجلس تعلیم و تربیت ہندوستان سے مشورہ کیا اور صاحب مذکور نے اقرار واثق کیا ہے کہ سرکار سے اس امر میں ضرور مدد ہو گی اب یقین ہے کہ چند روز میں یہ مدرسہ خوب رونق پاوے گا۔ اور علم و عقل کی زیادتی ہو گی"

ہندوستان میں عورتوں کی تعلیم کے بارے میں غور کیا جانے لگا تھا۔ اور کچھ طبقوں میں اس کا سلسلہ بھی شروع ہو گیا تھا۔ اور بمبئی کے پارسیوں نے خاص طور پر اس میں کافی سے زیادہ دلچسپی لینی شروع کر دی تھی۔ چنانچہ اس بات کی اطلاع کوہ نور لاہور مورخہ ۷ر اپریل ۱۸۶۰ء نے دی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"بمبئی میں لڑکیوں کی تعلیم ہی بہت ترقی پر ہے خاص قوم پارسیوں میں لڑکیوں کے چار مکتب ہیں اور قریب چار سو لڑکیوں کے ان میں تعلیم پاتی ہیں اب ان کا یہ ارادہ ہے کہ زیادہ استعداد کی لڑکیوں کے واسطے ایک مکتب مقرر کریں اور اس میں کسی انگریز بی بی کو تعلیم کے واسطے نوکر رکھیں سوائے پارسیوں کے دو مرہٹوں کے اور دو گجراتیوں کے اسکول اور ہیں ان میں بھی ۳۵۱ لڑکیاں پڑھنے آتی ہیں اور ہندوستانی لوگ قریب دو ہزار روپے سالانہ کا خرچ اپنے پاس سے لگاتے ہیں۔ گجراتیوں کے مکتب کا جو پچھلا امتحان ہوا تھا اس میں بمبئی کے نواب لفٹنٹ گورنر لارڈ ڈ الفنسٹن صاحب خود تشریف

رکھتے تھے اور اس کے ملاحظے سے بہت خوش ہوئے۔"

شہروں کے علاوہ دیہاتوں میں بھی تعلیم کا چرچا ہونے لگا تھا اور دیہاتی عورتیں بھی تعلیم میں دلچسپی لینے لگی تھیں جس کی تصدیق آگرہ، علی گڑھ، بریلی، اٹاوہ، فرخ آباد، مین پوری، متھرا اور شاہجہانپور کی دیہاتی تعلیم کی رپورٹ سے ہوتی ہے۔ جو معلم العلم آگرہ مورخہ ستمبر ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

"عورتوں کی تعلیم اس ملک میں امر دشوار ہے۔ لیکن سال بسال یہ دشواری کم ہوتی جاوے گی بالفعل اس کو بھی غنیمت جاننا چاہیئے کہ اضلاع امتحانی میں ۱۲۷ لڑکیاں اپنے مواضع پر کچھ تربیت پاتی ہیں اور ان میں ۱۰۴ لڑکیاں مکتب میں بھی جاتی ہیں اور کل تعداد میں ۱۵۱ اہل اسلام کی لڑکیاں قرآن حفظ یاد کرتی ہیں اور حرف شناسی بھی ان کو ہے موضع ہرنپور اور گنتھولی ضلع ایٹہ میں ۱۲ قوم چوہان کی لڑکیاں درمیان صاحب کے بٹھائے مکتب میں آتی ہیں اور موضع ترا کی میں ۵ لڑکیاں قوم راجپوت کی ۱۶ لڑکوں کے ساتھ جو ان کے بھائی اور ناتے رشتے کے ہیں مکتب میں پڑھنے کو جاتی ہیں۔ نوجوان عورتیں پڑھی ہوئی ۲۶۷ ہیں اور یہ رواج ضلع شاہجہانپور میں بہت ہے کیونکہ ان میں سے ۱۰۲۷ فقط اسی ضلع کی ہیں۔"

اخبارات نے اہل علم اور اہل قلم حضرات کی قابلیت کو اُجالا اور ان کی تصنیف و تالیفات کی تشہیر کی ان کے کلام اور دواوین کا اشتہارات کے ذریعے پروپیگنڈا کیا۔ چنانچہ سرسید کی مشہور تالیف آثار الصنادید کا پہلا ایڈیشن مطبع سید الاخبار میں ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا۔ اور عرصے تک اس کا اشتہار سید الاخبار میں چھپتا رہا۔

مولوی عبدالقادر صاحب کے مترجم قرآن مجید اور نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ

کی مشہور تالیف تذکرہ گلشن بے خار کا اشتہار دہلی اردو اخبار میں برابر چھپتا رہا اور نواب قطب الدین صاحب کی ترجمہ کی ہوئی مشکوٰۃ شریف کا حسب ذیل اشتہار بھی تغیر و تبدل کے ساتھ عرصے تک دہلی اردو اخبار کی زینت رہا۔

"مشکوٰۃ شریف مترجم ساتھ ترجمہ اور فوائد کے بیچ زبان اردو کے جو نواب قطب الدین خاں صاحب نے بہت کوشش سے باستصواب مولوی محمد اسحاق صاحب کے ترجمہ اور فوائد لکھے ہیں۔ مع متن کے نہایت احتیاط سے اس چھاپے خانے میں چھپتے ہی ایک ربع تمام ہو چکا ہے دوسرا ربع قریب نصف کے آپہنچا ہے اس کے لکھنے والے صحیح کرنے والے سب بموجب صلاح ایدید نواب صاحب کے متعدد دین دار لوگ ہیں جس کو خریداری منظور ہو نہ تسم کو لکھے قیمت کی جو شخص اب درخواست کرے اور جتنی چھپ چکی ہے اس کی قیمت ادا کرے پہلے تو عہ روپیہ قیمت کل کتاب کی ہے اور جو سب چھپ چکے گی اور سب چھپنے کے بعد لے گا قیمت للعہ۔"

مرزا غالب کی مشہور تالیف پنج آہنگ نثر کا منظوم اشتہار اسعد الاخبار مورخہ ۱۲ مارچ ۱۸۴۹ء میں شائع ہوا تھا اور اخباروں نے بھی شائع کیا تھا۔ اس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں۔

مژدہ اے رہروان راہ سخن | پایہ سنجان دستگاہ سخن
یہ تو دیکھو کہ کیا نظر آیا | جلوۂ مدعا نظر آیا
ہاں یہی شاہراہ دہلی ہے | مطبع بادشاہ دہلی ہے
منطبع ہو رہی ہے پنج آہنگ | گل و ریحان لالہ رنگا رنگ
نہیں اس کا جواب عالم میں | نہیں ایسی کتاب عالم میں
کل وہ سرگرم خود نمائی تھی | شمع بزم سخن سرائی تھی

آج یہ قدر دانِ معنی ہے | بادشاہ جہانِ معنی ہے
نثر اس کی ہے کارنامۂ راز | نظم اس کی نگارنامۂ راز
ہے سخن کی جسے طلب گاری | کر لے اس نسخے کی خریداری
آج جو دیدہ ور کرے درخواست | تین بھیجے روپے وہ بے کم و کاست
انطباع جبکہ ہو چکیگی کتاب | زرِ قیمت کا ہوگا اور حساب
چار سے پھر نہ ہو گی کم قیمت | اس سے لیویں گے کم نہ ہم قیمت
جس کو منظور ہو کہ زر بھیجے | احسن اللہ خاں کے گھر بھیجے
وہ بہارِ ریاضِ مہر و وفا | جس کو کہتے ہیں عمدۃ حکما
ہیں جو ہوں درپے حصولِ نسخ | نام عاصی کا ہے غلام نجف
ہے یہ القصہ حاصلِ تحریر | کہ نہ ارسالِ زر میں ہو تاخیر
چشمہ انطباع جاری ہے | ابتدائی ورق شماری ہے

شعرائے کرام کے کلام سے لوگوں کو محفوظ ہونے اور ان کی شخصیت کو ابھارنے اور بعض شعرا کو زندگی بخشنے اور ان کے دواوین کا اشتہار شائع کر کر فروخت کرانے میں اخبارات کا بڑا ہاتھ ہے۔ اخبارات میں نامور اور غیر نامور ذوقؔ، غالبؔ، انیسؔ و دبیرؔ وغیرہ شعرا کے وہ نادر حالات درج ہیں کہ اگر ان کو مرتب کیا جائے تو ضخیم کتابیں بن سکتی ہیں۔

نظیر اکبرآبادی کے صاحبزادے سید گلزار علی اسیرؔ کے حالات تذکروں میں بہت ہی کم شائع ہوئے ہیں اور جو واقعہ تفصیل کے ساتھ اسعد الاخبار آگرہ مورخہ ۸ اگست ۱۸۵۰ء میں درج ہے وہ منظر عام پر نہیں آیا۔ گوش گزار کیجئے۔

• جناب سیادت مآب خورشید سپہر سخنوری سید گلزار علی اسیرؔ جو اس

شہرت کے ایک عالی خاندان رئیس اور نامور شاعر ہیں بہ ارادہ شہر بھوپال کے اکبرآباد سے روانہ ہو کر دھولپور میں منزل گزیں ہوئے از آں جا کہ نامی شخص مخفی نہیں رہ سکتا، جناب مہاراجہ صاحب بہادر رانا ئی دھولپور کو ان کے وارد ہونے کی خبر ہو گئی۔ مہاراجہ صاحب کہ ذی علموں کے قدر دان اور علم و ہنر کے جوہر شناس ہیں۔ سید گلزار علی اسیر کے مشتاق ہوئے اور انہیں باعزاز و اکرام تمام اپنی شرف ملاقات سے مشرف کر کے عزم بھوپال سے باز رکھا اور جس وقت کہ جناب رانا صاحب بہادر نے انہیں یاد فرمایا تھا انھوں نے فی البدیہہ بعجالۃ الوقت ایک قصیدہ لکھا اور دربار میں جا کر پڑھا مہاراجہ صاحب دام اقبالہٗ نے ازراہ قدردانی اور بکمال سخن فہمی کے خوب داد دی اور حاضرین دربار و اعیان و ارکان ریاست میں جتنے اشخاص سخن فہم تھے عش عش کر گئے ایک قطعہ اس قصیدہ میں کا جو ہاتھی کی تعریف میں ہے راقم نے بھی سنا سو ناظرین کے ملاحظے کے لئے درج اخبار کرتا ہوں ؎

عجب ہے ترا ہاتھی غریب دانت اس کے
نہ جوئے شیر سے نسبت نہ بے ستوں سے مثال

مگر یہ کہیے کہ یوسف نے مار کر غوطہ
دیئے ہیں نیل کے دریا سے دونوں تھے نکال

"الحاصل جناب رانا صاحب دام اقبالہٗ ان کے جوہر ذاتی و صفاتی دیکھ کر اس قدر متوجہ ہوئے کہ انھیں آگے نہ جانے دیا اور پانچ روپے یومیہ مقرر فرما کے اپنے عہد دولت کی ایک مثنوی لکھنے پر انھیں مامور کیا اب سید گلزار علی اسیر مثنوی لکھنے میں مصروف و مشغول ہیں۔ اور جناب مہاراجہ صاحب بہادر

بفرطِ شوق ہر روز کا مسودہ اپنے حضور پڑھوا کر سنتے اور کمال خوش ہوتے ہیں اب تک اس مثنوی کے سات آٹھ سو شعر ہو چکے ہیں اور غالباً ساری مثنوی کے پندرہ سولہ سو شعر ہو جائیں گے مسموع ہو کہ وہ مثنوی بے نظیر جس کے قصص و حالات نہایت دلچسپ اور سرور انگیز اور لطفِ سخن و حلاوتِ مضامین کمال مسرت افزا ہیں عنقریب چھپوانے کے لئے مطبع میں بھیجی جائیں گی"۔

منشی مظفر علی اسیر کے دیوان کا اشتہار عرصے تک کوہ نور لاہور میں چھپا۔ اس کی نقل ۱۰ مئی ۱۸۶۰ء کے پرچے سے کی جاتی ہے۔

"جناب تدبیر الدولہ منشی مظفر علی خاں صاحب متخلص اسیر کہ فن شعر میں استاد ماہر ہیں۔ کمالات ان کے عالم میں ظاہر ہیں مصحفی کے شاگرد رشید زباں دانی میں وحید بسبب کامل ہونے کے مقرب بارگاہِ سلطانی رہے۔ بلند خیالی میں معاصرین کے متفق البیان رہے جناب موصوف کے سینکڑوں شاگرد خوش فکر ہیں جن کے تذکروں میں ذکر ہیں صحبت یافتہ زمانہ دیدہ فہیم و سنجیدہ فارسی اردو میں صاحب دیوان و قصیدہ مثنوی نہایت خوش بیاں دو دیوان ان کے کاغذ فرنچ فلس ولایتی پر بخط عمدہ ایک جلد میں بتیس جز و ایک حاشیے پر ایک متن میں چھپی ہوئی ہے۔ دو روپیہ فی جلد قیمت ہے۔ جس کو خریدنا منظور ہو بقدر خواہش یہ دیوان منگوائے۔ مہتمم کے پاس قیمت نقد بھجوائے"۔

منشی دیا شنکر نسیم کی مثنوی کا اشتہار اسعد الاخبار آگرہ مورخہ ۱۲/ دسمبر ۱۸۴۹ء شائع ہوا ہے"۔

"نسخہ گل بکاؤلی منظوم سراپا مرصع کہ بہتر اس سے کمتر دیکھنے میں آیا ہوگا

تصنیف پنڈت دیا شنکر نسیم کہ ارشد شاگردانِ خواجہ حیدر علی آتش سے ہے مع تصویرات اس مطبع میں اویز کاغذ لایتی تختے کے بخط نستعلیق چھپتی ہے اور ضخامت اس کی قریب بارہ جز کی ہوگی۔ قیمت اس کی واسطے خریداران دو روپے نزدیک کے بحساب فی جلد ایک روپیہ تا آخر دسمبر سن حال قرار پائی ہے بعد اس کے بحساب فی جلد ایک روپیہ ہشت آنے کی ملے گی"

ابتدائی دور کے اخبارات میں ملکی خبروں کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ ملکی خبریں بہت کم شائع کی جاتی تھیں مقامی خبروں کو بھی کوئی درجہ نہیں دیا جاتا تھا۔ غیر ملکی خبروں پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی اور اس کو خبر سمجھا جاتا تھا۔ اور زیادہ توجہ محیر العقول خبروں پر دی جاتی تھی۔ اس زمانے کا ذوق بھی یہی تھا۔ ایک دو واقعے اس قسم کے پڑھ کر اس زمانے کی یاد تازہ کر لیجئے۔ ۲ر جنوری ۱۸۵۲ء کا اسعد الاخبار "خبر عجیب" لکھتا ہے۔

" اخبار مدراس میں لکھا ہے کہ مقام دلمیور علاقہ جی میں ایک شخص نوکتخدا ہوا تھا شب زفاف میں جبکہ نوشہ وعروس خلوت خانے میں داخل ہوئے بعد تھوڑی دیر کے اس مکان سے آواز شور وغوغا کی شروع ہوئی اس کے اقربا نے گھبرا کر کوٹھری کا دروازہ کھولا تو دیکھا کہ دولہن دیوانی ہوگئی ہے ہر چند لوگوں نے معالجہ کیا کچھ مفید نہ ہوا۔ اتفاقاً ایک شخص عامل اور علم تسخیر کا عالم ؛ ہاں پر وارد ہوا۔ اور اس دولہن کے معالجے کے لئے بیٹھ کر کچھ پڑھنے لگا قضاء الہٰی تھوڑے عرصے کے بعد جو حال عروس کا تھا وہی حال عامل کا ہوا۔ اس مکان کے لوگ بہت حیران و پریشان ہوئے آخر کار ان لوگوں نے باہم مشورہ کر کے اس عامل کو آبادی کے باہر لیجا کر تالاب میں غسل کروایا تاکہ اثر رجعت عمل کا زائل ہووے۔ ایک گھڑی کے پیچھے اس تالاب میں سے سیاہ بیل عظیم الجثہ ہیبت ناک نکل کر

گاؤں کی طرف چلا لوگ دوڑے کہ اگر یہ بیل گاؤں میں پہنچے گا تو بڑی خرابی کرے گا آخر بندوق کی گولی سے اس کو مار ڈالا بعد اس کے مرنے کے وہ عامل بھی ہلاک ہوا۔"

دوسری "خبر عجیب" بھی ۲۳ راپریل ۱۸۵۱ء کے اسعد الاخبار آگرہ میں درج ہوئی۔

"سیالکوٹ کی چھاؤنی میں نبی بخش نام ایک سوداگر کی دوکان پر ایک بکرا دراز ریش کہیں سے آیا ہے اس کے خصیوں میں بکری سے دو تھن لٹکتے ہیں اور دو سیر کے قریب روز دودھ دیتا ہے اور بکریوں کو بھی گابھن کرتا ہے۔ سوداگر مذکور کی دوکان پر تماشائیوں کا ایک ہجوم رہتا ہے اور وہ ایک پیسہ آدمی دکھائی لیتا ہے۔"

اخبارات کا یہ بھی کارنامہ ہے کہ انھوں نے اُردو کی تحریر کو نکھارا۔ طرز نگارش کے موجد بنے۔ عوام میں بیداری پیدا کی۔ سیاسی، ادبی شعور پیدا کیا۔ غرض یہ کہ اخبارات نے اردو کی ترقی کے لئے جو کچھ کیا ہے اس کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

اخبارات کے ابتدائی زمانے کے چند موضوعوں کو سامنے رکھ کر مختصر سے حالات اس دور کے تحریر کئے ہیں۔ تاکہ اخبارات کی اہمیت کو اور اس کی تاریخی حیثیت کو سمجھا جاسکے۔

(قومی زبان کراچی ستمبر ۱۹۶۵ء)

قدیم علمی و صنعتی انجمنوں کے رسائل و اخبارات

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد ملک میں ہر طرف بے حسی اور احساس کمتری کی فضا چھائی ہوئی تھی اور علمی و ادبی دنیا میں بھی ایک قسم کا تعطل پیدا ہوگیا تھا اس وقت زبان کو ترقی دینے کے لئے ...
مختلف شہروں میں ادبی، علمی، اور صنعتی سوسائیٹیاں، و انجمنیں قائم ہوئیں اسمیں انجمن ہند لکھنؤ، انجمن اسلامی کلکتہ، دہلی سوسائٹی دہلی، انجمن فیض عام گوجرانوالہ، انجمن تہذیب لکھنؤ، سینٹفک سوسائٹی مظفر پور (بہار) انجمن اشاعت علوم لاہور، انجمن اشاعت مطالب مفیدہ پنجاب لاہور، راجپوتانہ سوشل کانگریس جے پور، انجمن پنجاب لاہور، انجمن مناظرہ دہلی، انجمن رفاہ گونڈہ، انجمن عرب سرائے دہلی، انجمن رفاہ عام راجپوتانہ اجمیر، انجمن شاہجہاں پور، انجمن رفاہ رعایائے دہلی، انجمن مفید عام قصور، انجمن مذاکرہ علمیہ ہند پٹنہ، انجمن اسلام لکھنؤ، انجمن تہذیب کانپور، انجمن علمی بدایوں، انجمن رفاہ عام لدھیانہ، انجمن حمایت قوم کپور تھلہ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔
ان انجمنوں نے علوم مشرقی کو ترقی دینے، قوم کی اصلاح اور ملک کی بدحالی کو دور کرنے اور مفاد عامہ کی حفاظت کرنے کیلئے بھی ناقابل فراموش کارنامے انجام دئے ہیں اس کے بانی منشی پیارے لال لکھنؤ، مولوی عبداللطیف کلکتوی، ماسٹر پیارے لال آشوب دہلوی، پیرزادہ محمد حسین لاہوری، سرسید مرحوم

مولانا محمد حسین آزاد دہلوی منشی شیو نراین لکھنوی سید نذیر علی صاحب مولوی سید محمد مہدی صاحب سیٹھ ستمبری مل صاحب اور سید نادر علی شاہ سیفی وغیرہ تھے۔

ان انجمنوں اور سوسائیٹوں کا اردو ادب کی تاریخ میں ذکر نہ کرنا بے انصافی ہے اس لئے میں نے ان انجمنوں کے حالات اور ان کی خدمات قلمبند کرنا ضروری سمجھا۔ ان میں کونسی پہلے قائم ہوئی اور کس نے افضلیت کا درجہ حاصل کیا۔ اس کا ذکر اس وقت کرنا موزوں ہوگا جب ان کا مواد جمع ہو کر کتابی شکل حاصل کر لیگا۔

جن انجمنوں اور سوسائیٹوں کے ہمارے پاس رسائل و اخبارات تھے ان کے حالات ہم نے تفصیل سے لکھے جو یہ ہیں۔

(۱) رسالہ دہلی سوسائٹی دہلی (۲) اخبار مرقع تہذیب لکھنؤ (۳) رسالہ انجمن مناظرہ دہلی (۴) رسالہ انجمن عرب سرائے دہلی (۵) رسالہ دہلی ایسوسی ایشن دہلی (۶) "رسالہ" انجمن مفید عام قصور (۷) رسالہ انجمن رفاہ عام راجپوتانہ اجمیر۔

ان انجمنوں کے علاوہ جن انجمنوں کے حالات ہم نے قلمبند کئے ہیں وہ اختر شہنشاہی اور مقالات و خطبات گارساں دتاسی سے اخذ کئے ہیں۔

اخبار انجمن ہند لکھنؤ

یہ ہفتہ وار اخبار لکھنؤ سے انجمن ہند لکھنؤ کے اہتمام میں ۱۸۶۲ء میں جاری ہوا۔ محلہ یحییٰ گنج سے ہر شنبہ کو شائع ہوتا تھا۔ امیر الدولہ راجہ امیر حسن رئیس محمود آباد پریسیڈنٹ انجمن ہند، سرانا شنکر بخش سنگھ، رئیس کھجور گاؤں قائم مقام پریسیڈنٹ کے حکم سے یہ رسالہ نکالا گیا تھا منشی پیارے لال سکریٹری اس کے پرنٹر تھے۔ سالانہ چندہ پندرہ روپیہ بارہ آنے تھا مطبع انجمن ہند لکھنؤ میں چھپتا تھا۔

اس اخبار کے سر ورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا ؎

تیرے کرم سے انجمن اخبار یا خبیر　　ہر بزم و انجمن میں ہو مطبوع و دلپذیر

یہ اخبار اپنے معاصرین میں کن نظروں سے دیکھا جاتا تھا۔ اس کا صحیح اندازہ اخبار انجمن پنجاب لاہور مورخہ ۲۰ جنوری ۱۸۷۴ء کے تبصرہ سے لگایئے۔

"یہ اخبار لکھنؤ میں چھپتا ہے اور شائع ہوتا ہے۔ لکھنؤ کے تعلق داروں کا یہ اخبار بڑا خوشامدی ہے اور انھیں کے باعث شاید یہ چلتا ہے"، یکم اگست ۱۸۷۴ء کا نصرت الاخبار دہلی اس رائے کی تائید کرتا ہے۔

"انجمن ہند مجبور رہے کیا کرے، لکھنؤ میں خاص خوشامد کا بازار سدا سے گرم رہا ہے۔ گویا تمام کا تمام یہ وصف وہیں جا جمع ہوا ہے۔ اگر قسمت کرے اور بن پڑے تو شاید وہاں کا یہ دستور ترک کرادے اور یہ خراب عادت چھڑا دے"۔

منشی پیارے لال سکریٹری اپنی انجمن کے پروگرام کے مطابق ملک مختلف شہروں کا دورہ کرتے تھے اور وہاں شادیوں کی فضول خرچی کو روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ چنانچہ ان کی اس جد وجہد کا ذکر گارساں دتاسی نے اپنے مقالہ ۱۸۷۶ء اور ۱۸۷۷ء میں کیا ہے۔ لکھتے ہیں۔

(۱) "منشی پیارے لال اس کمیٹی کے صدر ہیں جس کا مقصد شادی بیاہ کی فضول خرچی کو روکنا ہے انھیں اس مقصد سے بڑی دلچسپی ہے صوبہ بہار کا دورہ کرتے ہیں اور لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کی کوشش کرتے ہیں حکام کے تعاون سے انھوں نے دیہاتیوں کے اخراجات کی فہرست بنادی ہے کوئی اسے نہ مانے تو حاکم ضلع سے شکایت کی جاتی ہے (۲۸)"۔

(۲) انجمن ہند کے صدر منشی پیارے لال اور اودھ اخبار کے مالک منشی نولکشور کی تحریک پر لاہور میں یکم اپریل کو ایک جلسہ اس غرض سے ہوا کہ بیاہ شادی کی فضول خرچی کی روک تھام کی تدبیر سوچے۔ اسی طرح کا ایک جلسہ لکھنؤ میں ہوا۔ اودھ اخبار نے بالتفصیل اس کی روئداد شائع کی

ہے جو لوگ اس اصلاح کی زبانی تائید میں سب سے پیش پیش ہیں۔ عمل کے وقت وہ بہت بُرا نمونہ پیش کرتے ہیں۔ حال ہی میں مہاراجہ ڈمراؤں کی نواسی کی شادی میں چار لاکھ روپیہ خرچ ہوا (۳۷۳)"۔

"انجمن ہند" اپنا ایک اخبار ہندی زبان میں بھی نکالتی تھی جس کا ذکر گارساں دتاسی نے مقالات اول میں اس طرح کیا ہے۔

"بھارت پتریکا" لکھنؤ کے اس رسالے کا ہندی نام ہے جس کا اردو لقب اخبار انجمن ہند ہے اور جس کا اس موخر الذکر نام سے میں نے اپنی تاریخ ہندی و ہندوستانی" میں ذکر کیا ہے (یہ ہفتے وار اخبار صرف تعلقہ داران اودھ کے مضامین کے لئے وقف ہے")

رسالہ انجمن اسلامی

یہ ماہانہ رسالہ کلکتہ سے جنوری ۱۸۶۳ء میں جاری ہوا۔ یہ انجمن اسلامی کلکتے کا آرگن تھا شروع میں دس صفحات میں نکلا۔ بعد میں ضخامت میں اضافہ ہوگیا تھا۔ انجمن کے میر مجلس نواب عبدالطیف خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ اس کے مہتمم تھے۔ سالانہ چندہ بارہ روپیہ تھا۔ مطبع بیپٹسٹ مشن پریس میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں انجمن کی میٹنگ کارروائیاں چھپتی تھیں اور تاریخی اخلاقی اور علمی مضامین شائع ہوتے تھے، اس انجمن کا اصل نام اسلامی مجلس مذاکرہ علمیہ تھا اور یہ بھی غلط ہے کہ یہ رسالہ جنوری ۱۸۶۳ء میں جاری ہوا۔ اس لئے کہ یہ مجلس ۲ اپریل ۱۸۶۳ء میں قائم ہوئی ہے یہ ناممکن ہے کہ انجمن کے قائم ہونے سے پہلے رسالہ شائع ہوا ہوگا۔

اس مجلس کی غرض و غایت کیا تھی اس کا اظہار روئیداد سال ہشتم ۲۰ شعبان المعظم ۱۲۸۷ھ مطابق ۲۳ نومبر ۱۸۷۰ء کے رسالہ میں ہوا۔

جو یہ ہے۔

"جناب مولوی عبد اللطیف خاں بہادر ممبر کونسل قانونی جناب منزلت مآب نواب لفٹننٹ گورنر بہادر بنگالہ نے بتاریخ ۱۱ر شہر شوال ۱۲۷۹ھ مطابق ۲ر اپریل ۱۸۶۳ء اس مجلس کی بناڈالی اس مجلس کے جلسات ممدوح الیہ کے مکان میں ہر مہینے ایک بار منعقد ہوا کرتے ہیں۔ اس مجلس کی بناڈالنے سے مقصود کلی اور غرض اصلی یہ تھی کہ جماعت اہل اسلام کے طبقات اعلیٰ اور تعلیم یافتہ میں مختلف مضامین علمیہ اور تجارت حکمیہ پر تحریر اور تقریر کے پڑھے اور بیان کیئے جانے سے فوائد سماعت کی اشاعت کی جائے۔ اور یہ تحریرات و تقریرات اس مجلس کے ماہانہ جلسوں میں اردو، فارسی و عربی انگریزی زبانوں میں پڑھی اور بیان کی جاتی ہیں۔ حضرات اہل اسلام نے نہایت درجے کی توجہ اس مجلس کی طرف مبذول فرمائی چنانچہ بیشتر علماء وعظما بکثرت جلسیات میں تشریف لائیں اور اراکین سلطنت اور والیان مملکت اور دوسرے صاحبان ذیشان اہل فرنگ نے بھی اس مجلس کی طرف سے ایک سالانہ جلسہ غیر معمولی اس دار الامارت کلکتے کے ایوان رفعت بنیان ٹون ہال میں منعقد ہوا کرتا ہے جس میں شہر کے بڑے بڑے علماء، اہل فرنگ و اہل ہند واسطے نمائش تحریرات فوائد آیات متعلق علوم طبیعہ وحل و عقد اشیاء و علوم متعلق کشش گہربائی وغیرہ تشریف لایا کرتے ہیں ان جلسوں کے انعقاد سے مقصود یہ ہے کہ نوجوانان اہل اسلام کے دلوں میں ان علوم کا شوق پیدا ہو اور ضمناً جملہ طبقات اقوام مختلف کے درمیان باہم دوستانہ رابطہ مجالست و معاشرت کی ترقی ہوتی رہے اس جلسۂ غیر معمولی میں بڑے بڑے اشخاص نامی وگرامی جو بوقت انعقاد کلکتہ میں رونق افروز ہوتے ہیں قدم رنجہ فرماتے ہیں۔"

اس مجلس کے مربی اور عہدیدار حسب ذیل اشخاص تھے۔
حامی و مربی جناب سر ولیم گرے صاحب لفٹننٹ گورنر بنگال، صدر قاضی عبدالباری صاحب، نائب صدر جناب مولوی عباس علی خاں، سکریٹری جناب مولوی عبداللطیف خاں صاحب۔
اور ممبران انتظامیہ کمیٹی کے ارکان یہ حضرات تھے۔
(۱) جناب شاہزادہ محمد رحیم الدین صاحب (خاندان میسوریہ) (۲) جناب شیخ عیسیٰ بن قرطاس صاحب (۳) جناب انتظام الدولہ مرزا احمد بیگ خاں (۴) جناب سماء الدولہ محمد قاسم علی خاں (۵) جناب مولوی محمد عبدالرؤف صاحب (۶) جناب مولوی ابوالقاسم عبدالحکیم صاحب (۷) جناب آقا سید مرتضیٰ صاحب بہبہانی (۸) جناب ڈاکٹر میر اشرف علی صاحب (۹) جناب مولوی سید آل احمد صاحب (۱۰) جناب منشی سید لطافت حسین صاحب۔
یہ مجلس دینی، تعلیمی اور اصلاحی کاموں میں کافی دلچسپی لیتی تھی۔ لیکن حکومت کی حمایت کا جذبہ بدرجہ اتم تھا۔ عام طور پر اہل علم طبقہ انگریزی حکومت کو دارالحرب خیال کرتا تھا اور جہاد کو واجب سمجھتا تھا لیکن یہ مجلس سر سید مرحوم کی طرح اس نظریہ کی حامی نہیں تھی۔ چنانچہ اس مجلس کی ایک میٹنگ ۲۳ نومبر ۱۸۷۰ء کو رات کے آٹھ بجے بر مکان مولوی عبداللطیف خاں منعقد ہوئی جس میں مولوی کرامت علی واعظ جونپوری، مولوی فضل علی صاحب، مولوی ابوالقاسم، مولوی عبدالرؤف صاحب، شیخ احمد آفندی اور سید ابراہیم بغدادی نے اس عنوان پر "ہندوستان جو بالفعل بادشاہ عیسائی مذہب کے قبضہ اقتدار میں ہے برطابق فقہ مذہب کے دارالسلام ہے اور یہاں مسلمانان اہل ہند کو جہاد کرنا جائز نہیں ہے۔ تقریریں کیں اور اسی مضمون کا ایک فتویٰ پڑھکر سنایا جس پر علمائے لکھنؤ

اور دہلی کے دستخط تھے۔ اس جلسہ کی کارروائی اور یہ فتویٰ سال ہشتم کی روئیداد منعقدہ ۲۳ر نومبر ۱۸۷۰ء میں چھپی ہے۔

گارساں دتاسی نے بھی اس رسالہ کا اپنے خطبوں اور مقالوں میں ذکر کیا ہے چونکہ ان کے علاوہ کہیں سے انجمن کے متعلق معلومات نہیں ملتی اس لئے ان خطبوں اور مقالوں کی عبارتیں نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

(۱) "پچھلے مہینے انجمن اسلامی کا جلسہ کلکتہ میں ہوا۔ اس میں تقریباً دو ہزار لوگوں نے شرکت کی حاضرین میں ہندوستان کے بعض مشہور مسلمان رئیس شامل تھے ان کے علاوہ ہندو اور انگریز بھی تھے وائسرائے گورنر جنرل اور بنگال کے لفٹننٹ گورنر نے بھی جلسہ میں شرکت کی۔ انجمن کی جانب سے بعض سائنٹفک تجربات: کھانے کا انتظام کیا گیا تھا جو بہت پسند کئے گئے۔ علمی موضوع پر تقریریں بھی ہوئیں وائسرائے بہادر نے انجمن کے معتمد مولوی عبداللطیف خاں کی سرگرمی اور ان کے جوش عمل کی بہت تعریف کی اس موقع پر انجمن کی جانب سے وائسرائے کو ایک عرضداشت پیش کی گئی جس میں یہ درخواست کی گئی کہ کلکتہ یونیورسٹی کے امتحانات نیز تعلیم بجائے انگریزی کے ہندوستانی یا بنگالی میں کردی جائے۔ طلبا کو اس بات کا حق دینا چاہیئے کہ امتحان میں جواب چاہے انگریزی میں دیں یا اپنی ملکی زبان میں۔ سہولت اس میں ہوگی کہ ان طلبہ کے لئے جو ملکی زبان میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں علیحدہ انتظام کیا جائے۔"

یہ درخواست بھی کی گئی ہے کہ صوبہ شمالی و مغربی کے لئے ایک علیحدہ یونیورسٹی قائم کی جائے جس میں ذریعہ تعلیم ہندوستانی ہو۔"

(خطبہ ۱۸۶۷ء صفحہ ۵۹۲)

(۲) پچھلے سالوں کی طرح اس سال بھی ۸ر ذیقعدہ ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۳ر مارچ ۱۸۶۶ء

کلکتہ ٹاؤن ہال میں انجمن اسلام کا جلسۂ عام منعقد ہوا۔ اس میں مختلف مضامین پڑھے گئے اور بعض نادرالوجود اشیاء کی نمائش کی گئی جلسے میں والسرائے بہادر لفٹنٹ گورنر بنگال کے یہی امراء اور انگریزوں کے بعض سربرآوردہ لوگوں نے شرکت کی۔ مدیر اخبار عالم نے اس امر پر اظہار تاسف کیا ہے کہ وہ خود اس سالانہ جلسہ میں شریک نہ ہوسکے۔ موصوف کو انجمن کے مقاصد سے ہمدردی ہے یہ خواہش ظاہر کی ہے کہ کیا اچھا ہوتا اگر ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں میں اس قسم کی انجمنیں قائم ہو جاتیں تاکہ علوم و فنون اور ادب کو ترقی دی جائے اور ہندستان کے تمول اور فلاح میں اضافہ ہو۔ (خطبہ، ۲ دسمبر ۱۸۶۸ء صفحہ ۶۶۴)

(۳) انجمن اسلامیہ کلکتہ چودہ سال سے حکومت کی سرپرستی میں پنپ رہی ہے مسلم جماعت کے سربرآوردہ اشخاص اس کے ارکان ہیں ۲۰ اپریل کو ایک ڈیپوٹیشن نے گورنر جنرل کا خیر مقدم کرنے گیا بڑے لاٹ نے یقین دلایا کہ میں انجمن سے پورا پورا تعاون کروں گا۔ اور مسلمانوں کی ترقی کے لئے اس کی مساعی کی بڑی تعریف کی۔ انجمن نے کتب خانے قائم کرکے مسلمانوں میں تعلیم عام کرنے کی جو کوشش کی اسے بھی سراہا کیونکہ تعلیم کی کمی کی وجہ سے مسلمان سرکاری ملازمتوں سے محروم ہوگئے لیکن اب یہ کمی پوری ہوتی جاتی ہے۔ (مقالہ ۱۸۷۶ء صفحہ ۲۹)"۔

(۴) کلکتہ کی انجمن اسلامیہ بڑے شوق سے علمی خدمت انجام دے رہی ہے بنگال کونسل کے رکن مولوی عبدالطیف خاں بہادر نے آج سے چودہ سال پہلے اس کی داغ بیل رکھی تھی اور وہی اس کے سکریٹری ہیں۔ مہینے میں ایک بار اس کا جلسہ ہوا کرتا ہے انجمن کا مقصد ہے کہ بلا قید زبان مسلمانوں کو علمی و ادبی تحریکوں سے باخبر رکھے۔ اس کی کوشش سے مسلمانوں میں تعلیم کا

شوق بڑھ گیا ہے اور اس کے جلسوں کا ہر طرف چرچا رہتا ہے اس کے ارکان کی تعداد تقریباً پانچ سو ہے اور ان میں سے ہر ایک انجمن کے کاموں میں تھوڑا بہت حصہ لیتا ہے اس کا سالانہ جلسہ ٹاؤن ہال میں ہوا کرتا ہے جس میں ہر قوم و ملت کے افراد آتے ہیں اور علمی و ادبی مسئلوں پر آزادی سے تبادلہ خیالات کرتے ہیں۔ (مقالات ۱۸۶۷ء ص ۳۲)"۔

رسالہ دہلی سوسائٹی دہلی

۲۸ جولائی ۱۸۶۵ء کو کرنیل جارج ولیم ہملٹن سابق کمشنر دہلی کی کوٹھی پر اس سوسائٹی کے قائم کرنے کے لئے جلسہ ہوا جس میں معززین شہر اور قرب و جوار کے روساء شامل ہوئے ہے کمشنر صاحب نے سوسائٹی کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ یہ سوسائٹی جہاں بری رسموں کا خاتمہ کرنا تعلیم نسواں کو فروغ دینا اور فارسی عربی اور سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ اُردو زبان میں کرا کر اُردو ادب کو ترقی دینا چاہتی ہے وہاں رفاہ عام کی تدابیر بھی اختیار کرے گی۔

ان مقاصد سے سب لوگوں نے اتفاق کیا۔ اور سوسائٹی کا قیام عمل میں آ گیا۔ جس کے عہدیدار کرنیل جارج ولیم ہملٹن پیٹرن، کپتان میکماہن و مرزا الٰہی بخش پریسیڈنٹ، رائے سنگھ صاحب وائس پریسیڈنٹ، کولڈسٹریم صاحب اور لالہ پیارے لال صاحب سکریٹری مقرر ہوئے۔ ورکنگ کمیٹی کی بھی تشکیل ہوئی اور میٹنگ میں گورنمنٹ سے درخواست کی گئی کہ سوسائٹی کے دفتر کے لیے عجائب خانے کے دو کمرے دیدئے جائیں چنانچہ یہ درخواست منظور ہوئی اور اسی وقت سے ان کمروں میں مہینے میں دو مرتبہ سوسائٹی کے جلسے ہونا شروع ہو گئے۔ ۱۸۶۶ء میں سوسائٹی کی میٹنگوں کی کارروائیوں اور ان میٹنگوں

میں جو مضامین پڑھے جاتے تھے ان کی اشاعت کے لئے ایک رسالہ جاری ہوا جس میں ۲۸ر جولائی ۱۸۶۵ء تا ۱۲ر نومبر ۱۸۶۵ء کی میٹنگوں کی کارروائیاں اور چھ مضمون شائع ہوئے۔ تیسرے نمبر ۱۸۶۶ء لکھا ہوا ہے اس میں ۱۹ر جون ۱۸۶۶ء تا ۸ر جون ۱۸۶۷ء کی میٹنگوں کی کارروائیاں اور تین مضمون چھپے ہیں۔ بعض رسالوں کے آخر میں ہندی میں بھی مضمون درج ہوتے تھے چنانچہ نمبر ۴ ۱۸۶۹ء میں ۴۲ صفحہ کا اور نمبر ۵ میں ابتدائی ۱ر مئی ۱۸۶۹ء لغایت ۱۲ر فروری ۱۸۷۰ء میں سولہ صفحہ کا ہندی مضمون چھپا ہوا ہے۔

چھ سال تک یہ رسالہ بے ضابطہ شائع ہوتا رہا صفحات کی تعداد کوئی مقرر نہیں تھی نہ ہی اشاعت کا کوئی مہینہ یا تاریخ مقرر تھی۔ بالآخر ۳ر ستمبر ۱۸۷۱ء لغایت ۶ر اپریل ۱۸۷۲ء کے آخری صفحہ پر اس کے باقاعدہ شائع ہونے کا ذیل اعلان ہوا۔ عنوان ہے۔ "اشتہار رسالہ انجمن علمی دہلی مقام عجائب خانہ"۔ عبارت یہ تھی۔

"اب تک ہمارے رسالہ انجمن کی انطباع کا کوئی وقت معین نہ تھا جب دو چار جلسے ہوتے تھے تو ان کی رویداد اور مضامین جو اس میں پڑھے جاتے وہ معرض بحث میں آتے چھپ جاتے تھے اب ارباب انجمن کی یہ تجویز ہوئی کہ ایک رسالہ ماہوار مئی ۱۸۷۲ء سے منطبع ہوا کرے اور اس میں وہ مضامین درج ہوا کریں جو قابل اور لائق شرفا اور دہلی کالج کے طلبا تحریر کیا کریں تاکہ عموماً ہندوستانیوں کو تعلیم بھی ہو اور لطف بھی حاصل ہو اور ممبران انجمن کو بلا قیمت ملا کرے اور خریداروں سے آٹھ آنہ ماہوار لیا جایا کرے اس لئے اشتہار دیا جاتا ہے کہ جن صاحبوں کو خریداری منظور ہو وہ درخواست اپنی سکریٹری انجمن کے پاس بھیجدے ذکاء اللہ سکریٹری انجمن دہلی"۔

سوسائٹی کی جو میٹنگیں ہوتی تھیں اس میں معلوماتی اصلاحی تاریخی اور صنعتی مضامین پڑھے جاتے تھے پڑھنے کے بعد ممبران ان پر تبادلہ خیال کرتے تھے۔ اور تنقید بھی کرنے کی کھلی اجازت تھی۔

۲۸ر اکتوبر ۱۸۶۸ء کی میٹنگ ڈاکٹر بینی صاحب کی صدارت میں ہوئی تھی اس میں پنڈت جانکی داس صاحب نے اپنا ایک مضمون صنعت پر پڑھا جس پر حسب ذیل تبادلہ خیال ہوا [1]

"چند ولال سکریٹری نے کہا کہ واقعی اگر صنعت کو ترقی ہو تو لوگوں کا روزگار چلے سرکار کی سلطنت میں زیادہ خوشی سے رہیں اور مناسب ہے کہ سرکار نے جیسے علمی مدارس مقرر فرمائے ہیں ویسی ہی صنعت کی تعلیم کے واسطے مدرسہ جات مقرر کرے اور استاد ولایت سے منگوائے جائیں جناب کارسٹیفن صاحب نے فرمایا..... فرنگستان میں ایک زمانہ تھا کہ جب اہل سیف کا زور شور تھا لیکن وہ زمانہ گزر گیا اب تجار لوگ بڑے معزز خیال کئے جاتے ہیں چنانچہ ایک صاحب ڈالٹن صاحب پارلیمنٹ کے ممبر ہیں اور وہ پیشہ کے کمہار مٹی کے برتن بنانے والے ہیں اسی طرح ایک اور صاحب بیر شراب بنانے والے ہیں ان کا نام پاس صاحب ہے وہ کوئی بنیتیس کروڑ کے آدمی ہیں اور وہ بھی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں ان کی بڑی عزت ہے اگر یہاں بھی ہو تو دستکاری پیشوں کو رونق ہو۔ ماسٹر سری رام بی اے نے فرمایا..... ہندوستان کے لوگ صنعت کاری میں ہوشیار ہیں بیر بھوم ملک بنگال میں ایک جا ہے اور وہاں کے لوہے کی چیزیں ایسی عمدہ ہوتی ہیں کہ شفلڈ کے کارخانوں کی ہمیا پر ہوتی ہیں سنا گیا ہے کہ آگرہ میں جو جمنا کے پل بنے کی تجویز ہے تو انگریزی انجینیروں نے وہی مقام پل کے

---

[1] رسالہ سوسائٹی اپریل ۱۸۶۹ء

واسطے پسند کیا ہے کہ جو کہتے ہیں کہ پہلے زمانے کے ہندوستانی انجینیروں نے تجویز کیا تھا۔ ایسی ایسی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ ہند ہوشیاری میں کسی سے کم نہیں ہیں مگر اب صنعتوں کو ہندوستان میں زوال آگیا ہے اگر توجہ کی کی جاوے تو بڑی ترقی ہو"۔

۱۸۷۲ء

مٹنگوں میں مضامین پر بڑی دلچسپ اور مدلّل بحثیں ہوتی تھیں چنانچہ ۴ اکتوبر کی مٹنگ میں جب ماسٹر کنھیا لال صاحب نے اپنا مضمون فوائد علم نباتات پڑھا تو اس کی بحث میں ممبران نے کافی گلفشانیاں کیں اور اپنی قابلیت کا ثبوت دیا۔ جس کے متعلقہ اقتباس نقل کیے جاتے ہیں۔[۱]

"..... پنڈت بشیر ناتھ صاحب نے فرمایا کہ ویدوں کے ساتھ ایک پستک ہے جس میں اوشدیوں کا ذکر ہے ان میں سے بہت سی ایسی بوٹیوں کا ذکر ہے جن کو اب کوئی نہیں جانتا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ میں اس علم میں ہندوستانیوں نے بڑی کوشش کی تھی نئی بوٹیوں کا دریافت کرنا تو درکنا ان بوٹیوں کو بھی جن کا ذکر پرانی کتابوں میں ہے جان لیں بڑی بات ہو اکثر نئی بوٹیاں جو دریافت ہوئی ہیں وہ محنت اور کوشش سے دریافت ہوئی ہیں بلکہ اتفاق سے دریافت ہوئی ہیں۔ مثلاً چوب چینی کے دریافت ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ ایک مرتبہ بڑا کال پڑا اور بیماری بھی شدت سے ہوئی تو بہت سے لوگ چین کو بھاگ گئے وہاں جا کر جنگل میں رہنے لگے اور ایک درخت کے پتے اکثر جب بھوک لگتی تھی کر کھاتے کچھ عرصہ بعد جب قحط اور بیماری رفع ہوئی تب وہ اپنے ملک واپس آئے ویدوں نے ان سے دریافت کیا کہ تم کیونکر اچھے ہو گئے کیا دوا تم استعمال میں لائے تھے انھوں نے جواب دیا کہ ہم نے صرف ایک

---

[۱] رسالہ سوسائٹی دہلی اکتوبر ۱۸۷۲ء

درخت کے پتے پیس کر کھائے تھے اس سے اچھے ہو گئے، اس سبب سے اس بیماری کے لئے انھوں نے اس درخت کے پتے بطور دوا مقرر کئے اور اس اوشدی کا نام چوب چینی رکھا۔۔۔ لالہ حکم چند صاحب نے فرمایا مطالعہ علم نباتات بہت ضروری ہے علم نباتات کے مطالعہ سے انسان بہت سی چیزوں سے جو صحت کے لئے مضر ہیں محفوظ رہ سکتا ہے مثلاً لوگ عموماً اپنے مکانوں میں خوبصورتی کے واسطے پھول لگاتے ہیں حالانکہ وہ صحت کے لئے بہت مضر ہیں مگر جو لوگ علم نباتات کے خواصوں سے واقف ہیں وہ ایسے پودے اپنے مکانوں میں نہیں لگاتے بلکہ بجائے ان کے وہ پودے جن میں پھول نہیں آتا لگاتے ہیں کیونکہ پھول گو خوبصورت ہوتے ہیں مگر ان سے مضر ہوا نکلتی ہے۔"

ان میٹنگوں میں علمی و ادبی مضامین پر ہی نہیں بلکہ مفاد عامہ والے مضامین بھی پڑھے جاتے تھے اور ان پر تبادلہ خیال کیا جاتا تھا۔ چنانچہ لالہ رام کشن صاحب نے ۶ر ستمبر ۱۸۷۳ء کی میٹنگ میں اپنا ایک مضمون "فوائد تکلیفات ریل" پڑھا۔ جس پر یہ تبادلہ خیال ہوا[1]

"ڈاکٹر رادھا کشن صاحب سب اسسٹنٹ سرجن نے فرمایا کہ مضمون لالہ صاحب نے نہایت عمدہ لکھا ہے اور درحقیقت جو تکالیف مضمون میں درج کی گئی ہیں بہت صحیح ہیں اور خصوصاً دہلی سے غازی آباد تک تو پنجاب ریلوے میں نہایت تکلیف ہوتی ہے۔ میری رائے میں بہتر ہوتا اگر افسران ریل بھی اس جلسہ میں بلائے جاتے مثلاً اسٹیشن ماسٹر وغیرہ شاید وہ اس پر توجہ کرتے اس کے بعد رائے صاحب سنگھ صاحب نے فرمایا کہ اسٹیشن ماسٹروں کو اس مضمون کے سنانے سے کچھ فائدہ نہیں ریل کے ایجنٹوں کے پاس بھیجنا چاہیئے لالہ سری رام صاحب ایم اے نے

---

[1] رسالہ دہلی سوسائٹی مئی ۱۸۷۳ء

فرمایا کہ اس مضمون کا خلاصہ بطور میموریل کے اگر گورنمنٹ کو بھیجا جائے تو بہت مناسب ہے۔ پادری ونٹر صاحب نے فرمایا کہ میں نے بچشم خود ان تکالیف کو دیکھا ہے اور ان کا رفع ہونا بغیر سرکار کی سعی کے ناممکن معلوم ہوتا ہے .... انجام کار یہ قرار پایا کہ ایک میموریل سوسائٹی کی طرف سے جس میں خلاصہ مضمون کا زبان انگریزی میں درج ہو اور جس پر ممبران سوسائٹی کے دستخط ہوں خدمت میں جناب لفٹنٹ گورنر بہادر کے بھیجا جائے۔"

سوسائٹی کے رسالو میں بڑا علمی خزانہ ہے ۱۸۶۵ء سے لیکر ۱۸۷۶ء تک گیارہ برس میں اس رسالہ کے شماروں میں جو مضامین چھپے ہیں ان کے حسب ذیل عنوانات سے اندازہ لگائیے [1]

(۱) فوائد علم تواریخ مصنفہ رائے جیون لال (۲) تباہی شہر دہلی مصنفہ مرزا اسداللہ خاں صاحب مرحوم غالب (۳) مختلف زبانیں و حروف مصنفہ لالہ چندو لال (۴) فوائد تجارت مصنفہ شیخ محبوب بخش صاحب سوداگر (۵) فوائد علم مصنفہ راجہ دیبی سنگھ (۶) نوشیرواں کا حال مصنفہ رائے جیون لال صاحب (۷) تعلیم نسواں مصنفہ منشی حکم چند صاحب (۸) ہر قسم کے حروف شناسی مصنفہ رائے بنسی لال صاحب (۹) علم اخلاق مصنفہ نواب شہاب الدین احمد خاں صاحب (۱۰) مدرسوں کے تعلیم یافتہ لوگوں کو سرکاری نوکریاں ملنے میں اوروں پر ترجیح ہونی چاہیے مصنفہ مولوی الفت حسین صاحب (۱۱) حروف ناگری و فارسی مصنفہ راجا دیبی سنگھ صاحب (۱۲) اطفال لاوارث مصنفہ لالہ لچھمن نرائن صاحب (۱۳) زبان اردو مصنفہ نواب علاؤ الدین احمد خاں صاحب رئیس لوہارو (۱۴) انگریزوں اور ہندوستانیوں کی راہ و رسم مصنفہ ماسٹر

---

[1] رسالہ دہلی سوسائٹی جنوری ۱۸۶۵ء تا جون ۱۸۶۶ء

پیارے لال صاحب سکریٹری (۱۵) تعلیم نسواں مصنفہ پروفیسر ماسٹر رامچندر صاحب (۱۶) رشوت ستانی مصنفہ مولوی الطاف حسین صاحب (۱۷) شادی دختران مصنفہ پنڈت بشیشر ناتھ صاحب (۱۸) تاجر جہاں کا مربی ہوتا ہے مصنفہ گولڈ سٹریم صاحب (۱۹) زراعت مصنفہ لالہ لچھمن نرائن صاحب (۲۰) علم طب علم حکمت مصنفہ رائے جیون لال صاحب (۲۱) رسوم ہند مصنفہ پنڈت ہرش چندر صاحب (۲۲) شادی دختران صغر سن مصنفہ مرزا غیاث الدین صاحب (۲۳) محاصل ہندوستان مصنفہ پنڈت بشیشر ناتھ صاحب (۲۴) تعلیم نسواں مصنفہ ماسٹر پیارے لال صاحب سکریٹری (۲۵) زبان سنسکرت مصنفہ پنڈت ہرش چندر صاحب (۲۶) حال ہندوستان اور شہر دہلی کا مصنفہ رائے جیون لال صاحب (۲۷) علم زبان مصنفہ پادری ونٹر صاحب (۲۸) سلوک رعیت و حاکم مصنفہ پنڈت بشیشر ناتھ صاحب (۲۹) وید مصنفہ ماسٹر لچھمن داس صاحب (۳۰) جنتری مصنفہ منشی ذکاء اللہ صاحب (۳۱) اردو و قصص اردو مصنفہ منشی حکم چند صاحب (۳۲) انکم ٹیکس مصنفہ حکیم غلام رضا خاں صاحب (۳۳) ستر سال گذشتہ میں دہلی والوں میں کیا تبدل ہوگیا مصنفہ رائے جیون لال صاحب (۳۴) فوائد انجمن مصنفہ لالہ لچھمن نرائن صاحب (۳۵) استعداد قابلیت اہل ہند مصنفہ مولوی الطاف حسین صاحب (۳۶) صنعت مصنفہ پنڈت جانکی داس صاحب (۳۷) ہندوستان میں روشنی کیونکر پھیلانی چاہیئے مصنفہ منشی ذکاء اللہ صاحب (۳۸) قصہ و داستان مصنفہ رائے حکم چند صاحب (۳۹) ہندوستانی اخبار اور گورنمنٹ مصنفہ منشی ذکاء اللہ صاحب (۴۰) بہبودی اہل ہند مصنفہ عبد الکریم صاحب (۴۱) ستاروں کے باب میں مصنفہ ماسٹر لچھمن داس صاحب (۴۲) تکالیف ذیل مصنفہ لالہ رام کشن داس صاحب (۴۳) ہندوستانی اپنے ملک کو

کیونکر فائدہ پہنچا سکتے ہیں مصنفہ عبد الکریم صاحب (۴) رعایا کی رائے حکام پر ظاہر نہیں ہوتی مصنفہ لالہ شیو پرشاد صاحب (۵) ضلع دہلی کے میلوں کا بیان مصنفہ پنڈت بشیشر ناتھ صاحب (۶) ہمدردی مصنفہ مولوی الطاف حسین صاحب وغیرہ۔

دہلی سوسائٹی کی پالیسی معتدل تھی بلکہ زیادہ رجحان سرکار کی طرف تھا. لیکن بعض بعض موقعوں پر حکومت پر نکتہ چینی کرنے سے باز نہیں آتی تھی چنانچہ ماسٹر شیو پرشاد صاحب نے اپنے ایک مضمون بعنوان "رعایا کی رائے حکام پر ظاہر نہیں ہوتی" میں قدیم زمانے کے بادشاہوں اور راجاؤں کے حکمرانی کرنے کے طریقوں اور انگریز کے اطوار کا مقابلہ کیا ہے اور بڑی صاف گوئی سے کام لیا ہے یہ مضمون سوسائٹی کے رسالہ جولائی ۱۸۷۳ء میں چھپا ہے متعلقہ اقتباس ملاحظہ ہو۔

"آجکل کے تعلیم یافتہ دنیا قدیم کے زمانے کے خود مختار راجہ اور بادشاہوں کو ظالم اور وحشی سمجھتی ہے نہ صرف دل میں سمجھتی ہے بلکہ پکار پکار کر اعلانیہ کہتی ہے یہ نہیں سمجھتی کہ ہر وقت کے واسطے اور ہر موقع اور ہر حالت کیواسطے علیحدہ علیحدہ خاص خاص ضرورتیں ہوتی ہیں اور ان کے دفع کرنے کے خاص خاص سامان ہوتے ہیں۔۔۔ اگر غور و انصاف سے دیکھیں تو صاف معلوم ہوسکتا ہے کہ جیسی اچھی رائے خلق اللہ کے دکھ درد اور تاریک زمانے کے بادشاہوں اور راجاؤں کو بے کم وکاست معلوم ہوسکتے تھے آجکل کی شائستہ تعلیم یافتہ زمانے میں اس کا دسواں سواں ہزاروں حصہ بھی نہیں معلوم ہوسکتا راجہ کو جب رعیت کے کسی دکھ درد کی نسبت عام رائے دریافت کرنی ہوتی تھی تو راجہ یا بادشاہ خود بلا کسی اپنے منتری اور مشیر کے

موقع وقت دیکھ کر بھیس بدل کر مثلاً غریب گنواروں کے اندھیرے پاؤں تک کنبل اوڑھ گاؤں میں نکل جاتا جو کچھ لوگ اپنی دکانوں اور گھروں میں بے روک ٹوک باتیں کرتے ہوتے سب کو سنتا جو عورتیں کوئیں پر پانی بھرتی ہوتیں ان کے ذکر اذکار سن سنا کر واپس چلا جاتا۔ اپنے نوکروں میں جس کا ظلم اور تعدی دیکھتا اس کو ویسی ہی سزا دیتا۔ چین کے قدیم زمانے کے ایک بادشاہ کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ شکار کو جاتا تھا امیر امرا جو ہمرکاب تھے سب پیچھے رہ گئے بادشاہ تنہا چلا جاتا تھا راستہ میں کوئی بڈھا بیٹھا زار و قطار روتا دیکھا اس نے پوچھا بڈھے کیوں روتا ہے بولا میری زمین شاہی محل کے فلاں گورنر نے چھین لی اور میرے بیٹے کو پکڑ کر اپنا غلام بنالیا۔ اب بڑھاپے میں میری خبر لینے والا کوئی نہیں رہا۔ بادشاہ کو اس پر رحم آیا اور اس سے کہا تو ہمارے ساتھ چل دیکھیں جو کچھ ہم سے ہوسکے گا کریں گے بڈھا بولا یوں تو میں تمہاری ہمدردی کا شکرگزار ہوں مگر وہ شاہی گورنر ہے تمہارا کیا قابو چلے گا بڈھے کو معلوم نہیں تھا کہ یہ بادشاہ ہے بادشاہ نے اسے اپنے پیچھے سوار کر اسی محل پر پہنچا گورنر کو طلب کیا۔ جب گورنر آیا بادشاہ نے اپنی شکاری پوشاک اتاری اور اس کے کوٹ پر تمغہ شاہی کھولی دیا فوراً وہ مجسٹریٹ دوزانو ہوا اور بادشاہ کو سجدہ کیا اتنے میں بادشاہ کے دیگر امرار آن پہنچے ان سب کے سامنے بادشاہ نے تحقیقات کی اس بڈھے کی جائداد اس کے حوالے کی اس کے بیٹے کو آزاد کیا اور اس نیت سے اوروں کو عبرت ہو اس مجسٹریٹ دگورنر کا سر اڑا دیا آجکل شائستہ اور مہذب زمانے کے برتاؤ کو ذرا غور سے ملاحظہ کرو اور جس قدر جستجو کے ساتھ اس کی چھان بین کروگے اسی قدر پیاز کے مانند نرے چھلکے ہی چھلکے دیکھوگے۔ مغز ذرا نہ پاؤگے جب نہری لفافہ اتار کر الگ کردوگے اس روشن زمانے کے عدل اور

انصاف کی اصل حقیقت اور عام رائے کی واجبی قیمت آپ ہی معلوم ہو جائے گی.... حکام انگریزی کا میل جول ہندوستانیوں سے نہایت محدود ہے اور ادنیٰ درجے کے لوگوں کی حکام انگریزی کے نزدیک کتوں سے بدتر ہے پھر ان بچاروں کی رسائی کہاں سے حکام تک ہو.... گورنمنٹ کا فرض ہے کہ وہ رعیت کی حال کی جہاں تک ممکن ہو سکے پرداخت کرے اور اپنے عہد کے چہرے سے غفلت کی بدنامی کے داغ کو دھو ڈالے ورنہ کوئی زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ خود ہندوستانی اپنے ملک کی تاریخ میں صاف صاف کہیں گے کہ درحقیقت ملک انگلستان کے عہد حکومت میں افسر بڑے لیتق ہوتے تھے لیکن رعیت کے حال سے مطلق ان کو آگاہی نہیں تھی اور نہ سرکار رعیت کے حال سے واقف ہونا چاہتی تھی"۔

مولانا الطاف حسین حالی نے اپنے ایک مضمون بعنوان "ہمدردی" میں ہندوستانیوں میں باہمی ہمدردی کرنے، بھائی چارگی کے ساتھ رہنے اور مصیبت و راحت میں ایک دوسرے کے ساتھ شریک ہونے کی تلقین کے ساتھ انگریزی قوم کی ترقی اور قدیم ہندو مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے کارناموں کا ذکر کیا ہے۔ یہ مضمون جنوری ۱۸۷۶ء تا جون ۱۸۷۶ء کے شمارے میں شائع ہوا ہے اس کے ضروری اقتباس نقل کیے جاتے ہیں۔

"..... یہ قدرتی خصلت جس کا نام ہمدردی ہے مشق اور تعلیم سے کبھی تمام قوم میں پھیل جاتی ہے اور اس کا اثر کسی قدر تیز ہو جاتا ہے۔ چنانچہ لائی کرگس اور سولن جو یونان کے دو بڑے مقنن گزرے ہیں انھوں نے سپارٹا اور ایتھنز والوں کی ترقی کیلئے جہاں اور بہت سی تجویزیں کی تھیں انھیں میں سے ایک تجویز یہ بھی تھی کہ لوگوں کو طرح طرح سے ہمدردی کی ترغیب دیا۔ چنانچہ اسی خیال سے لائی کرگس نے اول سپارٹا میں تمام اراضی برابر حصوں پر تقسیم کر دی تھی تاکہ رعایا میں

دولت و اخلاص کا فرق باقی نہ رہے اور ایسی صورت ہو جائے جیسے ایک ماں جائے بھائی اپنے مورث کے ترکہ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں پھر یہ قاعدہ جاری کیا کہ لوگ گھروں میں کھانا کھانا چھوڑ دیں بلکہ سب آپس میں مل جل کر کھانا کھایا کریں اور ہر شخص یہ خیال رکھے کہ ساتھیوں میں سے کوئی بھوکا تو نہیں رہا۔ سولن نے ایتھنز میں یہ قاعدہ جاری کیا تھا کہ جب کوئی شخص کسی کو تکلیف پہنچائے تو دیکھنے والا مغلوب کی مدد کرے اور غالب کو سزا دلوائے تاکہ لوگوں کو ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک ہونے کی عادت پڑے اور ساری رعیت ایک خاندان کے آدمی معلوم ہوں اس کے سوا یہ بھی حکم تھا کہ جو لوگ رفاہ ملک کے جلسوں میں شریک نہ ہوں اور اس بات کے منتظر ہیں کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے وہ جلاوطن کیے جائیں اور ان کی جائیدادیں ضبط کی جائیں۔ ان تجویزوں سے لوگوں کے دلوں میں ہمدردی کا جوش بہت زیادہ ہو گیا تھا۔ اور ہر شخص یہ جانتا تھا کہ ہم سب ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک ہیں...

جو لوگ بے پروائی سے اِدھر متوجہ نہیں ہوتے ان سے ہم یہ پوچھتے ہیں کہ ان کو اپنے ہم وطن بھائیوں کی پرواہ نہیں ہے تو کیا اس بات کی بھی پرواہ نہیں ہے کہ ان کی دولت کو ترقی ہو ان کی اولاد علم اور لیاقت حاصل کرے ان کے خاندان کی عزت و آبرو ہمیشہ بنی رہے اگر ان کو یہ تمام خواہشیں ہیں تو میں یہ سچ کہتا ہوں کہ بغیر قومی ترقی کے وہ ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک تمام قوم کسی نہ کسی قدر عزت کا استحقاق حاصل نہیں کرتی اس قوم کے چند آدمی اصلی عزت کے مستحق نہیں ہو سکتے ... قوم ایک درخت کی حیثیت رکھتی ہے جس کی ٹہنیاں اس کے مختلف خاندان ہیں اور اس کے پتے ہر ایک خاندان کے مرد و عورت ہیں جب تک درخت کی جڑ ہری ہے اس کی ٹہنیاں اور پتے بھی ہرے ہیں لیکن

جب جڑ کو پانی نہ پہنچیگا ٹہنیاں اور پتے سب سوکھ جائیں گے .... ہندوستانیوں سے عموماً دو قومیں مراد لیجاتی ہیں ایک ہندو دوسرے مسلمان، یہ دونوں قومیں اپنے اپنے وقت میں شائستگی کے اعلیٰ درجہ کو پہنچ چکی ہیں ہندوؤں کی شائستگی اس وقت میں مانی گئی ہے جبکہ تمام دنیا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ہومر شاعر نے اس زمانہ کے یونانیوں کا مفصل حال لکھا ہے جبکہ منو کا مجموعہ تالیف ہوا اس زمانے میں جو حال ہندوستان اور یونان کا تھا اس کے مقابلے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہندو اگرچہ ہمت اور دلاوری میں یونانیوں کے برابر نہ تھے مگر تمام تہذیب اور شائستگی اور قوانین کی عمدگی اور انتظام کی خوش اسلوبی اور علم و ہنر کی ترقی میں یونانیوں سے بہت بڑھ کر تھے مسلمانوں کی ترقی کے زمانہ کو کچھ بہت عرصہ نہیں گزرا۔ یورپ کے اکثر مورخوں نے جو مسلمانوں کی ترقی کا حال لکھا ہے وہ موجودہ حالت سے اس قدر زیادہ ہے کہ اس زمانے میں اس پر مشکل سے یقین آتا ہے اور ہم کو شرم آتی ہے کہ اس پستی و تنزل کی حالت میں اپنے بڑوں کی ترقیات کا تذکرہ بیان کریں لیکن اس قدر کہنا شاید بیجا نہ ہوگا کہ زمانہ متوسط میں صرف مسلمان ہی کی قوم ایسی تھی جو شائستگی اور روشن ضمیری اور اولوالعزمی میں دنیا کی تمام قوموں سے افضل تھی۔ فرانس کا ایک نامی مورخ لکھتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے عرب کی قوموں کو اسی لئے پیدا کیا تھا"

"وہ علوم فنون اور تہذیب و شائستگی کو ان مختلف قوموں تک پہنچا دیں جو فرات کے کنارے سے لیکر ہسپانیہ کے وادی کبیر تک پھیل رہی ہیں۔ ہندو مسلمانوں کا یہ حال جو میں نے عرض کیا اس سے کچھ اپنی بڑائی ظاہر کرنی مقصود نہیں ہے بلکہ اپنے ہم قوموں کو غیرت دلانی منظور ہے کہ جن لوگوں کی وہ اولاد کہلاتے ہیں وہ اپنے زمانے سے آگے تھے اور یہ سب سے پیچھے"۔

جس طرح سوسائٹی نے تعلیم نسواں اور بیوہ عورتوں کی شادی کے لئے انتھک کوشش کی اس سلسلے کے میٹنگوں میں کافی مضامین پڑھے اور کامیابی حاصل کی اسی طرح سوسائٹی کو انگریزی فارسی، عربی اور سنسکرت کی کتابوں کا ترجمہ اُردو زبان میں کرانے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ چنانچہ اس کام کے لئے سوسائٹی نے یہ اشتہار شائع کرایا۔

"جلسہ عام دہلی سوسائٹی منعقدہ ۵ فروری ۱۸۶۳ء میں سکریٹری نے ایک مضمون اس باب میں پڑھا کہ ملک کی زبانوں میں کتابوں کے تصنیف و تالیف و ترجمہ و طبع کے لئے سوسائٹی سے متعلق ایک خاص سرمایہ جمع ہونا چاہیے سکریٹری نے بیان کیا کہ ملک کی زبانوں میں ہر قسم کے علم و فن کی عمدہ کتابوں کا زیادہ ہونا ملک کی ترقی کے لئے نہایت ضروری ہے اور اگرچہ دہلی سوسائٹی اس امر میں سعی کیا چاہتی ہے لیکن روپیہ کی کمی مانع ہے پس مناسب ہے کہ خاص سرمایہ اس کام کے لئے جمع ہو اور ایک عام اشتہار سوسائٹی کی طرف سے اس مضمون کا جاری کیا جاوے جو صاحب چاہیں اس کام کے لئے روپیہ دیں اس جلسہ نے اس تجویز کو پسند کیا کئی صاحبوں نے ایک ایک کتاب تصنیف کرنے کا بھی ارادہ ظاہر کیا اور ماسٹر پیارے لال صاحب اول مترجم سررشتہ تعلیم پنجاب نے ایک کتاب تاریخ ہند کی انگریزی سے ترجمہ کرنے کا وعدہ فرمایا اور پیشتر جلسہ کے برخاست ہونے کے حاضرین جلسہ نے اپنی خوشی سے روپیہ دینے کا وعدہ فرمایا۔"

اس اشتہار کا نتیجہ یہ نکلا کہ کافی روپیہ جمع ہو گیا اور ماسٹر لچھمن داس اسسٹنٹ سکریٹری سوسائٹی نے رگھو ید کا انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ جب یہ کتاب چھپ گئی تو مارچ ۱۸۶۷ء کے سوسائٹی کے شمارے میں یہ اشتہار شائع ہوا۔

"دہلی سوسائٹی کے ارشاد سے ماسٹر لچھمن داس صاحب اسسٹنٹ سکریٹری سوسائٹی نے رگھو ید

کو انگریزی سے اُردو میں ترجمہ کیا ہے اور یہ کتاب چھپکر تیار ہو گئی ہے۔ بنڈت بسنت ناتھ صاحب گوسوامی نے اصل سنسکرت سے اور پادری ونٹر صاحب نے انگریزی سے اس کا مقابلہ کیا ہے اور اس کی صحت کی نسبت شہادت دی ہے قیمت کتاب ہذا فی جلد ڈیڑھ روپیہ قرار پائی ہے"۔

اسی طرح ماسٹر لچھمن داس صاحب نے ہی روبرٹسن کی تاریخ امریکہ کے بہت سے حصہ کا ترجمہ کیا جس کو سوسائٹی نے ہی طبع کرایا۔

سوسائٹی نے ایک کتب خانہ قائم کیا جس کی کتابوں کی خریداری کے لئے منشی ذکاء اللہ اور رائے جیون لال کو مقرر کیا گیا تھا

دہلی سوسائٹی کے بارے میں مزید معلومات میری کتاب "حیات آشوب" میں پڑھیے۔ جن امور کا میں نے سوسائٹی کے بارے میں اس کتاب میں ذکر کیا ہے اس کا اس مضمون میں ذکر نہیں ہے۔

رسالہ انجمن فیض عام

گوجرانوالہ سے یہ ماہانہ رسالہ یکم جون ۱۸۶۶ء کو شائع ہوا۔ آٹھ صفحات پر مشتمل تھا سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا منشی دیوان چند صاحب مہتمم تھے۔ گیان چند پریس میں چھپتا تھا۔

گارساں دتاسی نے اپنے مقالوں میں اس کا ذکر کیا ہے جس میں اجراء کا سنہ مختلف ہے اور مہتمم صاحب کی تبدیلی کی بھی اطلاع ہے۔

(۱) "یہ رسالہ گوجرانوالہ کی ادبی انجمن نے نکالا اس کا پہلا نمبر یکم جنوری ۱۸۷۰ء کو شائع کیا جس کے مدیر منشی دیوان چند ہیں جس کی ادارت میں چشمہ فیض نکلتا تھا۔" (مقالات اوّل صفحہ ۳)

(۲) "گوجرانوالا میں انجمن فیض عام کی داغ بیل رکھی گئی ہے اس کے مہتمم ڈاکٹر سچے سنگھ ہیں اور ارکان میں شہر کے روساء و علماء شامل ہیں۔ (مقالات دوم صفحہ ۹۰)

گنجینۂ علوم

مراد آباد سے اکتوبر ۱۸۶۹ء کو یہ ماہنامہ رسالہ جاری ہوا۔ جو برٹش انڈین ایسوسی ایشن مراد آباد کا آرگن تھا۔ کبھی ۲۰ صفحات پر کبھی ۱۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ بابو گنگا پرشاد سکریٹری اس کو ترتیب دیتے تھے سالانہ چندہ چھ روپے اور فی پرچہ ۸ آنہ قیمت تھی مطبع ایسوسی ایشن مراد آباد میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ کی اجراء کی تاریخ اختر شہنشاہی میں ۱۲ دسمبر ۱۸۶۹ء لکھی ہے لیکن اس رسالہ کے شماروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رسالہ اکتوبر ۱۸۶۹ء میں شائع ہوا۔ اس لئے کہ جنوری ۱۸۷۰ء کے شمارے میں جلد ۱۶ تحریر ہے جلد سے مراد ایک شمارہ ہے۔

اس رسالہ میں علمی تاریخی اور ادبی مضامین کے علاوہ انجمن کے اجلاسوں کی کارروائیاں چھپتی تھیں اس انجمن کا مقصد علم کو فروغ دینا تعلیم نسواں کو پھیلانا تھا۔ اس رسالہ کی مدد ڈائرکٹر پبلک انسٹرکشن ممالک مغربی و شمالی کرتے تھے۔ انہی کی مدد سے یہ رسالہ نکلتا تھا۔

یہ ایسوسی ایشن جولائی ۱۸۶۹ء میں قائم ہوئی تھی جس کے عہدیدار حسب ذیل تھے۔

مسٹر ٹی ہارکسن اسسٹنٹ کلکٹر پریذیڈنٹ، چوبے کیدار ناتھ نائب پریذیڈنٹ، منشی گنگا پرشاد سکریٹری، چوبے کاشی ناتھ نائب سکریٹری۔

اس ایسوسی ایشن کے ۱۸۶۹ء میں اکیسواکیس ممبران تھے۔ جن میں قابل ذکر نام یہ ہیں۔

مولوی احمد اللہ صاحب مصنف رائے سندر لال صاحب ساہو گوکل پرشاد، مولوی مقصود علی صدر امین رائے کیول کشن تحصیلدار، نواب محمد فدا علی خاں۔ شیخ تمیز علی رئیس امروہہ، میر افضل علی، ساہو مکٹ بہاری لال، مرزا عابد علی بیگ مصنف کاسگنج، حکیم اصغر علی خاں لالہ بسنت رائے رئیس رامپور

منشی محمد ضیاء الدین ڈپٹی کلکٹر بندوبست، نواب محمد امداد اللہ منشی محی الدین پیر منشی ایجنٹ گورنر راجستھان جے پور لالہ لچھمی نرائن رئیس بریلی چوبے کشن لال رئیس چندوسی بسے دین صاحب ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ محمد احمد علی خاں مولوی احمد حسن وکیل۔

اس ایسوسی ایشن کا پندرہ روز میں اجلاس ہوتا تھا جس میں مضامین پڑھے جاتے تھے اور ان پر بحث کی جاتی تھی چنانچہ "رشوت ستانی" پر ایک مضمون لالہ جے کشن داس صاحب کا لکھا ہوا ۲ جنوری ۱۸۷۰ء کے اجلاس میں پڑھا گیا جس پر ممبران نے حسب ذیل بحث کی اور اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ جو جنوری ۱۸۷۰ء کے شمارے میں چھپی ہے۔

"مولوی مقصود علی خاں صاحب نے بیان کیا کہ بہ نسبت سابق کے اب رشوت بہت کم ہے اور آئندہ کو اگر حکام اس کی طرف توجہ رہیں گے تو بالکل جاتی رہے گی۔ کیا معنی کہ حکام کا رشوت لینا تو کسی طرح سے مخفی نہیں رہ سکتا ہے رہا عملہ سو اس کو جب کسی کام میں دخل نہ دیا جائے گا تو رشوت بالکل جاتی رہے گی لیکن حکام کو چاہیے کہ جب کوئی ایسا معاملہ ان کے ذہن میں ہو دے تو اس کا جواب تعمیل کنندہ سے لینا چاہیے اور چونکہ حکام فیصلہ اور اظہار مقدمات کے اپنے ہاتھ سے لکھتے ہیں وہاں عملہ کو گنجائش رشوت کی نہیں ہوتی"

نواب فدا علی خاں صاحب نے بیان کیا کہ جس وقت کوئی شخص ملازم کیا جاوے تو اس سے ایک اقرار نامہ اس امر کا لیا جاوے کہ بشرط ثبوت کسی قسم کی رشوت کی سزائے متعینہ از روئے مذہب دیا جاوے گی اور جس وقت وہ ثابت ہو دے تو فوراً اس کو بجرم رشوت ستانی سزا دئے

میعادی سات برس بعبور دریائے شور از روئے مذہب کی جاوے اور جائیداد وغیرہ ضبط کی جاوے"۔

شاہو گوکل پرشاد صاحب نے بیان کیا کہ زیادہ تر رشوت ستانی بسبب آئین وضوابط سرکاری کے واقع ہوتی ہے چنانچہ جب کوئی امر دربارہ اراضی پٹواری سے دریافت کیا جاتا ہے تو ضرور ہوتا ہے کہ آسامی کو اُسے کچھ دینا چاہیے اور حکام جو کیفیت سر رشتہ یا دفتر سے طلب کرتے ہیں تو اہل عملہ اس کی تعمیل میں دیر کرتے ہیں یا کوئی امر واقعی لکھنے سے فرو گذاشت کر دیتے ہیں لہذا بڑی خرابی عاید ہوتی ہے اگر سرکار اس کا انسداد فرمائے تو بہتر ہے"۔

مسٹر ولیم جان ریوٹ کارنک صاحب جج بہادر نے فرمایا کہ ان صاحبوں کے بیان سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ حکام کی عدم نگرانی سے گنجائش رشوت ستانی ہوتی ہے۔ یہ بات ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر حکام ان کے کارہائے مرجوعہ سے فرصت دیا جاوے تو وہ بخوبی نگرانی کر سکیں گے اور فرصت ملنے کی یہ صورت ہے کہ ہندوستانی روساء آنریری مجسٹریٹ اور آنریری ڈپٹی کلکٹر اور آنریری جج مقرر کیے جاویں اور ان کو اختیار کرنے جملہ مقدمات خفیفہ کا دیا جاوے بلکہ فوجداری میں چھ مہینے تک کی سزا کا اختیار دیا جاوے اس صورت میں انصاف بھی اچھا ہو گا۔ کیا معنی اور لوگ اپنے علاقہ سے بخوبی واقفیت رکھتے ہیں اور حکام تک خبر بھی واقعی نہیں پہنچتی بلکہ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ حکام اور رعایا کے بیچ میں ایک دیوار حائل ہے"۔

مضامین پر بحث کرنے کے علاوہ اس ایسوسی ایشن کے ممبران کے پاس سوالات لکھ کر بھیجے جاتے تھے تاکہ آئندہ کی میٹنگ میں ان پر تبادلہ خیال ہو، اور ایسوسی ایشن نے ایک کتب خانہ کے قیام کی تجویز بھی رکھی تھی جس میں اس کو کامیابی حاصل ہوئی۔

اس ایسوسی ایشن کا مقصد اُردو زبان میں انگریزی کتابوں کا ترجمہ کرانا بھی تھا اور تصنیف تالیف کی ذمہ داری بھی ممبران پر ڈالی گئی تھی چنانچہ چوبے بدری داس صاحب نے ایک کتاب تاریخ ہندوستان جس میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے حالات تھے مرتب کی تھی۔ اس ایسوسی ایشن نے ایک میوزیم کی بھی بنیاد رکھی تھی جس کو عجائب خانہ کہنا چاہیئے اس وہ اشیاء جو عجائبات میں تھے جمع کیے جاتے تھے۔

اس زمانے میں لوگوں کو اخبارات پڑھنے کا شوق نہیں تھا۔ اس پر پیسہ خرچ کرنا نہیں چاہتے تھے چنانچہ اس ایسوسی ایشن کے دفتر میں جو اخبار آتے تھے وہ ایک ہفتہ کے بعد ممبران کے گھروں پر بھیج دیئے جاتے تھے چونکہ کافی دنوں کے بعد اخبارات پہنچتے تھے اس بات پر ممبران معترض ہوئے۔ اس اعتراض پر یہ فیصلہ ہوا کہ اخبارات دن میں ایسوسی ایشن کے دفتر میں رہیں اور رات کو چپراسی ممبران کے گھر پہنچا دے۔

اس مسئلہ پر ایسوسی ایشن کے ۱۳ مارچ ۱۸۷۰ء کے اجلاس میں جو بحث ہوئی وہ دلچسپ ہے جو مارچ ۱۸۷۰ء کے پرچے میں شائع ہوئی۔ یہ ملاحظہ ہو۔

"بابو بالا دین صاحب نے کہا کہ بالفعل اخبارات انگریزی نہایت اچھی طرح سے تقسیم ہوتے ہیں اس کی تبدیلی کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ سکریٹری صاحب نے بیان کیا کہ اس کے انتظام کی بابت کوئی تدبیر مناسب کیجاوے تو رفع شکایت ہو ہماری دانست میں جیسی کہ سال گذشتہ میں ایک ہفتہ تک اخبارات انجمن میں رہ کر ممبران کے پاس جاتا تھا اب بھی ویسے ہی جاوے تو بہتر ہے یا اور کوئی طریقہ جو ممکن اور پسند ممبران ہو جاری ہو۔

پریذیڈنٹ صاحب نے فرمایا کہ وقت معینہ پر اگر ممبران یہاں آکر معائنہ کریں تو بہتر ہوگا جس کی نسبت بالاتفاق بیان کیا کہ اگر مردمان! صاحب علم

فرصتی کے انجمن میں روزمرہ آنے سے مجبور ہوں گے اور اگر اخبار نہ پہونچیں گے تو غالباً مستعفی ہو جائیں گے۔

آخر پریذیڈنٹ صاحب نے یہ رائے قرار دی کہ دن کو اخبار انجمن میں رہا کرے اور رات کو ممبران کے پاس جایا کرے اور چپراسی کو تاکید ہو کہ اس کی تقسیم پر بدل توجہ کرے اگر غفلت واقع ہو تو سزا دیجاوے"۔

یہ دور ایسا تھا کہ لوگوں کے دلوں پر انگریزوں کا خوف چھایا ہوا تھا صحیح اور سچی بات مشکل سے نکلتی تھی۔ لیکن کہنے والے کہے بغیر چوکتے بھی نہیں تھے ریلوے اسٹیشنوں پر حکمراں طبقہ ہندوستانیوں کو پیٹتا تھا اور طرح طرح سے ان کی ذلت اور توہین کرتا تھا۔ جب انگریز اسٹیشن ماسٹر سے ان کی شکایت کیجاتی تو وہ انگریزوں کی حمایت لیتا اور مظلوم و مجروح ہندوستانیوں کے خلاف قدم اٹھاتا تھا۔ اس قسم کی حرکتوں پر روشنی ڈالنے کے لیے لالہ شیام سندر صاحب نے ایک مضمون انجمن کے یکم اپریل ۱۸۷۰ء کے اجلاس میں پڑھا تھا۔ جو اپریل ۱۸۷۰ء کے شمارے میں شائع ہوا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

یں مقام لاہور سے اول کلاس میں امرتسر سے سوار ہو کر اس گاڑی میں بجز میرے اور ایک رئیس ہندوستانی کے اور کوئی دوسرا نہ تھا شام ہو گئی ایک بو کی پر اسٹیشن ماسٹر سے واسطے روشن کرنے لالٹین کے کہا تو اس نے جواب دیا کہ اس میں کوئی صاحب لوگ سوار نہیں ہے پس یہ کیا سبب ہے باوجود محصول گاڑی کا ہم لوگ واسطے آسائش و آرام کے صاحبان انگریز کے برابر دیتے ہیں اور پھر تکلیف اٹھاویں ہم لوگ اسی شب تاریک میں تمام رات جاگ کر صبح کریں علاوہ ازیں امرتسر کے اسٹیشن پر وہ کیفیت دیکھی کہ کچھ گورے یورپ کی ذیل سے پچھاں کو آکے تھے اسٹیشن پر آگئے ایک

شخص میوہ فروخت کرتا تھا تمام میوے اس کے لوٹ لیے اور اسقدر مارا کہ اس کی ناک اور منھ سے خون جاری ہوگیا۔ پولیس ہندوستانی جو محافظت کرتا تھا اس نے میوہ فروش کو بچایا تو تین چار گورے اس کو لپٹ گئے اور خوب مارا۔ اس کیفیت کو دیکھ کر میں خود اسٹیشن ماسٹر کے پاس گیا اور اطلاع کی کہ یہ ظلم ہو رہا ہے اور گورے لوگ رعایا کو بہت تنگ کرتے ہیں۔ اسٹیشن ماسٹر وہاں خود آیا اور گوروں سے کچھ نہ کہا بخلاف اس کے اپنے غلام کو حکم دیا کہ تمام میوہ فروشوں کو اسٹیشن سے نکال دو اور آئندہ کو یہاں آنے نہ پاویں۔ اسٹیشن کے باہر رہیں۔

ایک امر عجیب یہ دیکھا کہ تیسرے درجہ کی گاڑی میں ایک اہل یورپ کے واسطے گاڑی علیحدہ ہوتی تھی بوجہ کثرت صاحب لوگوں کی اتنی گاڑی میں گنجائش نہ ہوئی اور کثرت ہندوستانیوں کی اس قدر تھی کہ بیٹھنے کو جگہ نہ ملی کہ اکثر آدمی کھڑے رہے دو صاحب لوگ تیسرے کلاس کے بیٹھنے والے آئے اور انھوں نے ایک گاڑی جو خاص واسطے ہندوستانیوں کے مقرر تھی خالی کرائی لیکن چونکہ ہندوستانی بہت تھے انھوں نے خالی کرنے سے انکار کیا اور کہا تم بھی آ بیٹھو ہم خالی نہ کریں گے ان دونوں صاحبوں نے اسٹیشن ماسٹر کو جا کر اطلاع دی اسٹیشن ماسٹر آیا اور اس نے بالکل گاڑی خالی کرا دی دونوں صاحب لوگ بہ آرام تمام سوتے ہوئے چلے آئے اور وہ بیچارے مسافر کہ جو اس گاڑی سے نکالے گئے تھے ان کو کہیں جگہ نہ ملی شاید دوسری ریل میں گئے ہوں ایک زیادتی یہ دیکھی کہ میں معہ اپنے خدمتگار کے دوسرے درجہ کی گاڑی میں سوار تھا۔ ایک اسٹیشن سے ایک صاحب ایک گاڑی میں سوار ہوئے اور شراب پینا شروع کی یہانتک شراب پی کہ بظاہر

بیخود ہو گئے معلوم ہوا کہ یہ بیخودی نہ تھی بلکہ عین ہوشیاری تھی کہ آپ کو بیخود بنا دیں، اور رئیسوں کو گالیاں دیں اسی حالت بیخودی میں اپنی تلوار نکال کر ان رئیس کی چھاتی پر جو میرے پاس بیٹھے ہوئے تھے رکھدی اور کہنے لگے کہ یہ میرا چور ہے اس نے میرے کرتے چرائے ہیں وہ بیچارا گھبرایا اور جان گیا کہ اب جان پر نوبت آئی اور میں بھی یہ سمجھا کہ شاید تلوار کی ضرب نہ کریں اسواسطے ایک پستول میرے پاس تھا صرف اس کے دھمکانے کو اٹھایا کہ وہ فوراً علیحدہ ہو گئے جس وقت اسٹیشن پر آئے میں اسٹیشن ماسٹر کے پاس گیا اور تمام حرکات کی اطلاع کی بخلاف تدارک کے شراب ان کی لے لی اور کچھ نہ کہا"

اس رسالہ میں حلوائی مضامین چھپتے تھے۔ جن کے عنوانات یہ تھے۔

بیان قوس قزح کا۔ پوست کا بیان، افیون تیار کرنے کا بیان، افیون کے استعمال کرنے کا بیان۔ بیان اُن خوشبوئیات کا جو استعمال میں رہتی ہیں"۔ کیلیلیو صاحب کا احوال۔ (جنوری ۱۸۶۰ء)

بیان برق اور صاعقہ اور رعد کا۔ بیان شہاب ثاقب کا۔ بیان سنگ آسمانی، بیان شمسیہ عکسیہ کا، بیان رنگین ہواؤں کا۔ بیان حمرۃ علو جیسے سرخی اطراف کا۔ بیان سرخی شمالی کا جس کو حمرۃ قطبیہ کہتے ہیں۔ بیان نار سیار کا جس کو آتش غول اور حلقہ پیریاں اور شہاب حوالہ بھی کہتے ہیں۔ بیان ہوائی مشتعل کا جس کو عربی میں مارج اور انگریزی میں گاس کہتے ہیں۔ بیان علق اور شفق کا۔ بیان زیادہ فاقہ کشی کا (فروری ۱۸۶۰ء)

ولیم ولیس صاحب کے احوال۔ ولایت میں سب سے بڑا کنواں بنایا گیا اس کا بیان، باغ لگانے کا آسان طریقہ، ولبر فورس صاحب کا۔ احوال ذکر روم قیصر پر (مارچ ۱۸۶۰ء)

یہ تمام مضامین انگریزی مضامین کے ترجمے ہوتے تھے جو ایسوسی ایشن کے ممبران کرتے تھے۔

رسالہ واخبار مرقع تہذیب

انجمن تہذیب لکھنؤ ۹ فروری ۱۸۶۸ء کو قائم ہوئی جس کی کارروائیاں اور مضامین چھاپنے کے لیے پہلے ایک ماہانہ رسالہ جاری ہوا اور اس کے بعد یکم اکتوبر ۱۸۷۳ء کو ایک ہفتہ وار اخبار جاری ہوا گرچہ اس ماہانہ رسالہ کے پرچے ہماری نظر سے نہیں گزرے۔ لیکن اخبار مرقع تہذیب کے پہلے شمارے میں جو اشتہار شائع ہوا ہے اس سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ اس اخبار سے قبل ایک ماہانہ رسالہ بھی نکالا گیا تھا۔ اشتہار کا مضمون یہ ہے۔

" ازانجا کہ جلسہ تہذیب لکھنؤ کی ہر ایک کمیٹی کی کارروائی ماہواری رسالہ مندرج ہوکر دوسرے مہینے کی پندرھویں کو شائع ہوتی تھی اور رسالہ کی ضخامت اور نام کی حیثیت سے اکثر کم لوگوں کو اس کے پڑھنے کے جانب توجہ کم رہی اور حکام کو بھی انتخاب گورنمنٹ رپورٹر کے ذریعے سے اس کی مفید رایوں سے خبر نہ ملتی تھی۔ لہذا اب تجویز ہوا کہ ایک اخبار بنام مرقع تہذیب لکھنؤ ہر مہینہ کی یکم اور پانزدھم کو شائع ہوا کرے۔"

اس انجمن کی ابتدائی حالات اور رسالہ میں کس قسم کے مضامین شائع ہوتے تھے اس کے بارے میں گارساں دتاسی کے مقالوں سے اچھی خاصی معلومات حاصل ہوتی ہے۔ اس نے اپنے دو مقالوں میں اس انجمن اور ماہانہ رسالہ کا ذکر کیا ہے۔ وہ نقل کیا جاتا ہے۔

دتاسی مقالہ ۱۸۶۸ء میں لکھتا ہے۔

" جلسہ تہذیب لکھنؤ کے رسائل بہ دستور شائع ہو رہے ہیں اس انجمن

کے معتمد پنڈت شیو نرائن ہیں گذشتہ مئی کے مہینے کے رسالے میں میر اولاد علی پروفیسر ڈبلن یونیورسٹی کا مضمون ہے جس میں انگلستان کی رسوم پر تبصرہ کیا گیا ہے پروفیسر موصوف آجکل رخصت پر ہندوستان گئے ہوئے ہیں یہ فاضل شخص پہلے بھوپال میں مقیم رہا جہاں اس کا بھائی ڈاکٹر ہے موصوف نے بعد میں شاہ آباد ضلع ہردوئی میں جو ان کا وطن ہے ایک لکچر دیا جس کا موضوع علم المعاش تھا۔ اس علم کے علاوہ سائنس کی تعلیم کے فوائد بھی موصوف نے بیان کئے ہیں۔ (۹۴)"

۱۸۷۱ء کے مقالے میں تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

"لکھنؤ سے رسالہ جلسہ تہذیب نومبر ۱۸۷۰ء کی اشاعت میں ۲۲ صفحوں کا ایک مضمون شائع ہوا ہے جس میں انگریزی حکومت کے ان مساعی کا ذکر ہے جو اس نے ہندوستان میں علوم و فنون اور صنائع کی ترقی کے لئے کی ہیں یہ مضمون ایک مسلمان کے قلم کا لکھا ہوا ہے۔ جن کا نام مولوی محی الدین خاں صاحب بہادر رئیس کاکوری ہے۔ موصوف علم دوست شخص ہونے کے علاوہ اعلیٰ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایک زمانہ میں موصوف سرکار اودھ کی طرف سے انگلستان کے شاہی دربار میں مامور تھے میری ان سے اسی مدت ملاقات ہوئی تھی جب وہ نواب اودھ کی والدہ کے ساتھ پیرس تشریف لائے تھے۔ نواب اودھ کی والدہ کا یہیں انتقال ہو گیا تھا"۔ (۹۵)

"لکھنؤ کی انجمن تہذیب بدستور اچھی حالت میں ہے اس میں بعض نہایت قابل قدر لوگ شریک ہیں۔ اس کے ارکان میں نواب شجاع الدولہ کے ایک پوتے بھی ہیں جن کا نام مرزا امام علی خاں ہے اس انجمن کے معتمد بابو شیو نرائن نے سالانہ رپورٹ بابت ۱۸۷۰ء انجمن کے ماہوار رسالے میں شائع کی ہے اس رپورٹ میں ان تمام کارروائیوں کی مدیدار شامل ہے جو انجمن کے مقاصد کے حصول کے

لیے کی گئی ہیں۔ رپورٹ میں اس بات کی یاد دہانی کی گئی ہے کہ انجمن ۱۸۶۶ء میں ایک درجن ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعاون عمل سے وجود میں آئی۔ انجمن کے ان اصلی بانیوں کے نام بھی درج ہیں ان میں سے ہر ایک اپنے علم و فضل کے باعث شہرت رکھتا ہے پہلا جلسہ ۹ر فروری ۱۸۶۶ء کو منعقد ہوا۔ اس چار سال کے عرصے میں انجمن نے بہت ترقی کی ہے اور اب اس کی بنیادیں مضبوط ہوگئی ہیں۔ حکومت نے بھی اس کی مدد کی اور انفرادی طور پر اسی کے لیے چندے جمع کیے گئے ہیں جن کی بدولت اس کا کام چلتا رہا انجمن اپنے اصلاحی خیالات کی نشر و اشاعت کے لیے تین ذرائع اختیار کرتی ہے یہ معمولی اور غیر معمولی جلسے منعقد کرتی ہے۔ رسالے شائع کرتی ہے اور اپنے کتب خانے کے ذریعے لوگوں کی معلومات میں اضافہ کرتی ہے معتمد نے انجمن کے جلسوں کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ گزشتہ سال ۹ مضمون پر مقالے پڑھے گئے ایک مقالے کا عنوان "حقوق انسانی" تھا۔ یہ عنوان ہندوستانی سے زیادہ امریکی رنگ کا ہے اس پر بابو راجچندر نے مقالہ پڑھا۔ ایک دوسرا مقالہ بابو ششی سنگھ نے "ہندوستان کی گزشتہ اور موجودہ حالت" پر پڑھا۔ مجھے یہ عنوان نسبتاً زیادہ پسند ہے ایک اور مقالہ مولوی امام اشرف نے "مسلمانوں میں سائنس کی ترقی" پر پڑھا تھا۔ میں یہاں ان دوسرے مقالوں کا ذکر غیر ضروری سمجھتا ہوں جو ہم لوگوں کے لیے باعث دلچسپی نہیں ہیں انجمن تہذیب لکھنؤ کے ۱۵ر دسمبر ۱۸۶۹ء کے جلسے میں مولوی مسیح الدین خاں نے انگلستان کی سیاسی قوت پر ایک مضمون پڑھا۔ موصوف ایک زمانے میں انگلستان میں نواب اودھ کے سفیر تھے۔ یہ مضمون نہایت مفید اور دلچسپ تھا اور حاضرین نے بہت پسند کیا۔ انجمن کے جلسوں میں جو تجاویز منظور ہوئی ہیں۔ اور جن امور پر بحث

ہوئی ہے ان کے متعلق معتمد انجمن نے حکومت کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ زیادہ تر یہ امور اصلاح سے تعلق رکھتے ہیں جن کی تفصیل معتمد کی رپورٹ میں موجود ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ حکومت ان تمام امور پر ہمدردانہ غور کرے گی۔ ان میں سے چند یہ ہیں تعلیم عامہ کی سہولتیں لکھنؤ میں ایک پبلک کتب خانہ کا قیام گاؤں میں اکثر اساتذہ کا تقرر وغیرہ۔ اس کے بعد معتمد نے اپنی رپورٹ میں ان اخبارات کی فہرست درج کی ہے جو انجمن میں آتے ہیں۔ ان میں ۴۳ ہندوستانی ہیں بعض روزنامہ بعض ہفتہ وار اور بعض ماہوار ہیں۔ دس انگریزی کے اخبار آتے ہیں.... ان کے علاوہ انجمن میں پنجاب بریلی میرٹھ اور سیتاپور کی علمی اور ادبی انجمنوں کی مطبوعات آتی ہیں انجمن کو توقع ہے کہ عنقریب ان سب انجمنوں کی مطبوعات جو ہندستان کے مختلف شہروں میں حال میں قائم ہوئی ہیں اس کے اندر آنے لگیں گی۔ جو اخبار اور رسالے انجمن میں آتے ہیں وہ پہلے انجمن کے دفتر میں کچھ روز رکھے جاتے ہیں پھر اس کے بعد مختلف ارکان کو بھیجدیے جاتے ہیں ہر اخبار کو کم ازکم بارہ اشخاص ضرور پڑھتے ہیں رپورٹ لکھنے کے وقت کتب خانہ میں کئی ہزار کتابیں موجود تھیں جن میں تقریباً سو خریدی ہوئی تھیں اور باقی انجمن کو تحفتاً دی گئی تھیں توقع کی جاتی ہے کہ عنقریب کتب خانہ کی کتابوں میں اضافہ ہوگا..... انجمن نہایت احتیاط اور دانشمندی سے اپنا کام کر رہی ہے اگر انجمن کسی معاملہ میں انتہا پسندی کی کریگی تو یہ اس کی بڑی غلطی ہوگی ۔۔ پھر لوع ایک ایسی انجمن کا وجود جو بجائے خود جہاں تھوڑا سا چندہ دے کر پڑھے لکھے لوگ جو علم و ترقی کا ذوق رکھتے ہیں آپس میں ایک دوسرے سے مل سکتے ہیں جلسے منعقد کر سکتے ہیں اخبارات سے دنیا کا حال معلوم کر سکتے ہیں اور کتابوں کے مطالعے سے اپنے علم میں اضافہ کر سکتے ہیں یہ انجمن صرف اودھ کے صدر مقام کے لئے ہی باعث برکت نہیں ہے بلکہ سارے ہندستان

کے لئے عزت کا موجب ہے لکھنؤ کی انجمن تہذیب کی دیکھا دیکھی سیتا پور اور کانپور میں بھی اسی نوعیت کی انجمنیں قائم ہو گئی ہیں۔ (۱۲۰)

یہ رسالہ نومبر ۱۸۷۳ء تک غالباً جاری رہا ہوگا۔ اس کے بعد یکم اکتوبر ۱۸۷۳ء سے مرقع تہذیب ہفتہ وار نکلنے لگا۔

پہلے منشی چراغ علی سکریٹری جلسہ مہتمم کتب خانہ اس کے مہتمم تھے بعد میں منشی گوکل پرشاد رسا منصرم انجمن تہذیب مہتمم مقرر ہوئے۔ مطبع نولکشور لکھنؤ میں کبھی سولہ اور کبھی ۲۴ صفحات پر چھپتا تھا۔ ماہانہ چندہ ۸ سہ ماہی ڈیڑھ روپیہ ششماہی تین اور سالانہ چھ روپے تھا۔ اس اخبار کے اجراء کی تاریخ منشی گوکل پرشاد رسا نے فرمائی ؎

بہ ایمائے کمیٹی گشت شائع ۔۔۔ چہ اخبارے کہ مراٰت عیوب است

رسا چوں فکر سال عیسوی کرد ۔۔۔ مسیحا زد ندا، اخبار خوب است
۱۸۷۳

اس اخبار میں بھی انجمن کی میٹنگوں کی کارروائیاں اور جو مضامین پڑھے جاتے تھے درج ہوتے تھے۔ خبریں کم شائع ہوتی تھیں اور اصلاحی، تعلیمی، تاریخی مضامین شرافت و رذالت کی تعریف، نئی قسم کی بدمعاشی، ہندوستانیوں کے علاوہ خیالات مستورات کی پردہ دری، امورات مانع ترقی ہند مصنفہ شرف الدین قومی تعلیم مصنفہ مولوی چراغ علی الفرق بین طریق تعلیم المدرسہ الکتب مصنفہ پنڈت درگا پرشاد کول ہندوستان کی حالت پر نظر مصنفہ گنج بہاری لال کیا تہذیب اسی کو کہتے ہیں، نیند کا بیان، خواب دیکھنے کا بیان، کثرت جماع و مدلہ مدرسۃ العلوم المسلمین۔ مقیاس النفس، تمباکو کی عالمگیر سلطنت کی تجدید، مفید صحت دواؤں غذاؤں کے بہم پہنچانے کے اصول وغیرہ درج ہوتے تھے۔

اس انجمن کے قابل ذکر حسب ذیل ممبران تھے

داروغہ میر واجد علی شاہ، منشی نولکشور، منشی ہزاری لال اکسٹرا اسسٹنٹ رائے نرائن داس اکسٹرا اسسٹنٹ، پنڈت کشن جوالا پرشاد قائم مقام ڈپٹی انسپکٹر ضلع لکھنؤ، منشی چراغ علی، شیخ اصغر علی، بابو برج بھوکن لال پنڈت گوپی ناتھ، منشی محمد خاں صاحب تحصیلدار سلون ضلع بریلی، داروغہ عباس علی صاحب اسسٹنٹ انجینئر لکھنؤ، رائے درگا پرشاد، انسپکٹر مدارس، مولوی غلام حسین صاحب قدر، منشی فضل حسین، پنڈت ہر پرشاد تحصیلدار ملیح آباد، بابو شیو پرشاد سر دفتر پولیس، غلام محمد خاں صاحب تپش ایڈیٹر اودھ اخبار، مولوی ابوالحسن مولوی امان الحق سیکنڈ ماسٹر چوک اسکول مولوی سید محمد محسن علی وکیل، رائے کنور کشن کمار رئیس مراد آباد، مہاراج بلدی نارائن سوکل۔ نواب فرخ مرزا، لالہ لوچن لال وکیل، مولوی محمد حسین اعلیٰ مو ہانی، مرزا اثر، میر احمد شاہ، رائے نرائن داس جج خفیفہ، بابو شیو دیال رجسٹرار، منشی بلدیو سہائے نائب ناظر خفیفہ، مولوی محمد ریاست علی محرر سررشتہ تعلیم ڈپٹی انسپکٹری لکھنؤ، منشی متھرا پرشاد، منشی کالی پرشاد وکیل وغیرہ۔

گارساں دتاسی نے جن الفاظ میں اس انجمن کی خدمات کا ذکر کیا ہے۔ من و عن اسی انداز سے مرقع تہذیب مورخہ یکم دسمبر ۱۸۶۸ء نے اس انجمن کا مو کا اعتراف کیا ہے لکھتے ہیں:۔

"یہ جلسہ ۱۸۶۸ء سے لکھنؤ میں شروع ہے اور یہ اوّل جلسہ ہے جو تمام ملک اودھ میں علم کی اشاعت اور مفید معلومات کی خبر پہنچانے اور عامہ خلائق میں مذاق علمی پیدا کرنے اور اکثر علم دوست اہل حکمت بنانے اور اودھ میں علم و حکمت قائم رکھنے کے لئے جاری ہوا۔ چونکہ اس کی بنیاد عالی ہمت اور بلند خیال ممبران جلسہ کی تحریک و تجویز سے ہوئی تو شروع ہی سے جناب چیف کمشنر بہادر ملک اودھ نے بھی اس جلسہ کی سرپرستی اور اعانت

اپنے ذمہ ہمت پر اختیار فرمائی خصوصاً صاحبان ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم نے تو اس جلسہ تہذیب کو اہل اودھ کی تعلیم اور اشاعت علوم کے لئے ایک عمدہ ذریعہ اور لائق معلم قرار دیا ہے .... اور جلسہ کی مساعی جمیلہ اور سعی مشکور کا بڑی قدردانی سے انتخاب فرمایا ہے ہمارے جلسہ تہذیب کی وجہ سے اخبار کی اشاعت اور ممبروں اور ان کے دوستوں اور لواحقوں میں ان کے پڑھنے اور لکھنے کا شوق بیحد ہی بڑھ گیا کہ ساٹھ ستر پرچے۔ اخبارات اردو انگریزی رسالجات موقت الشیوع وری ڈیلو وغیرہ ہفتہ وار اور بعض روزانہ اور بعض ہفتہ میں دوگانہ دسہ گانہ و ماہوار آتے ہیں تاہم اخبارات کی طلب کثرت سے رہتی ہے جس سے ثابت ہے کہ اہل شہر میں اخبار بینی اور رسالجات علمی و دیگر مضامین علمی کے پڑھنے کا اک تازہ اور پر مذاق شوق پیدا ہو گیا ہے۔ ہمارے جلسہ تہذیب کی یہ نفع رسانی اور فیض عام لکھنؤ ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اسی کے پرتو اور تتبع پر اضلاع اودھ میں بھی ایسے ہی جلسے قائم ہوئے اور صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم اودھ نے اودھ کے جلسہ ہائے مفید عام اور علمی انجمنوں میں اس کو افضل و اعلیٰ قرار دیا ہے۔"

محکمہ تعلیم یوپی کے ذریعہ جو بھی کتاب یوپی میں چھپتی تھی وہ دفتر جلسہ تہذیب میں آتی تھی یہ انجمن اپنے ممبران کو اخبار بھی مہیا کرتی تھی طلباء کا وظیفہ بھی اس کی طرف سے جاری ہوتا تھا اور صنعتی سکول کھولنے کی تجویز بھی زیر غور تھی چنانچہ ان تمام امور کا ذکر ۱۲ جولائی ۱۸۷۲ء کی میٹنگ کی روئداد میں ہے جو ۱۵ جولائی ۱۸۷۲ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔

"جب تحریک نواب یوسف مرزا صاحب تجویز ہوا کہ صاحب ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم سے بذریعہ تحریر منجانب جلسہ ہذا دریافت کیا جاوے کہ نخش کتابوں کا

تعریف کیا ہے اور بعد معلوم ہونے اس تعریف کے جلسہ کے جانب پھر اس پر غور اور بحث ہو کر اک امر صاف اور تنقیح ہو کر قرار پا جاوے تا کہ اہل مطابع اور تاجران کتب کو جو دقت اب تک محض کتابوں کی غیر معین رہنے میں ہوتی ہے وہ جاتی رہے اور چونکہ صوبہ کے ہر اک مطبع کی کتاب اگست ۲۵ ؁ء کی رو سے سررشتہ تعلیم میں رجسٹر ہوتی اور وہاں سے اک اک نسخہ ہر ایک کتاب کا بھی کتب خانہ جلسہ تہذیب میں آتا ہے اس لئے ممبران جلسہ تہذیب کو مناسب معلوم ہوا کہ اس امر کو صاف کر لیں"۔

"ممبروں کی خدمت میں تحریک کی جاوے کہ بہت جلد اخبارات کا ملاحظہ فرما کر واپس فرمایا کریں کہ ان کے گشت میں شکایت دیر رسی کی نہ ہو اور زیادہ سے زیادہ مدت ۳ روز کی اک ممبر کو کسی اخبار کے رکھ چھوڑنے کی ہو سکتی ہے اس سے زاید میں نہایت ہرج متصور ہے"

• بدری ناتھ طالب علم کیننگ کالج لکھنؤ نے جن کو ہنڈفورڈ صاحب سابق ڈائرکٹر سررشتہ تعلیم کے چندہ یادگار سے وظیفہ ماہواری ملتا تھا بقایا شاہر کی درخواست کی تجویز ہوا۔ کہ مولوی محمد حکیم الدین صاحب اس یادگار کے قیام اور وظیفہ کے تقرر سے جہاں تک آپ کو معلوم ہو مفصل مطلع فرماویں کیونکہ ہنوز اسی کے کاغذات سکریٹری جلسہ کو نہیں ملے اور پنڈت شیونراین صاحب کے انتقال سے اس کی مفصل کیفیت اس وقت جلسہ کو معلوم نہیں ہو سکتی"

• مولوی سید محمد علی حسن صاحب نے فنون کی تعلیم اور اجرائے کارخانجات کا ذکر فرمایا کہ اس امر میں سابق کے جلسوں میں اک لکچر دیا گیا تھا اور جب تک کہ فنون کی تعلیم اور کارخانجات تجارت کا اجراء خاص ہندوستان

میں ایسا ہی نہ ہوگا جیسا کہ انگلستان و دیگر ممالک یورپ میں ہے تب تک صرف تعلیم ہی قوم کے فلاح کی صورت نہیں ہوسکتی..... نواب یوسف مرزا صاحب نے اس کی تائید میں علوم و فنون کا فرق ظاہر کر کے یہ بیان کیا کہ سرکار کو علوم کے تعلیم سے اپنا فائدہ بھی متصور ہے اور فنون کی تعلیم سے چونکہ سرکار کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہے اس لئے اس پر توجہ نہیں ہوتی۔ اور شاید اہل یورپ کو اپنی منفعت کے لحاظ اور کساد بازاری کے اندیشہ سے ہندوستانیوں میں فنون کی تعلیم اور اجراء کارخانجات میں توجہ نہیں ہوسکتی...... مولوی سید محمد علی حسن صاحب نے یہ تجویز پیش کی کہ اس میں چندہ کی ضرورت نہیں ہے بلکہ کسی کارخانہ کے اجراء کے لئے ایک کمیٹی مہاجنوں تاجروں وغیرہ کی قائم ہو اور اس میں مقدار قلیل کے حصص قائم ہوں اور اس سرمایہ سے آلات وسامان ضرورت بہم پہنچایا جائے۔"

انگلینڈ میں بھی اس انجمن نے اپنے خیالات پھیلانے کی کوشش کی تھی جس کی وجہ سے ہر ماہ اس انجمن کے پاس رسالہ انڈین ایسوسی ایشن لندن آتا تھا اور انجمن نے بھی اپنے مضامین وہاں بھیجنے کا سلسلہ شروع کیا تھا ان تعلقات کا ذکر ۷ رجون ۱۸۷۶ء کی میٹنگ میں آیا تھا جس کی کارروائی ۱۵ ارجون ۱۸۷۶ء کے شمارے میں چھپی ہے۔

"جنٹ سکریٹری نے رسالہ ماہواری مرسلہ انڈین ایسوسی ایشن لندن جو جلسہ تہذیب میں ہر ماہ موصول ہوا کرتا ہے پیش تحریک کی کہ اس جلسہ کے ممبروں نے بکمال شفقت وانسانی دوستی یہ جلسہ اس غرض سے انگلینڈ میں قائم کیا ہے کہ ہندوستان کے حالات ملکی پر نظر کیا کریں اور ہندوستان کے لوگوں کے حالات تمدن و معاشرت میں مناسب تجویزیں کیا کریں مگر ہمارے جلسہ تہذیب

سے ان دونوں کو بھی اس تحریر جلسہ کے نام نہیں گئی ان سے ارسال مراسلات میں اب تجدید کرنی چاہیئے مولوی سید محمد مصطفٰی حسن صاحب نے اس تحریک کی تائید کی کہ جبکہ ایسے عالی ہمت لوگ لندن میں بیٹھے ہوئے ہماری ترقی اور بہبودی کی فکر کر رہے ہیں تو ہم کو ضرور ہے کہ بکمال احسان پذیری ان سے ہر سلسلہ مراسلات جاری و قائم کریں۔ مگر ہمارا اخبار اردو زبان کا ہے اس وجہ سے اُس جلسہ کو مستفید نہیں ہو سکتا اس لیے بالاتفاق تجویز ہوا کہ جب کوئی انگریزی لکچر دیا جائے وہ بجنسہ وہاں بھیجدیا جائے اور جو جو مفید لکچر اردو زبان میں ہوا کریں ان کا ترجمہ انگریزی ہو کر بھیجدیا جایا کرے"۔

اخبار مرقع تہذیب کو کس طرح مرتب کیا جاتا تھا اور یہ ذمہ داری کس کو سونپی گئی تھی اور اخبار کے ایک خبر کی قیمت کیا دی جاتی تھی اور اس اُجرت کو طے کرنے کے لیے کون کون سے اشخاص مقرر ہوئے تھے۔ یہ امور ۷ ارمئی ۱۸۶۶ء کی میٹنگ میں طے ہوئے جو یکم جون ۱۸۶۶ء کی اخبار کی زینت بنے۔

"درباره ترتیب اخبار کے یہ تجویز ہوئی کہ تین قسم کے مضامین درج ہوا کریں اول حصہ کارروائی جلسہ کا، دوسرا حصہ اخبارات کا جس میں دو قسم کے اخبار ہوں گے۔ ایک حصہ لوکل و کارسپانڈنس کا، دوسرا منقولات کا۔ اور یہ تجویز ہوئی کہ مضامین اخبار کو مولوی محمد حکیم الدین صاحب ہیڈ ماسٹر اور منصرم جلسہ بالاتفاق منتخب کر کے جلسہ درمیانی میں پیش کر کے کمیٹی سے منظوری اندراج اخبار مذکور حاصل کیا کریں اور منشی چراغ علی صاحب اور منشی کالی پرشاد صاحب سے استدعا کی جاوے کہ وہ براہ مہربانی کچھ مضامین منتخب فرما کر دیا کریں ان مضامین کی منظوری کی کچھ ضرورت نہیں"۔

"فرد برآورد سے معلوم ہوا کہ فی الحال کاپی نویس کی اجرت فی جزو تین آنہ

علاوہ کاغذ اور روشنائی کے مقرر ہے۔ تجویز ہوا کہ جس حساب سے کاتب صاحب کو فی جزو پر لکھا جاتا ہے اسی حساب سے اس کی قیمت بھی دیجائے اور اس بارے میں رائے نرائن داس صاحب اور رائے ہزاری لال صاحب اور منشی نولکشور صاحب مالک اودھ اخبار اور پنڈت لچھمی نرائن صاحب اور منشی کالی پرشاد صاحب اور منشی چراغ علی صاحب سے رائے لیجاوے۔"

اخبار مرقع تہذیب اپنے معاصرین میں اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ چنانچہ اخبار انجمن پنجاب لاہور مورخہ ۱۸ فروری ۱۸۷۵ء میں اس پر تبصرہ شائع کیا ہے۔

"جلسہ تہذیب لکھنؤ کی طرف سے یہ اخبار شائع ہوتا ہے مہینے میں دو بار آٹھ ورقوں پر۔ اس میں ایڈیٹر کی جانب سے پرچے میں مفید اور دلچسپ مضامین لکھے جاتے ہیں۔ سنا تھا کہ کچھ دنوں سے منشی محمد حسین اغلب موہانی اس کے ایڈیٹر ہیں۔"

گارساں دتاسی نے اپنے مقالہ ۱۸۷۵ء میں اس کا ذکر کیا ہے۔

"مرقع تہذیب لکھنؤ کی انجمن تہذیب کی طرف سے سال رواں کے پہلے مہینے سے نکلنے لگا ہے وہ اپنے آپ کو انصاف اور ترقی کا حامی بتاتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہم لمبے چوڑے دعوے نہیں کرتے مگر روشن خیالی کی تلقین میں ہمہ در پیش پیش ہیں۔"

اخبار الاخبار مظفرپور بہار سے یہ اخبار مہینہ میں دو مرتبہ ۱۸۶۸ء سے جاری ہوا۔ آٹھ ورق یعنے سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر بابو اجودھیا پرشاد تھے یکم اکتوبر ۱۸۶۸ء سے منشی قربان علی صاحب نے ایڈیٹری کے فرائض انجام دینے شروع کئے۔ سالانہ چندہ بارہ روپے تھا مطبع چشمۂ نور میں چھپتا تھا۔ یہ اخبار صوبہ بہار کی سینٹفک سوسائٹی کا آرگن

تھا۔ اس کے میرمجلس نواب سید محمد تقی خاں صاحب آنریری مجسٹریٹ اور سکریٹری مولوی امداد علی خاں تھے۔

یہ اخبار تعلیمی کاموں پر زیادہ توجہ دیتا تھا اسکولوں اور کالجوں کی میٹنگ کی کارروائیاں کثرت سے شائع کرتا تھا سوسائٹی کی میٹنگ کی روئیداد اور اس میں جو مضامین پڑھے جاتے تھے وہ بھی چھپتے تھے۔ تعلیم نسواں کا زبردست حامی تھا۔

اس اخبار کی سیاسی اور ادبی خدمات کا ذکر اور اس کے اقتباسات تاریخ صحافت اردو میں چھپ چکے ہیں۔ لیکن جو علمی و تعلیمی خدمات اس نے انجام دی ہیں اس کا ذکر گارساں دتاسی نے اپنے خطبوں اور مقالوں میں کیا ہے جس سے اس سوسائٹی کی اہمیت و قدرت کا پتہ چلتا ہے وہ نقل کی جاتی ہیں۔

(۱) "بہار کی سائنٹفک سوسائٹی کا صدر مقام مظفر پور ہے اس انجمن کے معتمد ایک فاضل مسلمان ہیں اس وقت انجمن میں ۳۱۰ ارکان ہیں۔ اس تعداد میں ۱۲۸ مسلمان ہیں ۱۶۲ ہندو ہیں اور ۲۰ یورپین ہیں اس انجمن کی طرف سے اخبار الاخیار شائع ہوتا ہے تجویز ہے کہ انجمن مشرقی زبانوں کی تعلیم کے لیے ایک کالج قائم کرے اور اس کے ساتھ مغربی علوم کی اشاعت کا کام بھی انجام دے (خطبات ص۸۲۵)"

(۲) بہار کی ادبی اور علمی انجمن اس غرض کے لئے مظفر پور میں قائم کی گئی ہے کہ اہل ہند میں مغربی تعلیم کی نشر و اشاعت کرے۔ وہ تعلیم مروجہ زبان میں جو اس علاقہ میں سمجھی جاتی ہے دے جائیگی۔ اور ہندوستان کی قدیم زبانوں کی تعلیم کا بھی انتظام کیا جائے گا۔ اس وقت اس کے پاس دس ہزار روپیہ کا سرمایہ موجود ہے جو چندوں اور عطیوں سے ملا ہے انجمن کی طرف سے ایک

حاصل شخص کو تین سو روپے ماہوار تنخواہ دی جاتی ہے جس کے ذمے یہ کام ہے کہ وہ انگریزی زبان سے ہندوستان میں ایسی کتابوں کا ترجمہ کرے جو طلباء کے کام کی ہوں اس انجمن کی پانچ شاخیں ہیں ایک شاخ مظفر پور میں ہے جس کا نام انجمن تہذیب ہے۔ یہ انجمن بہت اچھا کام کر رہی ہے اس کی طرف سے ایک کالج قائم ہے جس میں سو کے قریب طلباء تعلیم پا رہے ہیں اس کالج میں ذریعہ تعلیم ہندوستانی ہے عربی، فارسی و یورپین سائنس کے مبادیات کی تعلیم کا بھی انتظام کیا گیا ہے اس کا بھی اہتمام ہے کہ روزمرہ کی زبان میں مختلف مضامین طلباء کو پڑھائے جائیں اس انجمن کا تیسرا سالانہ جلسہ گزشتہ سال ۲۴ر مئی کو منعقد ہوا تھا جس سے اس کی زندگی کے چوتھے سال کا آغاز ہوتا ہے" (مقالات ۱۸۷۰ء جلد اول صفحہ ۱۲۳)

(۳) بہار کی علمی مجلس (سائنٹفک سوسائٹی) کا صدر مقام مظفر پور ہے۔ اگرچہ یہ انجمن ۱۸۶۸ء میں قائم ہوئی ہے لیکن اس کے ارکان کی تعداد پانچسو ہو چکی ہے ۔۔۔ کلکتہ یونیورسٹی کی سینیٹ نے وسطانیہ مدارس سے امتحان کے متعلق جو فیصلہ کیا ہے اس میں انجمن کا بھی دخل ہے اودھ کی پولیس کے انسپکٹر جنرل نے اس صوبہ کے ناظم تعلیمات سے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہر سال ۱۰ طالبعلموں کو اپنے محکمہ میں ملازمت دے گا بشرطیکہ وہ ہندوستانی لکھ پڑھ سکتے ہوں۔ اور ریاضی سے واقف ہوں مدارس کے لفٹنٹ گورنر لارڈ ہوبر بھی مسلمانان ہند کے لئے حکومت کی اس تجویز کا بھی اعلان کیا کہ ان کے لئے علیحدہ مخصوص مدارس کھولے جائیں گے جن میں ہندوستانی زبان میں تعلیم دی جائے گی تاکہ وہ سرکاری خدمات حاصل کر سکیں۔ (مقالات ۱۸۷۱ء اول صفحہ ۱۶۹)"

رسالہ انجمن مناظرہ دہلی

انجمن مناظرہ دہلی کا پہلا نام پبلک سائنٹفک میٹنگ تھا اس نام سے جولائی ۱۸۶۸ء میں قائم

ہوئی تھی ۱۴ ارمئی ۱۸۷۰ء کی میٹنگ میں اس کا نام تبدیل ہوا۔ چنانچہ اس کے قائم کرنے والوں میں مولانا سیف الحق ادیب جناب نصیر علی صاحب جناب محمود الحسن صاحب جناب عظمت اللہ بیگ اور نذیر بیگ نے رسالہ انجمن مناظرہ دہلی مئی لغایت جولائی ۱۸۷۰ء کے شمارے میں حسب ذیل اعلان کیا تھا

جمیع اصحاب انجمن پر روشن ہو کہ یہ انجمن علمی جس کا نام پہلے پبلک سائنٹفک تھا بغرض رفاہ عام ماہ جولائی ۱۸۶۸ء کو سرا بیرام خاں گزر فیض بازار میں ہم چند طلبہ نے قائم کی تھی اگرچہ آغاز میں تو اسے کچھ فروغ نہ ہوا اب بفضل ایزد منان و امداد ساد نان ماہ مئی ۱۸۷۰ء سے ترقی روز افزوں حاصل ہوئی ہیں انجمن کے انعقاد کا حسب ذیل تاریخی قطعہ مولوی سیف الحق ادیب نے فرمایا تھا۔

بزم سوسائٹی عام ادیب   منبع فیض علوم است و فنون
ممبرانش ہمہ بارائے صواب   گل تدبیر نما بوقلموں
ہمہ کس شیفتۂ خوبی آں   ہمہ اش دالہ و شیدا مفتوں
ہمہ در سعیٔ حصول رفعت   الف قامت شان مثل نوں
چوں ز من سعیٔ سر انجام نہ شد   گفتہ ام قطعۂ تاریخ اکنوں

بے دل غور بخواں تاریخش!
منبع فیض ہدایت مشحون!

۱۸۷۰ء

انجمن کے بعض ممبران اور خاص طور پر جناب عبدالرحیم صاحب بیگ کا خیال تھا کہ دہلی سوسائٹی کی موجودگی میں اس انجمن کی تشکیل نہ ہونی چاہیے تھی بلکہ اس میں اس کو مدغم ہونا چاہیے تھا جس کے حسب ذیل فوائد بیان کیے تھے [۱]

---

[۱] رسالہ انجمن مناظرہ مئی لغایت جولائی ۱۸۷۰ء

"اس مجلس کو ایک مستقل مجلس قرار دینا شاید بہت سی مصلحتوں کے خلاف ہو، کاش یہ انجمن دہلی سوسائٹی کا ایک شعبہ قرار دی جاتی تو اس سے بہت سے منافع متصور تھے جو رسالے اور اخبار وہاں آتے ہیں ان کے خریدنے سے یہ انجمن مستغنی ہو جاتی اور جس قدر نئے اخبار یہاں خریدے جاتے ہیں ان سے دونوں برابر بہرہ مند ہوتیں اور جو کہ اس سوسائٹی میں بعض حکام شہر بھی شریک ہیں لہٰذا اس انجمن کو اور بھی زیادہ استحکام کی امید ہوتی، شاید یہ میری رائے بادی النظر میں اہلِ مجلس کو اچھی نہ معلوم ہو مگر میرے ذہن میں اس رائے کی عمدگی ہنوز جمی ہوئی ہے۔"

یہ انجمن جہاں علمی مسائل پر مضامین لکھ کر بحث کرتی تھی وہاں ملک کے سیاسی مسئلوں پر بھی بحث کرتی اور حکومت کے سامنے مطالبے رکھتی تھی بحث کا انداز کس طرح کا ہوتا تھا اس پر بھی جناب عبدالرحیم صاحب بیدلؔ نے اپنے مذکورہ مضمون میں روشنی ڈالی ہے اور حالات حاضرہ پر زیادہ توجہ دینے پر زور دیا ہے۔

"مذہبی بحث کا نہ ہونا جو اس مجلس کی شرائط میں سے ہیں اس میں کچھ ترمیم کرنی چاہیئے یعنی مذہبی بحث سے اگر یہ مراد ہے کہ کسی مذہب پر اعتراض کیا جائے یا کسی مذہب کی حقیقت پر دلیلیں پیش کی جائیں، تو البتہ ایسی بحث اس مجلس کی منافی ہے ہاں اگر اس کے سوا اور قسم کی بحث ہو مثلاً جو رسمیں ہندو مسلمانوں کے ہاں ایسی ضروری سمجھی جاتی ہیں جن کو جاہل لوگ داخل مذہب جانتے ہیں ان کے باب میں بحث کرنی یا گفتگو شائستگی اور تربیت کی بابت مذہب سے علاقہ رکھتی ہے، رائے کی آزادی جس پر اس قسم کی مجلسوں کی بنیاد ہوتی ہے اس کو ہر ممبر اپنا فرض سمجھے، رائے دینے میں کسی کو روک ٹوک نہ ہو کسی حالت میں مذہبی تعصب یا پاس وطن، یا رعب حکومت اظہار کلمہ حق کا مانع نہ ہو۔۔۔۔۔۔ مضمون ان معاملات

پر لکھے جائیں جن میں آج کل بحث کرنے کی ضرورت ہے اور اگلے زمانہ کی باتیں جو اب فرسودہ ہوگئی ہیں ان میں زبان و قلم کو تکلیف دینی لاحاصل ہے۔"

اس انجمن کو چلانے والی دو کمیٹیاں سرگروہ انجمن اور کونسل کارپرداز تھیں، کونسل کارپرداز کے عہدیدار اور ممبران حسب ذیل تھے۔

جناب مولوی سید امداد العلی صاحب ڈپٹی کلکٹر مظفر پور ضلع ترہٹ پیٹرن، جناب میر امیر علی صاحب ماسٹر گورنمنٹ ہائی اسکول دہلی پریذیڈنٹ جناب منشی ذکاء اللہ صاحب ہیڈ ماسٹر نارمل اسکول دہلی پریذیڈنٹ، جناب پادری تارا چند صاحب، وائس پریذیڈنٹ، جناب مولوی سید الفت حسین صاحب مدرس اوّل فارسی نارمل اسکول دہلی وائس پریذیڈنٹ، جناب سید محمد حامد صاحب آنریری سکریٹری، جناب نذیر علی صاحب سکریٹری، جناب نصیر علی صاحب اسسٹنٹ سکریٹری، محمد محمود الحسن صاحب لائبریرین۔

معاون ممبروں کی تعداد ۸۰ تھی جن میں قابل ذکر نام یہ ہیں۔

جناب صاحب عالم مرزا محمد ہدایت افزعرف مرزا الٰہی بخش صاحب، مرزا محمد سلیمان صاحب آنریری مجسٹریٹ دہلی نواب مرزا محمد سعید الدین احمد خاں رئیس لوہارو، لالہ حکم چند بی اے لالہ کنھیا لال صاحب ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ ڈل اسکول دہلی منشی حکم چند صاحب مدرس ڈل اسکول، مولوی الطاف حسین حالی، منشی عبد الرزاق بیگ مالک مطبع مجتبائی دہلی۔ سید سجاد مرزا صاحب سجاد، ماسٹر مشن اسکول دہلی خواجہ قمر الدین صاحب مہتمم اردو اخبار دہلی، ماسٹر پیارے لال ماسٹر ڈل اسکول دہلی مولوی سیف الحق صاحب ادیب دہلوی میر منشی انجمن، پنڈت مہاراج کشن صاحب ڈرائنگ ماسٹر ڈل اسکول دہلی، محمد ضیاء الدین صاحب نواب محمد فرید الدین صاحب، لالہ جانکی ناتھ صاحب سکنڈ ماسٹر سنٹ اسٹیفن

کالج دہلی منشی محمد انشاء اللہ خاں صاحب فائق، منشی نولکشور مالک اودھ اخبار۔"
اس انجمن کے لئے آزادی کے ساتھ ملکی مسائل پر مضامین لکھے جاتے تھے اور میپا کی کے ساتھ سرکاری محکموں کی بدعنوانیوں پر روشنی ڈالی جاتی تھی چنانچہ یکم جولائی ۱۸۶۱ء کی میٹنگ میں جناب حاجی سید محمد میر شاہ کا ایک مضمون "رفاہ خلائق" کے عنوان کے تحت پڑھا گیا تھا اس میں جہاں دہلی میونسپل کمیٹی اور پنجاب پولیس کی غفلت ظاہر ہوتی ہے وہاں اس زمانہ کی دہلی کی سڑکوں وغیرہ کا کچھ پتہ چلتا ہے اس مضمون کے اہم اور ضروری اقتباس یہ ہیں۔
"چنگی کا محصول جو فقط واسطے خرچ صفائی کے ہے وہ عام باشندوں سے برابر لیا جاتا ہے اور بعض بعض محلات شہر ایسے ہیں جن میں میونسپل کمیٹی کا کوئی فائدہ ظاہر نہیں ہوتا اور بعض ایسے ہیں جہاں روشنی اور صفائی کا انتظام معلوم ہوتا ہے یہ نہایت ناانصافی کی بات ہے کہ محصول سب سے بدرجہ مساوی لیا جاوے اور ایک کو اس کا فائدہ پہنچایا جائے اور دوسرے کو محروم رکھا جائے دو سال کا عرصہ ہوا کہ جب ہم چاندنی چوک اور لال کنوئیں کے بازار میں چھڑکاؤ بکثرت دیکھتے تھے اور وہ نتیجہ جو چھڑکاؤ کے ہونے سے چاہیئے معلوم ہوتا تھا مگر رفتہ رفتہ سقوں نے اس کو کم کرتے کرتے ایسا کر دیا کہ خلاف اس نتیجہ کے ہے کہ جس سے خنکی مراد ہے ایسی تبخیر ہونے لگی کہ سڑک پر بمشکل قدم رکھا جاتا ہے علاوہ بریں ممبران کمیٹی سے بجز اس فائدہ کے کہ محلوں کے پھاٹک قفلی دار بنوا دیے یا دو چار محلوں کی بدرو کو چوڑا چوڑا بنوا دیا وہ بھی پورا نہیں بعض بعض محلے ایسے ہیں جن میں تھوڑی سی بارش سے گھٹنوں تک پانی بھر رہتا ہے وہاں کے مکان والوں کو اپنے مکانوں کا اور راستہ چلنے والوں کو گر پڑنے کا اندیشہ ہوتا ہے ان اہم اور مضر باتوں کی طرف جن سے کہ صحت عامہ میں نقصان

پہنچتا ہے متوجہ نہیں ہوئے جب سے نہر کا پانی جو بہ سبب اختلاط راستوں کی کثافتوں اور درختوں کے پتوں کے بدطعم اور بدرنگ ہو جاتا ہے اور شہر کے کھاری کنوؤں میں اس وجہ سے ڈالا جاتا ہے کہ ان کی شوریت کم ہو جائے اور سقے اس پانی کو ہزار ہا آدمیوں کو پلاتے ہیں جس سے نزلہ اور ضعف معدہ کے امراض میں لوگ گرفتار ہوتے جاتے ہیں اور بھر کثرت نزلہ سے ان کے پھیپھڑے ضعیف ہو کر مرض سل و دق میں مبتلا ہو کر مر جاتے ہیں دوسرے سڑکوں کی بدروں میں کیچڑ سڑ کر ایسی عفونت پیدا ہوتی ہے کہ انجرے رشح کو مضطر اور دماغ کو پریشان کرتے ہیں' تیسرے بیرون شہر حوالی قدم شریف جو شہر سے بہت متصل ہے کھات ڈالا جاتا ہے اور چمڑے والے چمڑے سڑاتے ہیں کہ ان کی عفونت ہوا کو خراب کرتی ہے اور وہی ہوا شہر میں داخل ہو کر امراض پیدا کرتی ہے ...... پولیس کے انتظام کی نسبت جو بالفعل ممالک مغربی و پنجاب میں ہے یہ کہہ سکتا ہوں کہ عمدہ نہیں ہے بلکہ وہ انتظام جو قبل اس کے تھا بدرجہ اولی تھا اس انتظام میں واردات کی کثرت ہے' ہمیشہ چوریوں کے اتفاقات سننے میں آتے ہیں اور رہزنیاں ہوتی ہیں میں خیال کرتا ہوں کہ پولیس میں اکثر کانسٹبل ایسے نوکر ہیں جو درپردہ خود چور ہیں بقول آنکہ "چوہے بلی جلیبیوں کی رکھوالی" اس کی وجہ یہ ہے کہ پولیس میں زیادہ تحقیق جیسے کہ چاہیئے نہیں ہوتی پولیس جو تجویز کا محکمہ ہے اس میں ہمیشہ تحقیق کے ساتھ نوکر رکھے جائیں' دوسری وجہ شہروں میں کثرت واردات کی یہ ہے کہ ہمیشہ بلکہ ہر روز کانسٹبل کی تبدیلی ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں ہوتی ہے اس وجہ سے وہ کانسٹبل اہل محلہ سے واقف نہیں ہوتا نہ اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ محلہ میں کے مکان میں اور ان میں کون کون رہتا ہے اکثر ایسی وارداتیں ہوئی ہیں کہ چور نے لالٹین ہاتھ

میں لے کر جس کی دوکان کا چاہا قفل کھول لیا اور جو چاہا سو نکال لیا، اگر کانسٹبل نے پوچھا بھی تو کہدیا کہ میری دوکان ہے" (رسالہ انجمن مناظرہ دہلی مئی لغایت جولائی ۱۸۷۰ء)

اس مضمون پر میٹنگ میں حسب ذیل تبادلہ خیال ہوا جس کی صدارت منشی ذکاءاللہ صاحب نے فرمائی، مضمون نگار سے زیادہ صدر صاحب و ممبران نے پولیس کی بے ایمانیوں کا پردہ فاش کیا۔

صدر صاحب نے فرمایا کہ آپ نے جو پولیس کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ بہت درست و صحیح ہے اس میں ترمیم ہونی ضروری ہے، سرکار کو توجہ کرنی چاہیے علاوہ بریں اب جو تحقیقات کا ڈھنگ اس عملے نے اختیار کیا ہے وہ نہایت خراب اور چوروں کی ہمت و جرأت بڑھانے کا باعث ہے، یہ لوگ برآمد مال اور مجرم میں کوشش نہیں کرتے بلکہ برعکس جس کے ہاں چوری ہو اس کو دق کرتے ہیں مثلاً ان کی تحقیقات کا یہ عام طریقہ ہے کہ جب کسی کے ہاں چوری ہوتی ہے تو اول یہ دریافت کرتے ہیں کہ بی بی تو بدچلن نہیں، بیٹا یا کوئی اور عزیز تو بد وضع نہیں اور اگر کوئی ان کی خوش قسمتی سے بد وضع ثابت ہو تو سہل چھٹکارا ہوا، ورنہ دم سادھ گئے، اکثر موقعوں پر دیکھا ہے کہ جس کے گھر چوری ہو اسی کے گھر کی تلاشی اور کھدنی ہو اس سے بجز اس کے اور کیا متصور ہو کہ وہ بیچارہ تو پشیمان ہو کہ میں نے پولیس میں اطلاع کیوں کی، دوئم اس کی بی بی اور بیٹا بدنام ہوا، سوئم اصلی مجرم کا سراغ نہ ملا"۔

"رامپور میں انتظام بہت عمدہ ہے، چوری کا کبھی نام تک سننے میں نہیں آتا، وہاں ایک میلہ میں جو ہر سال ہوتا ہے اور سات آٹھ ہزار آدمی اس میں جمع ہوتا اور قریب ایک ہفتہ کے وہ جمع رہتا ہے میں بھی موجود تھا اتفاقاً

کسی کا بیل چوری ہوگیا، نواب صاحب کو خبر ہوئی تھانے دار کو حکم ہوا کہ بیل کو بارہ بجے تک مال و مجرم دونوں حاضر کرو، ورنہ اسی روپے تمہاری تنخواہ سے کاٹ لئے جائیں گے، دوسرے روز تھانے دار صاحب بارہ بجے سے پہلے مع مال مجرم حاضر ہوئے۔"

"محکمۂ پولیس میں وہ لوگ رکھے جائیں جو معتمد ہوں نہ ان کے مانند کہ گویا چوہان جیسا چور ہیں، بھلا جب ایسے محافظ ہوں گے تو چوری کیوں نہ ہوگی، مولوی سید الفت حسین صاحب نے کہا کہ میں نے ایک اخبار میں دیکھا ہے کہ ضلع الٰہ آباد میں بعد تحقیقات کے تین سوار کانسٹبل چور ثابت ہوئے اور موقوف ہوئے"

(جولائی ۱۸۸۲ء)

"

۱۹ جون کی میٹنگ میں جس کی صدارت پادری تارا چند صاحب نے کی تھی مولوی سید الفت حسین صاحب مدرس اول فارسی نارمل اسکول دہلی نے "حصول اتفاق" پر ایک مضمون پڑھا تھا جس پر حسب ذیل دلچسپ سوال و جواب ہوئے۔

"صدر جلسہ نے اعتراض کیا کہ آپ نے جو لکھا ہے کہ وید کی زبان اور مذہب سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم سے پہلے دنیا میں جنات وغیرہ بستے تھے، سو بات ثابت نہیں البتہ صرف بید کی قدامت پائی جاتی ہے اس پر مولوی صاحب نے جواب دیا کہ درست ہے میں نے بھی اس کو یقیناً نہیں لکھا مگر مسلمانوں کی کتابوں سے بھی یہ پایا جاتا ہے کہ آدمیوں سے پہلے جنات دنیا میں پیدا ہوئے چنانچہ کتاب سراکبر اور منبع جواہر اور تبیین الکلام حق کے رسوم ہند میں بھی یہ ذکر ہے، اس پر بابو حکم چند صاحب بی اے نے فرمایا کہ علم جیالوجی سے ثابت نہیں ہوتا کہ آدم سے پہلے کوئی مخلوق صاحب عقل دنیا میں ہو، ہاں نباتات اور وحشی جانور بیشک یہاں تھے مولوی صاحب نے یہ بھی کہا کہ تاریخ چین میں کہ جب محمود غزنوی نے سومنات کو

فتح کیا تو وہاں سے دو پتھر ایسے برآمد ہوئے کہ جس کی عبارت کندہ سے دُنیا کی آبادی کا وجود کئی لاکھ برس سے ثابت ہوتا تھا، بابو صاحب نے کہا ان پتھروں کے کندہ کرانے والوں کی غلطی ہے کہ آدم سے پہلے دُنیا کی آبادی ثابت کرنے سے کیا فائدہ اور غرض ہے مولوی صاحب نے کہا اس سے تصحیح تاریخ اہلِ ہند اور اہلِ چین متصور ہے۔ (مئی ۱۸۷۱ء)

انجمن مناظرہ کی ۱۴ اکتوبر ۱۸۷۱ء کی مٹنگ میں جس کی صدارت لالہ حکم چند صاحب بی، اے نے فرمائی تھی اس میں شرافت انسانی پر ایک مضمون میر نصیر علی صاحب نے سُنایا اس کے ایک حصہ پر صدر موصوف نے اعتراض کیا کہ یونانیوں نے ہندیوں سے یا ہندیوں نے کسی اور سے تربیت پائی صحیح معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ زمانہ سابق میں ایک ملک کے باشندے دوسرے ملک کی زبان نہ جانتے تھے اور اکثر کو تو شوق بھی نہ ہوتا تھا سوا اپنے اور سب کو گونگا اور وحشی تصور کرتے تھے پھر بھلا ایک ملک کے باشندے دوسرے ملک کے آدمیوں سے کیوں کر تربیت پا سکتے تھے اور سکندر کا پنڈت کو ساتھ لیجانا لائق یقین نہیں بجز چھوٹی چھوٹی تواریخوں کے اور کہیں نہیں لکھا"

"میر صاحب نے کہا آپ فرماتے ہیں کہ غیر ملک کے باشندوں نے سنسکرت کبھی نہیں پڑھی اور نہ کوئی اس غرض سے یہاں آیا میں کہتا ہوں کہ پھر برنارد سمتھ صاحب نے کیوں لکھا ہے کہ "نیومرلز" کا علم ہند سے روم گیا اور وہاں سے اور زبانوں مثل انگریزی وغیرہ میں منتقل ہوا، آپ اس کی کیا تاویل کرتے ہیں میں تو ہرگز یہ خیال نہیں کرسکتا کہ کسی نے سنسکرت کو نہ پڑھا ہو اور خود بخود ترجمہ ہوگیا ہو میرے نزدیک تو یہ بات مسلم ہے کہ وہاں کے بعض باشندے یہاں کی اور زبانوں کو پڑھتے تھے اگر یہ بات نہ ہوتی تو غیر ملک کے [illegible]

خط وکتابت رسل و پیام عہد و پیماں کیوں کر کرتے تھے دیکھو انوار سہیلی اول سنسکرت زبان میں تھی اور برزویہ طبیب نے نوشیروانِ عادل کے وقت میں اس کا ترجمہ پہلوی زبان میں کیا سنسکرت میں اس کا ترجمہ "پنچا ناتنترہ" تھا پنڈت کا سکندر کے ساتھ جانا آپ کے نزدیک غلط ہے مگر میں کوئی دلیل اس کی تکذیب کی نہیں پاتا ہوں" (اکتوبر ۱۸۷۱ء)

علمی مضامین پر تبادلہ خیالات کے علاوہ انجمن کا مقصد یہ بھی تھا کہ علوم مشرقی کو ترقی دی جائے اور فارسی عربی سنسکرت کی زبانوں کو فروغ ہونا چاہیے چنانچہ جب انگریزی حکومت نے جبریہ تعلیم کا نفاذ کرنا شروع کیا تو اس وقت انجمن مناظرہ کی ۲۸ر دسمبر ۱۸۷۱ء کی میٹنگ میں اس مسئلہ پر غور ہوا جس میں طے پایا۔

" ہر ایک شہر میں ایسے مدارس قائم کیے جائیں کہ جن میں مختلف زبانوں مثل عربی سنسکرت فارسی انگریزی کے اور مختلف علوم مثل علم طبعی ریاضی، تاریخ جغرافیہ وغیرہ کی تعلیم ہوا کرے اور پھر یہ قانون مقرر کیا جائے کہ ہر ایک شخص کو ان زبانوں میں سے ایک زبان اور ایک علم حاصل کرنا واجب ہے۔ (دسمبر ۱۸۷۱ء)"

ایک اور دوسری ۱۲ر اپریل ۱۸۷۲ء کی میٹنگ میں منشی میر نصیر علی صاحب نے ایک مضمون "اصلاح حالت ہند" میں اپنے انہی خیالات کا اعادہ کیا ہے لیکن ان میں انگریزی تعلیم کو اختیاری بنانے کی خواہش کا اظہار کیا لکھتے ہیں۔

میرے نزدیک ہر ایک مدرسہ میں عربی و فارسی بطور ملکی زبانوں کے پڑھائی جائے، عربی و سنسکرت میں مذہبی کتابیں ہوں انگریزی تعلیم بالفعل طالب علم کی خوشی پر چھوڑ دینی چاہیے" (اپریل ۱۸۷۲ء)

یہ انجمن مغربی طریقے کو پسند نہیں کرتی تھی ۱۴ر مئی ۱۸۷۱ء کی میٹنگ میں جب

مضمون نگار نے اپنا مضمون ختم کیا تو حاضرین نے تالیاں بجائیں، صدر جلسہ منشی ذکاء اللہ صاحب نے فرمایا۔

"یہ دستور ہمارے ملک کے ادب کے خلاف ہے، یہ انگریزی رسم و رواج ہے اس لئے ہم لوگوں کو اچھا نہیں معلوم ہوتا، انجمن جس قانون کو ہندوستانی عوام کے لیے، مضرت رساں سمجھتی تھی، اس کے نفاذ کے خلاف آواز اُٹھاتی تھی، چنانچہ جب انکم ٹیکس کا نفاذ ہوا تو اس نے اس کی مخالفت کی اور یہ تجویز پاس کی کہ اوّل تو انکم ٹیکس نہیں لگنا چاہیئے اور انکم ٹیکس کی رقم بہت زیادہ مقرر کی گئی ہے چنانچہ منشی نذیر علی سکریٹری انجمن نے ایک مضمون "فوائد انجمن" میں حسب ذیل فائدہ کا بھی ذکر کیا ہے۔

"اگر کوئی شخص کسی قانون کو بدلنا چاہے تو غیر ممکن ہے۔ انکم ٹیکس کے کم ہونے پر نہ تو کسی خاص شخص کی ہمت پڑی کہ وہ عرضی دیتا یا کسی طرح حکام کو زبانی اطلاع دیتا اور نہ اس کے مشورے کو کوئی قبول کرتا۔ مگر جب انجمن نے باتفاق رائے اور مشورت کے بموجب گورنمنٹ آف انڈیا کو عرضی دی تو گورنمنٹ کو التفات کرنا پڑا اور آخرکار اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ تین روپے دو آنے فی صدی جو پہلے مقرر تھا اب ایک روپیہ فیصدی رہ گیا ہے (مئی تا جولائی ۱۸۷۱ء)

عیسائی دنیا نے اسلام اور اس کے بانی جناب محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جس قدر مکروہ پروپیگنڈہ کیا ہے شاید کسی اور مذہب نے کیا ہو چنانچہ کلکتہ یونیورسٹی کے انگریزی کورس کی کتاب میں بھی اسی قسم کی حرکت کی گئی تھی منشی نذیر علی صاحب نے ۱۲ اپریل ۱۸۷۲ء کو میٹنگ میں اپنے ایک مضمون میں ان الفاظ کے ساتھ اس کی مذمت کی ہے۔

"سنا ہے کہ کورس انگریزی کے صفحہ ۸۱ اور ۸۲ میں جو کلکتہ یونیورسٹی ۱۸۷۲ء

کے امتحان داخلہ کے واسطے مقرر ہے لفظ "امپوسٹر" جس کے معنی مکار اور دغاباز ہیں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ہے اور ہمارے مذہبی روایات کی نسبت لفظ فیبل جس کے معنے افسانہ دکھاتے ہیں لکھا ہوا ہے اور نیز اکثر تاریخ انگریزی میں بھی مورخین نے متعصبانہ ..... حضرت عیسیٰ کی بڑی تعریف کی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خیال فاسد پکائے ہیں، افسوس ہے کہ ایسے متعصب نادان، بیہودہ مصنفوں کی کتابیں ہماری تعلیم میں جاری کیجاتی ہیں۔ کلکتہ یونیورسٹی اور اس کے فیلوپر یہ بڑا بھاری اعتراض ہے اور مولفان کو اس کی غفلت قابل خبرگیری ہے (اپریل ۱۸۷۱ء)

اس انجمن نے اپنی روئیداد وکارروائیاں شائع کرنے کے لئے ایک رسالہ انجمن مناظرہ کے نام سے شائع کیا تھا جس کا پہلا شمارہ مئی لغایت جولائی ۱۸۷۱ء کو نکلا تھا اس کے بعد ۱۵ راگست ۱۸۷۱ء کی میٹنگ میں جبکہ یہ تجویز رکھی گئی تھی کہ ایک اخبار نکالا جائے تو اس وقت اخبار نہیں بلکہ ماہانہ رسالہ نکالنے کی تجویز منظور ہوئی چنانچہ اگست ۱۸۷۱ء سے باقاعدہ ماہانہ پرچہ نکلنے لگا تھا، بیس صفحات پر مشتمل تھا، سکریٹری نذیر علی صاحب اس کے کرتادھرتا تھے سالانہ چندہ تین روپیہ تھا پہلا پرچہ مئی تا جولائی ۱۸۷۱ء مطبع محمدی دہلی میں طبع ہوا تھا۔ اگست ۱۸۷۱ء سے مطبع مجتبائی دہلی میں چھپنا شروع ہوا۔

اس دور کے حالات کسی شخص یا جماعت یا اخبار و رسالہ کو اجازت نہیں دیتے تھے کہ وہ انتہائی آزادی کے ساتھ اپنے جذبات کی ترجمانی کر سکتا انگریزی اعلیٰ حکام کی مخالفت کرنا تو بہت مشکل تھی چنانچہ انجمن مناظرہ اور اس کے رسالے کو بھی یہی پالیسی اختیار کرلی پڑی اعلیٰ حکام کی خوشامد کرنے پر مجبور تھے ۔ جب جزائر انڈمان میں لارڈ میو سابق وائسرائے اور گورنر جنرل ہند کو قتل کیا گیا تو اس

وقت انجمن نے کئی تعزیتی جلسے ۲۶ فروری اور ۸ مارچ ۱۸۷۲ء کو کئے قتل کے واقعات اور قاتل کے حالات زندگی مارچ ۱۸۷۲ء کے شمارے میں شائع ہوئے اس مضمون میں قاتل کی سزا پر جن خیالات کا اظہار کیا ہے اس سے اس زمانے کی خوشامدانہ ذہنیت کا پتہ چلتا ہے۔ اقتباس ملاحظہ ہو۔

”جب قائمقام شہنشاہ ایک ٹٹو پر سوار ہو کر پہاڑی پر چڑھ گئے اس وقت کل آٹھ سپاہی چھ چپراسی ہمرکاب تھے، وہاں کوئی پاؤ گھنٹہ قیام فرمایا فضا اور بہار کا لطف اٹھایا پھر عنانِ عزیمت پھیری معاودت کے وقت دو قیدیوں نے کچھ عرض کیا، جنرل سٹورٹ جو ان کے ہمراہ تھے فرمایا کہ حسب ضابطہ عرضی دو، زبانی نہ بول سکو گے وائسرائے بہادر سوا سات بجے شام کے گھاٹ پر پہنچے جس کے قریب چالیس قیدی رہتے تھے اس وقت بالکل تاریکی ہو گئی تھی، دور کا آدمی دکھائی نہیں دیتا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ نے مشعلیں روشن کرا کے دو آدمیوں کے ہاتھ میں دیں ایک ثلث راہ قطع ہوئی تھی دونوں مشعلچی چند قدم آگے بڑھ رہے تھے ..... میجر برن تین چار قدم کے فاصلے پر جانب چپ تھے کہ حضور ممدوح نے باصرار حضرت ملک الموت کشتی پر سوار ہونے کے لئے قدم بڑھائے اور ٹٹو کو تیز کیا .... اس وقت شیر خاں نامی سنگدل بیرحم، بہائم خصلت وخوش صورت پہاڑی جانور جو معلوم ہوتا ہے ان پر دوڑا اول اس سپاہی کو جو نواب صاحب کے قریب تھا دھکا دیا اور پھر اس مظلوم امیر کبیر کے ایک چھری بازوئے راست پر اور دوسری بازوئے چپ پر ماری جام عمر لبریز ہو گیا تھا زخم کاری آئے .... چند سپاہیوں اور ہمراہیوں نے اس خونخوار کو پکڑ گرایا اور غصہ میں مارنا چاہا، افسروں نے منع کیا اور زندہ رکھنے کا حکم دیا، کہتے ہیں کہ جب ممدوح گھائل ہو کر یا خود کود پڑے اور باوجود اس قدر صدمہ مہلک کے اپنی ہمت سے پانی میں کھڑے ہو گئے

اور اس واپسی ساعت میں یہ کلمات زبان سے فرمائے"

" اے برن مجھے ۔ ذرا میرا سر پکڑ لو " ہمراہیوں نے اسی وقت ایک گاڑی میں جو وہاں موجود تھی لٹا دیا اور کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح جہاز تک زندہ پہونچ جائیں لیکن افسوس خدا کو منظور نہ تھا تھوڑی دیر میں روح قالب خاکی سے آسمان بالا کو پرواز کر گئی ..... اس شیر علی قاتل کا حال اب تک یہ معلوم ہوا، اس کی عمر ۳۰ سال کی ہے ، رنگ اچھا ، قوی الجثہ ، طاقتور آدمی ہے والد کا نام مالی یا دلی ہے جمرود گاؤں کا جو متصل درخیبر واقع ہے رہنے والا ہے ۱۸۶۳ء میں میجر جیمس نے اسے ہندی سے آزاد کیا اور میر جعفر کی رجمنٹ کے ہمراہ ملک ہند میں بھیجدیا ۔ بعد اختتام جنگ میجر صاحب موصوف نے اسے اپنی اردلی میں رکھا چنانچہ وہ کرنیل ٹیلر صاحب کرنل میجر صاحب و کرنل پالکنر کے عہد میں بھی اسی خدمت پر بحال رہا اور جنگ انبیلا میں بسرداری کرنل ٹیلر خدمات لائقہ کیں، مارچ ۱۸۶۷ء میں اپنے ایک رشتہ دار حیدر کو بسبب تنازعہ خانگی ہلاک کیا، جرم اس پر ثابت ہوا مگر چونکہ اول وار اس کے دوست نے کیا تھا سزائے دوامی اور حسب الحکم عبور دریائے شور ہوا ۔ اس نے درخواست کی تھی کہ بجائے عبور مجھے پھانسی دی جائے اس نے اپنے جرم کا اقرار کیا اور کہا بہ ہدایت خدا میں نے ایسا کیا ہے اس کو حکم پھانسی بہ منظوری ہائی کورٹ ہو گیا ۔ مگر ہمارے نزدیک اس کو سزائے پھانسی کافی نہیں مگر پھانسی بعد عرصے کے ہونی چاہیے ان کے واسطے اول کوئی خاص سزا ہونی چاہیے مثلاً تشہیر کرنا ، پھر پنجرہ میں رکھنا خوب چابک ، دبید سے خبر لینا ، کبھی کبھی کوئی زخم لگا دینا ۔ اور بعد میعاد معین کے جو کم از کم پانچ سال ہونی چاہیے پھانسی دینا اور بعد پھانسی کے کامل دن بھر نعش کو لٹکائے رکھنا بہت لوگ بیان کرتے ہیں کہ یہ شخص عبد اللہ قاتل جسٹس

کا کوئی رشتہ دار تھا جیسا کہ ایک قیدی نے اظہار کیا کہ جب اس کے گھر سے خبر آئی کہ عبداللہ مارا گیا تو اسے بہت رنج ہوا اور چند روز بعد تمام قیدیوں کی دعوت کی اور ظاہر کیا کہ عنقریب ایک بڑا واقعہ ظہور میں آئے گا، وہ چھری جس سے اس نے نواب صاحب کو ہلاک کیا معمولی چاکو ہے جو باورچی خانوں میں ترکاری کے واسطے رکھتے ہیں۔"

اسی رسالہ فروری و مارچ ۱۸۷۲ء کے صفحہ ۱۰ پر لارڈ میو کے قتل کی پانچ تاریخیں چھپی ہیں ان میں سے دو درج کی جاتی ہیں ؎

جناب شیخ عبدالہادی صاحب ہادی ممبر انجمن ؎

شیر علی چوں ناگہاں کشت وزیر ہند را ۔۔۔ ۲ مکہ بلاد جو خویشتن بر ہمہ خلق جہاں
از پئے سال قتل او ہادی رقم زد این چنیں ۔۔۔ قتل شد آہ بے خطا از رہ ظلم ایں چنیں ۱۸۷۲

منشی حبیب الدین احمد سوزان سہارنپوری محب انجمن ؎

وزیر ہند در بلیر لب آب ۔۔۔ چو وقت شام از بالائے پل شد
بمرد وآن چناں شد در جہاں خاش ۔۔۔ کہ پنداری کہ از دہر حبا ڈہل شد
شنیدم کنا ندر آں وقت از سر درد ۔۔۔ بگفتا کہ چراغ عمر گل شد

۲۶ فروری ۱۸۷۲ء کی انجمن کی میٹنگ میں طے پایا کہ انجمن کی طرف سے لارڈ میو کی یادگاری میں ایک اخبار میو گزٹ جاری کیا جائے۔ اختر شہنشاہی نے لکھا ہے کہ جنوری ۱۸۷۲ء میں یہ اخبار شائع ہوا جو صحیح نہیں ہے۔ یہ مارچ یا اپریل ۱۸۷۲ء میں جاری ہوا تھا۔ عشرہ وار آٹھ صفحات پر مشتمل تھا۔ ایڈیٹر و مہتمم سید نصیر علی صاحب تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے آٹھ آنے تھا۔ مطبع مجتبائی دہلی میں چھپا تھا۔ انجمن پنجاب لاہور نے ۴ فروری ۱۸۷۳ء کے شمارے میں اس پر حسب ذیل تبصرہ کیا ہے:۔

" میوہ گزٹ ۔ میو کی یاد میں نکلا۔ پہلے جب نکلا تو اس کی بڑی چاہ ہوئی۔ اس کے حسن ظاہری و باطنی میں اکثر لوگ فریفتہ ہونے لگے اب سرگرمی نہیں سولہ صفحوں پر چھپتا ہے۔ کاغذ خط اچھا ہے۔ مضامین وغیرہ بھی درج ہوتے ہیں۔ اچھے ہوتے ہیں عبارت دہلی کی ہے جو بہت عمدہ ہے"۔

اس انجمن اور اس کے رسالے اور اخبار نے اردو کی اچھی خاصی خدمت انجام دی ہے، اس انجمن کا کام کب بند ہوا، اور یہ رسالہ اور اخبار کب تک جاری رہے۔ اس کا پتہ نہیں لگ سکا۔

(رسالہ جامعہ دہلی)

رسالہ عرب سرائے سوسائٹی

جناب مرزا الٰہی بخش کی کوششوں سے یکم مارچ ۱۸۷۱ء کو یہ سوسائٹی قائم ہوئی، جس کا پہلا اجلاس ۵ مارچ ۱۸۷۱ء کو مکان مدرسہ حضرت نظام الدین میں ہوا جس میں سوسائٹی کے حسب ذیل عہدیدار منتخب ہوئے۔

جناب مرزا الٰہی بخش صاحب پیٹرن، محمد سلیمان شاہ آنریری مجسٹریٹ دہلی پریسیڈنٹ، رائے بہادر بھیش داس آنریری مجسٹریٹ دہلی مولوی محمد ضیاء الدین صاحب پروفیسر دہلی کالج، لالہ سری رام ایم اے ماسٹر ضلع سکول دہلی وائس پریسیڈنٹ، لالہ فقیر چند صاحب سکریٹری، منشی سید احمد صاحب لالہ چرنجی لال صاحب اسسٹنٹ سکریٹری۔

اس سوسائٹی کا رسالہ ۱۸۷۱ء میں وجود آیا جس کے نکلنے کی کوئی تاریخ معین نہیں تھی آٹھ مہینے کے بعد بھی نکل آتا تھا۔ صفحات ۳۲ کے قریب ہوتے تھے۔ لالہ چرنجی لال مرتب کرتے تھے۔ شروع میں مطبع مجتبائی چاوڑی بازار میں چھپتا تھا۔ ان کے

تھوڑے عرصے کے بعد مطبع محمدی دہلی میں طبع ہونے لگا رسالہ کے سرورق پر یہ تاریخی رباعی چھپتی تھی ؎

چو شد مجلس علم تزئین پذیر! دل ہوشمنداں از و گشت شاد
سخندانی از روئے الہام گفت کہ تہذیب آداب اخلاق باد
۱۸۶۸ء

اس رسالہ کا مقصد علمی مضامین شائع کرنا اور مفید عام تجویزیں درج کرنا تھا۔ اس میں انجمن کی نشستوں کی کارروائیاں اور جو مضامین انجمن میں پڑھے جاتے تھے وہ بھی چھپتے تھے۔

عرب سرائے دہلی شہر کا ایک یہانی علاقہ ہے۔ اسمیں سوسائٹی قائم کرنے کا مقصد کیا تھا اس کی وضاحت سوسائٹی کے رسالے کے شمارے ستمبر تا دسمبر ۱۸۷۳ء کے ایک مضمون بعنوان" دیہات میں انجمن قائم ہونے سے کیا فائدہ ہے" میں کی گئی تھی جو یہ تھی۔

"(۱) دیہات میں انجمن اس لئے مقرر کی جاتی ہے کہ عموماً یہاں تربیت یافتہ کم ہوتے ہیں۔ پس یہاں کے باشندوں کو شوق دلا کر ان کی اولاد کو مدارس سرکاری میں جو سرکار نے اپنے فیض عامہ سے ہر قصبہ و گاؤں میں مقرر کرائے ہیں۔ داخل کرائے اور وقتاً فوقتاً اسی بارے میں مضامین لکھ کر ان کو تعلیم علمی کے فائدے و قوانین ذہن نشین کرے"۔

"(۲) انجمن میں جو ایک کتب خانہ مختلف علوم فنون کی کتابوں کا جمع کیا جاتا ہے اس سے اہل قصبہ فیضیاب ہوں"۔

"(۳) مختلف زبانوں کے اخبارات و گزٹ رسالے جات دیگر انجمن جو انجمن میں آتے ہیں تو ان سے باشندگان قصبہ و دیہات گھر بیٹھے دنیا کے حال و چلن حالات مختلف، طریقہ معاشرت معاملات ملکی و مالی و احکامات سرکاری وغیرہ سے واقف ہوں۔

(۴)، کار صفائی و انتظام شہر و درستی عمارات وغیرہ میونسپل کمیٹی کے متعلق ہوتا ہے۔

اسی سوسائٹی اور رسالے نے اپنے مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی حتی الامکان کوشش کی چنانچہ اسی مذکورہ مضمون میں سرائے کے محلوں کی گندگی کے بارے میں حسب ذیل شکایتیں تحریر کی تھیں۔

"عرب سرائے کے مغربی دروازے کے عین جڑ میں یہاں کے حلال خور حسب عادت نجاست ڈالتے ہیں اور وہی کچھوا کا راستہ ہے جب ہوا چلتی ہے تو جن لوگوں کے گھر اس دروازے کے قریب ہیں ان کو کیسی کچھ تکلیف ہوتی ہوگی اور جو شخص اس دروازے سے گذرتا ہے گھستے ہی خوش ہو جاتا ہے اس کو بھی جانیں و شمالی دروازے کا حال سنئے کہ اس کے مقابل میں شمس تاولی شمس الدین عطاء اللہ کے قبر برابر حلالخور کھات ڈالتے ہیں اور باغ بو حلیمہ والے پخانہ پھیرتے ہیں اور گوبر کے مانڈ ڈالتے ہیں اس کے سبب سے مقبرہ ہمایوں اور اس کی سڑک ہر وقت بسی رہتی ہے۔ لوگ اس میں تفریح کے واسطے جاتے ہیں الٹا دماغ پریشان ہوتا ہے حالانکہ صاحب ادھر سے گذرتے ہیں۔ مگر کوئی خیال نہیں کرتا درگاہ نظام الدین کا یہ حال ہے کہ مغربی و مشرقی دروازے کے مقابل کہ جن کو نالا دروازہ اور بیچ دروازہ بولتے ہیں برابر کوڑیاں پڑتی ہیں۔"

سوسائٹی کو اس صفائی کی کوشش میں کامیابی حاصل ہوئی جس کا ذکر اسی مندرجہ بالا مضمون میں ہے۔

"اگلے کا ذکر ہے کہ دونوں بستیاں درگاہ نظام الدین و عرب سرائے حلالخوروں کی غفلت سے نہایت غلیظ ہو رہی تھیں۔ حلالخور دروازوں کے مقابل میں طولاً ڈالتے تھے اور یہی دروازے پر پڑا اور کچھوا کی آمد و رفت ہیں اور ان ہی ہواؤں کے

یکاڑ و سنوار پر انسان کی صحت و بیماری کا مدار ہے اس پر ایک مضمون لکھ کر گوش گزار حکام کیا وہاں سے فوراً تحصیلدار صاحب کے نام حکم جاری ہوا۔ انھوں نے یہاں آکر دیکھا تو فی الواقع ڈلاؤ موجود تھے اس وقت حلالخوروں پر دو دو چار چار روپیہ جرمانہ کیا ہفتے کے اندر صاف کرنے کا حکم دے گئے۔ چنانچہ وہ دروازے پاک وصاف ہو گئے"۔

عرب سرائے اور ان سے متعلقہ دیہات کے لوگوں میں سوسائٹی نے مطالعہ کتب و اخبار کا ذوق پیدا کرنے کے لئے لائبریری کھولی تھی جسمیں ایک سال کے اندر تین سو کے قریب کتابیں جمع ہو گئی تھیں اور چار سال میں بائیس اخبارات و رسائل آنے لگے تھے اور حسب ذیل حضرات اپنے اخبار بھیجتے تھے۔

رائے ہرسکھ رائے صاحب پروپرائٹر مطبع کوہ نور لاہور۔ منشی جمیل الدین صاحب مالک و مہتمم لارنس گزٹ، منشی محمد حیات صاحب مالک نجم الاخبار میرٹھ، منشی محمد قاسم صاحب مالک قاسم الاخبار بنگلور، مولوی محمد علی صاحب مالک اخبار لاخیار لکھنؤ، منشی محمد عظیم صاحب مالک مطبع پنجابی اخبار لاہور، منشی سید محمود علی صاحب مینجر و مہتمم پٹیالہ اخبار، پنڈت مکند رام صاحب مالک مطبع پنجابی اخبار عام لاہور، خواجہ قمرالدین خاں صاحب مالک اردو اخبار دہلی، منشی مراری لال صاحب مالک مطبع سیدالاخبار دہلی۔

نیز زمرہ احباب بنگلور، انجمن مناظرۂ دہلی، ہندو پرکاش دھرم سبھائی امرتسر اپنے اپنے اخباروں سے انجمن کی امداد فرماتے تھے [1]

اسی کے ساتھ اس سوسائٹی نے تھوڑے سے عرصہ میں کتابیں بھی تصنیف کی تھیں اور دیہاتی سوسائٹی ہوتے ہوئے شہری انجمنوں کے مد مقابل بن گئی تھی

---

[1] رسالہ عرب سرائے سوسائٹی، دہلی ستمبر تا دسمبر ۱۸۶۳ء

جس کا اعتراف گارسان دتاسی نے اپنے مقالہ ۱۸۶۸ء میں کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے

"دہلی کے مضافات میں ایک مقام عرب سرائے ہے یہاں بھی ایک انجمن ہے یہ چھوٹی سی سہی لیکن دوسری علمی انجمنوں سے کسی طرح کم اہم نہیں یہ ایک ماہانہ رسالہ شائع کرتی ہے جو اپنی آزادی رائے کے لئے مشہور ہے۔ اس کی نگرانی میں کئی کتابیں تصنیف یا ترجمہ ہو چکی ہیں۔ یہ سب اس کے سکریٹری لالہ فقیر چند کا فیض ہے جن کی قابلیت اور خلوص سب پر عیاں ہے اپنے رسالہ میں انھوں نے کئی قابل ذکر مضامین لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک اردو شاعری پر ہے دوسرا پیچیدہ عبارت آرائی کے خلاف تیسرا القاب کے بیکار طول پر اور چوتھا انگریزی الفاظ کی بھرمار پر"۔ (۹۱)

اس سوسائٹی کے ممبران کی تعداد ۱۸۶۵ء میں ایک سو سے زیادہ تھی ۱۸۶۷ء میں اسی رہ گئے ۱۸۶۸ء میں ساٹھ ہو گئی جن میں قابل ذکر نام یہ ہیں۔

کپتان ہالرائڈ صاحب ڈائرکٹر محکمہ تعلیم پنجاب، مسٹر چارلس گلک صاحب انسپکٹر مدارس حلقہ انبالہ، مولوی محمد اظہار حسین خاں صاحب میر منشی گورنر جنرل ہند، پنڈت دھرم نرائن صاحب میر منشی رزیڈنسی اندور، مرزا محمد ثریا جاہ، مرزا محمد اقبال شاہ، نواب مرزا بیگ خاں صاحب، منشی محمد برکت اللہ، سید حکیم فیض علی منشی محمد فیض الدین (مہتمم مدرسہ زنانہ) لالہ کنھیا لال، پنڈت ہزاری لال، مسٹر ڈالچند ڈسٹرکٹ انسپکٹر لدھیانہ منشی ہرکشن داس مدرس موڈل سکول دہلی، منشی رحمان بخش خوشنویس نورمل سکول دہلی، نواب مرزا علاؤالدین والئے ریاست لوہارو، مولوی احمد حسین صاحب مدرس دویم، منشی اننت رام اسسٹنٹ سکریٹری، مولوی عبد اللہ صاحب سررشتہ دار شملہ، لالہ امراؤ سنگھ آنریری مجسٹریٹ دہلی، ڈاکٹر رادھا کشن سب سرجن دہلی لالہ پربھو دیال صاحب انسپکٹر ضلع دہلی، ماسٹر پیارے لال صاحب قائم مقام کیوریٹر بکڈپو پنجاب بابو فقیر چند صاحب سپرنٹنڈنٹ وہیڈ اسسٹنٹ انسپکٹر حلقہ مدارس

بہار وغیرہ۔

مولانا الطاف حسین صاحب حالی مترجم اُردو گورنمنٹ گزٹ پنجاب کا شمار رفقاء سوسائٹی میں تھا۔

سوسائٹی کی ماہانہ فیس چار آنہ تھی مگر بعض لوگ ایک روپیہ اور آٹھ آنے بھی دیا کرتے تھے۔ سوسائٹی کا ماہانہ خرچ سات روپیہ تھا۔ جس کی تفصیل یہ ہے

بابت جلسہ	ٹکٹ	تیل برائے مکان	کرایہ مکان	تنخواہ چپراسی
۸/	۸/	۸/	ایک روپیہ	چار روپیہ

کُل خرچ	بابت خرچ قلم و کاغذ
سات روپے	۸/

ابتداء میں سوسائٹی کا دفتر عرب سرائے کے مدرسے میں تھا۔ ۱۸۷۳ء میں دھرم سبھا کا مکان زیر تعمیر تھا۔ اس کے بننے کے بعد دفتر وہاں لے جانے کا ارادہ تھا۔ جس سے سوسائٹی کو کافی ترقی ہونے کی اُمید تھی۔

سوسائٹی کی میٹنگ مہینہ میں دو بار ورنہ ایکبار ہونا ضروری تھی۔ لیکن اس فیصلہ پر عمل نہیں ہوتا تھا مہینے میں ایکبار اور دو دو تین تین مہینے کے بعد بھی میٹنگیں ہوتی تھیں۔ ۱۸۷۳ء کا پورا سال گذر گیا اس میں ایک بھی میٹنگ نہیں ہوئی۔ میٹنگ کا کورم پانچ ممبران کا تھا۔

میٹنگ میں جو مضامین پڑھے جاتے تھے ان پر تبادلہ خیال کیا جاتا تھا۔ اور بعض سوالات بھی مقرر کئے جاتے تھے جس کے جوابات اخبارات میں شائع ہوتے ۹ر جولائی ۱۸۷۳ء کی میٹنگ میں حسب ذیل سوالات قائم کئے گئے۔

سوال اوّل۔ کیا سبب ہے کہ جب سے انگریزی حکومت ملک ہند میں

قائم ہوئی ہے ہر سال ہیضہ کی شکایت سی ہو جاتی ہے ہزارہا آدمی ضائع ہوتے ہیں۔ مسن آدمی بالاتفاق بیان کرتے ہیں اور نیز پہلی کتابوں اور تذکروں سے ثابت ہے کہ بادشاہوں اور راجاؤں کے وقت میں اس قدر ہیضہ کا زور شور کبھی نہیں ہوا تھا۔ دس پانچ سال میں کبھی وبا آئی سو پچاس آدمی مر گئے حالانکہ پہلے اس طرح کچھ بندوبست نہ تھا اب باوجودیکہ جابجا میونسپل کمیٹیاں قائم ہیں جو ادائے فرائض میں بہت چست و چالاک ہیں۔ صفائی چھڑکاؤ و بدرو وغیرہ کا خوب انتظام رہتا ہے جب یہ دن قریب آتے ہیں تو ایک شہر سے دوسرے شہر میں آمد و رفت بند ہو جاتی ہے مجھے خوب یاد ہے تین سال کا عرصہ ہوا۔ ہردوار کے میلہ والوں کو ہیضہ کے خوف سے دہلی میں نہیں جانے دیا۔ یونانی طبیب انگریزی ڈاکٹر بہت کوشش فرماتے ہیں صدہا روپیہ کی ادویات مفت تقسیم ہو جاتی ہیں۔ مگر ان حضرت کا علاج نہیں ہوتا ہر سال نئی طاقت کے ساتھ آتے ہیں۔ ہزاروں کو خاک میں سلاتے ہیں۔"

سوال دوم۔ کیا سبب ہے جب سے انگریزی حکومت ہند میں قائم ہوئی ہے ہمیشہ گرانی رہتی ہے مسن جہاندیدہ آدمی بیان کرتے ہیں کہ دو سیر کا تیل سیر بھر کا گھی کبھی دیکھا نہ سنا علاوہ اس کے تمام اشیاء گراں ہیں پہلے جب کبھی من بھر سے اناج کم ہوتا تھا تو تمام اشخاص کو اندیشہ ہوتا تھا اور اس کو قحط خیال کرتے تھے اب فصل پر بیس بائیس سیر کا اناج رہتا ہے حالانکہ بارش خوب ہوتی ہے زمین زیادہ کاشت کی جاتی ہے پیداوار بہت ہوتی ہے۔ فقیر چند سکریٹری۔

۱۲ر جولائی ۱۸۸۲ء کی مٹنگ میں حسب ذیل دو سوالات طے ہوئے۔

سوال۔ بتاؤ کیا کیا غرض پڑتی ہیں جس سے ایک زبان کا لفظ دوسری زبان میں آ کر بگڑ جاتا ہے۔

سوال دوم۔ شیرینی فروش کو دہلی لکھنؤ اور ان کے قرب و جوار میں حلوائی کہتے ہیں مسلمانوں کے عہد حکومت سے یہ لفظ جاری ہوا ہے کیونکہ حلوائی عربی زبان کا لفظ ہے مسلمانوں کے عملداری سے پہلے اس کی جگہ کونسا اور کس زبان کا لفظ مستعمل تھا۔ اب ہندوستان میں کونسے ایسے مقامات ہیں جہاں اس کے بجائے دوسرا لفظ بولا جاتا ہے اور وہ کس زبان کا ہے اور وہ کتنی حد میں رائج ہے۔

اس قسم کے سوالوں کا جواب اردو اخبارات شائع کرتے تھے۔ چنانچہ قحط اور گرانی غلہ کے جوابات اُردو اخبار دہلی۔ کوہ نور لاہور، انجمن پنجاب لاہور، پٹیالہ اخبار اور قاسم الاخبار بنگلور میں چھپے تھے۔ جن کے انتخاب کرنے اور چھپوانے کے لیے حکیموں ویدوں اور ڈاکٹروں کی کمیٹی مقرر کی گئی تھی۔

سوسائٹی کی ۱۸۶۲ء اور ۱۸۶۳ء کی میٹنگوں میں جو طبی، ادبی تعلیمی مضامین پڑھے گئے تھے وہ یہ تھے۔

(۱) بابت سل و دق مصنفہ حکیم بدرالدین صاحب (۲) کالی کولہ مصنفہ منشی نہال چند (۳) تصریح خلق مصنفہ حکیم بدرالدین صاحب (۴) مدرسۂ اسلامیہ کے بارے میں انجمن عسرسرائے کی رائے۔ مصنفہ ایک رکن سوسائٹی (۵) ہندوستان کی طولانی تحریر مصنفہ چمنجی لال سکریٹری سوسائٹی (۶) انتظام صحت مصنفہ منشی سید احمد صاحب دہلوی (۷) گرانی وغلہ کثرت حدوث مرض ہیضہ مصنفہ جناب مولوی طالب علی صاحب۔

"سرسید مرحوم" نے جب علیگڑھ کالج کی بنیاد ڈالنے کا ارادہ کیا تو اخبارات میں یہ اعلان شائع کرایا کہ اخبارات و سوسائٹیاں یہ رائے دیں کہ یہ مدرسہ کس مقام پر قائم کیا جائے۔ سوسائٹی نے دہلی میں قائم کرنے کا مشورہ دیا اور یہ مشورہ مئی تا دسمبر ۱۸۷۳ء کے شمارے میں بعنوان "مدرسہ اسلامیہ کے بارے

میں انجمن عنبر سرائے کی رائے" چھپا مضمون دلچسپ ہے اور دلائل معقول تھے اس لئے اس کے اقتباس نقل کئے جاتے ہیں۔

"(۱) اس سرزمین کو قدیمی فخر یہی حاصل ہے مسلمانوں سے بیشتر تو یہاں اکثر بڑی بڑی عظیم الشان راجاؤں نے اپنی راجدھانی قائم کی تھی اور جب مسلمان آئے تو شہر خاص دارالسلطنت کے واسطے مخصوص ہو گیا۔ اکبر کے علاوہ جتنے بادشاہ ہوئے ان سب کا یہی دارالریاست رہا۔"

"(۲) یہاں کے علوم فنون کی سبب لوگوں کے دلوں میں اوّل ہی سے جگہ ہے آپ جانتے ہیں یہاں کیسے بڑے عالم فاضل کامل ہو گذرے ہیں کہ آج تک ہند میں ان کا ثانی نہیں ہوا۔ اور بباعث دارالسلطنت یہ مقام ہمیشہ دارالعلوم رہا ہے۔ ہر علم و فن کا آدمی یہاں پایا جاتا تھا۔ امیر خسرو، خواجہ نظام الدین، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، مولانا شاہ عبدالعزیز، اسد اللہ خاں غالب وغیرہ کی تصنیفات پر خیال کرو کہ ان لوگوں کے علم نے ممالک دور دست میں کیسی شہرت پائی ہے۔"

"یہاں کے فنون کا حال آپ خوب جانتے ہیں کہ جو چیز دہلی میں تراش خراش کے عمدہ سے عمدہ طیار ہوتی ہے ہندوستان میں اور جگہ ایسی کم بنتی ہے یہاں ہر قسم کا کاریگر اور ہر فن کا استاد موجود رہا ہے اور اب بھی کوئی قدرداں ہو تو عمدہ سے عمدہ چیز طیار ہو سکتی ہے۔"

(۳) چونکہ یہ مقام اُردو کا منبع اور ماخذ ہے اس لئے یہاں کی گفتگو ایسی فصیح اور شستہ ہے کہ ہر ایک بات کی اسی جگہ سے سند لی جاتی ہے۔ اگر یہاں مدرسہ قائم ہوا تو ہم یقین کرتے ہیں کہ اس جگہ علما، فضلا و دیگر لائقوں کی صحبت سے ان لوگوں کو علم کے علاوہ زبان میں بڑی مدد پہنچے گی۔ یہ شہر

تمام ہندوستان کا خلاصہ ہے جو آتا ہے یہیں کا ہو رہتا ہے بقول حضرت مولانا الطاف حسین حالی مدظلہ العالی۔

بس اب یقیں ہے کہ دلی کے ہو رہے — ہے ذرہ ذرہ مہر افزا اس دیار کا

(۴) "یہاں کے باشندے مہذب، خوش لباس وطباع، عالی دماغ بالاتفاق سب کے نزدیک جانے جاتے ہوں۔ دہلی کی نشست و برخاست خوش کلامی خوش پوشاکی، آداب مجلس وغیرہ ایک عالم میں مشہور ہے چھوٹے چھوٹے بچوں کے ادب، لحاظ، مروت، اہلیت، حیا، سنجیدگی، عقل کی صفائی، عالی دماغی ان کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے۔ یہی تو سبب ہے کہ جس سے یہاں ہمیشہ بڑے بڑے عالم فاضل ہوئے ہیں خدائے تعالی نے اس خط کو یہ تاثیر عطا فرمائی ہے اگر اشرف البلاد شاہجہاں آباد کہیں تو بجا ہے"

یہ حقیقت ہے کہ ہندوستانی اب تک تکلفات کے عادی ہیں جس کا رنگ تحریر میں بھی آجاتا ہے لیکن جس قدر پچھلے زمانے میں اس بات کا زور تھا وہ اب بہت کم ہوگیا ہے پہلے تحریر میں بہت لفاظیت ہوتی تھی بعض بعض کتابیں اس زمانے کی ایسی ہیں کہ ان میں صفحے صفحے پڑھ جائیے کوئی مطلب کی بات نہیں نکلے گی۔ اس طرز تحریر کے خلاف منشی جرنجی لال کا مضمون بعنوان "ہندوستانیوں کی طولانی تحریر" ستمبر لغایت دسمبر ۱۸۷۳ء میں چھپا تھا۔ جس کے اقتباس یہ ہیں۔

" اہل ہند کا مدت سے یہ شیوہ ہے کہ مطلب کی دو باتوں کو دو بیگھے میں ادا کرتے ہیں ہمارے خوشامد کے مکتوب الیہ یا حاکم کو اپنے ثنائی لفظوں میں وہ مذبہ دیتے ہیں کہ اس سے اعلی کے لئے لکھتے وقت بغلیں جھانکنے لگتے ہیں۔ ادنی اشارہ ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور آخرکار وہی الفاظ ان کی شان میں کبھی

لکھتے ہیں ... جب کبھی کسی اپنے عزیز اقارب کو کوئی خط لکھتے ہیں تو تین تک میں القاب ہوتا ہے اور دو بیگہ میں آداب، فقرات شوقیہ وغیرہ کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں ... اسی طرح تمام تحریر کو لندن پھندن میں الجھا دیتے ہیں اور آخر کو جو دیکھا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ لالہ جی یا میاں صاحب نے صرف یہ لکھا ہے کہ میں تندرست ہوں آپ کی خیر و عافیت مطلوب ہے مدت سے کوئی خط نہیں، آیا طبیعت کو گونہ خیال ہے ۔ ملاحظہ کیجئے کیسا خلاف عقل شیوہ اختیار کر رکھا ہے جس کو بندے نے پوری ایک سطر میں بھی نہیں لکھا۔ اسے دو دو صفحے میں لکھتے ہیں۔ اگر فارسی ہے تو نرالی ڈھنگ کی اور جو اُردو ہے تو وہ نیم فارسی یا لفظی ترجمہ ... اہل ڈاک کو اس طولانی تحریر سے کئی طرح کے نقصان ہوتے ہیں اوّل تو خطوں کے لفافے اس قدر بھرے ہوتے ہیں کہ مہر لگانی دشوار ہو جاتی ہے اور جو بہزار خرابی مہر لگائی بھی جاتی ہے تو مہر شدہ ڈھیر میں جتنی دیر میں فارسی کا ایک خط جدا کیا جاتا ہے دتنی دیر میں انگریزی دس چھٹیاں بلکہ اس سے زیادہ نکل سکتی ہیں۔"

اس سوسائٹی کا خیال ایک اخبار نکالنے کا تھا جس کا فیصلہ سوسائٹی کی میٹنگ ۲۳ مئی ۱۸۶۲ء میں کیا گیا تھا جو مئی لغایت دسمبر ۱۸۶۲ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

"اس انجمن سے ایک اخبار جو ورقہ شائع ہوا کرے اور اس میں صحیح صحیح خبروں کے علاوہ مضامین مفید عام ماہران فن و فاضلانِ علم کے تذکرے اور ان کے تجربے و رویداد انجمن وغیرہ درج ہوا کرے اور اس ذریعہ سے اہلِ انجمن کی رائے حکام تک پہنچائی جائے تاکہ حکام و رعایا میں کامل ارتباط کی بنیاد پڑے اور حکام کا منشا رعیت پر اور رعیت کی غرض حاکم پر بہ آسانی ہو

بخوبی ظاہر ہو جایا کرے مگر یہ بات اس وقت حاصل ہوگی جب سوسائٹی میں خاطر خواہ سرمایہ جمع ہو جائے گا۔"

غالباً اخبار اس لئے جاری نہیں ہو سکا کہ سوسائٹی کے پاس روپیہ فراہم نہیں ہوا۔

رسالہ دہلی ایسوسی ایشن

یہ رسالہ ۱۸۷۳ء میں دہلی سے ظہور پذیر ہوا۔ ابتدا میں اس کے جاری کرنے کی کوئی تاریخ مقرر نہیں تھی پہلے شمارے میں ۱۵ اپریل ۱۸۷۳ء کی میٹنگ کارروائی سے لے کر ۲ دسمبر ۱۸۷۳ء تک کی میٹنگوں کی روئیدادیں شائع ہوئی ہیں گویا ۱۸۷۳ء میں اس رسالہ کا صرف ایک شمارہ شائع ہوا۔ اسی پہلے شمارے میں یہ اعلان کیا گیا کہ شروع سال ۱۸۷۴ء سے رسالہ سوسائٹی کا چھٹے ماہ چھپا کرے گا۔

یہ رسالہ ممبران ایسوسی ایشن کو مفت دیا جاتا تھا۔ ۸۱ صفحات پر مشتمل تھا۔ رسالے کے مرتب کرنے والے ایسوسی ایشن کے اسسٹنٹ سکریٹری لالہ رامجیدا سن تھے۔ مطبع نرائنی دہلی میں چھپتا تھا۔

اس رسالہ میں ایسوسی ایشن کی میٹنگوں کی روئیداد اور میٹنگوں میں جو مضامین سنائے جاتے تھے وہ درج ہوتے تھے۔ یہ ایسوسی ایشن ۱۵ اپریل ۱۸۷۳ء کو وجود میں آئی۔ اس کے صدر منشی مہاراجہ لال وکیل اور سکریٹری لالہ دلیر سنگھ تھے اور ایسوسی ایشن کے حسب ذیل ممبران تھے۔

ماسٹر کشن چند، منشی سندر لال، پنڈت بشیشر ناتھ گوسامی وہلی، نواب محمد میرزا خاں، بابو رجنی کینتو مکرجی، مولوی نجم الدین مدرس اول سنسکرت اسکول دہلی، بابو سورج مل، سید فخر الدین، منشی گوری شنکر لیکچرار، لالہ دلیر سنگھ، محمد نذیر حسین، رائے جانکی ناتھ، بابو نہال چند رائے، سندر لال، لالہ سیتا رام، ماسٹر پیارے لال، لالہ چند لال، بابو مکند لال،

ماسٹر تلسی رام، لالہ نند لال، منشی آغا میاں، لالہ رامچندر وغیرہ۔

اس ایسوسی ایشن کے یہ قواعد ضوابط تھے۔

اوّل اس ایسوسی ایشن کا جلسہ ایک ماہ میں دوبار یعنے پندرھویں دن ہوا کریگا۔

دوم۔ سوائے جلسوں خاص کے موسم گرما میں ساڑھے پانچ بجے جلسہ شروع ہوگا۔ اور ساڑھے سات بجے تک رہے گا۔

سوم۔ لیکچرر مضمون ایستادہ ہوکر پڑھے گا۔

چہارم۔ تصفیہ ہر امر کا کثرت رائے پر ہوگا۔ اور اگر رائے ممبروں کی دونوں جانب برابر ہو تو ان ممبروں کی رائے کا پلہ عظیم سمجھی جاویگی جن کے ساتھ صاحب پریسیڈنٹ اتفاق رائے کرے۔

پنجم۔ بعد اختتام بحث مضمون ہر ایک ممبر کو اختیار ہوگا کہ نسبت امور متعلقہ ایسوسی ایشن کے گفتگو کرے اور جو امر اس کی بہبودی کے واسطے ہو بیان کرے۔

ششم۔ صرف جلسہ میں ایک مضمون ہوا کرے گا۔

ہفتم۔ کوئی ممبر نیا اخبار ایکدن سے زیادہ اور پرانا دودن سے زیادہ نہ رکھے۔

ہشتم۔ ممبران سوسائٹی کو اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہئے کہ فیس ہر ماہ کی دسویں تاریخ تک پیشگی وصول ہو جایا کرے۔ اور فیس کی تین شرح مقرر کی گئی ہیں۔ جو صاحب ایک روپیہ ماہوار دیں گے ان کی خدمت میں نیا اخبار اردو اور انگریزی روز پہنچا کرے گا۔ اور جو صاحب آٹھ آنہ ماہوار دیں گے ان کی خدمت میں اخبار دوسرے روز۔ جو صاحب چار آنہ دیں گے ان کی خدمت میں چوتھے روز اخبار پہنچا کرے گا۔ ممبران کو اس بات کا لحاظ ضرور چاہیئے کہ کسی اخبار پر کچھ نہ لکھیں

اس ایسوسی ایشن میں جو مضامین پڑھے جاتے تھے اُن پر ممبران تبادلہ خیال کرتے تھے۔ مضامین حسب ذیل قسم کے ہوتے تھے۔ ان کے عنوانات ملاحظہ ہوں۔

(۱) فوائد علم مصنفہ ماسٹر شکن چند (۲) فوائد تجارت مصنفہ لالہ گوری شنکر (۳) فوائد راست گوئی مصنفہ لالہ راجمیداس (۴) شادی بیوگان مصنفہ ماسٹر شکن چند (۵) فوائد ریل مصنفہ منشی سیتارام (۶) صرف وقت در تحصیل علم مصنفہ لالہ راجمی داس (۷) کفایت شعاری مصنفہ لالہ گوری شنکر (۸) پہنائی زیور بچوں کے مصنفہ لالہ راجمیداس (۹) اصلیت اقسام خواب و عدم موجودگی جنات وغیرہ۔

ہندوستان میں انگریزوں کے آنے کے بعد جس وقت شروع شروع میں ریل جاری ہوئی ہے تو لوگ اس کو بڑی حیرت سے دیکھتے تھے اور عجیب و غریب خیالات کا اظہار کرتے تھے اور عوام اس کی اہمیت کو نہیں سمجھتے تھے۔ چنانچہ ریل کے فوائد کے ساتھ لوگوں کے دلوں میں اس کے مضر اثرات بھی تھے۔ چنانچہ منشی سیتارام صاحب نے اپنے مضمون فوائد ریل میں اُس کے مضر اثرات کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ مضمون رسالے کے پہلے شمار سے ۱۸۷۳ء میں شائع ہوا ہے۔ اس کے اقتباس یہ ہیں۔

فائدہ اول۔ ریل کے ہونے سے اول تو صریح فائدہ یہ ہے کہ وہ جو صد دور دراز کی راہ میں بمشکل طے ہو سکتا تھا اب یکمشت میں باسانی طے ہو سکتا ہے جس میں سیر بھی ہوتی ہے جو تفریح طبع سے خالی نہیں۔

فائدہ دوئم۔ کچھ زر کرایہ بھی اسقدر زیادہ نہیں دینا ہوگا ہم کو یقین ہے کہ جس قدر روپیہ ہم کو سواری گاڑی وغیرہ میں صرف کرنا ہوتا ہے بہمہ وجوہ نصف سے زیادہ خرچ نہیں ہو سکتا۔

فائدہ سوم۔ سواری ریل سے تجارت کو بہت فائدہ ہوا ہے ایسے صدہا اشیاء ایسی ہیں جو مثلاً دو سو یا چار سو کوس پر پیدا ہوتی ہیں اور ان کو اگر دو یا چار

روز سے زیادہ رکھا جائے تو بالکل پژمردہ ہو جاتے ہیں اور گل بھی جاتے ہیں لیکن اس صورت میں بجز ریل کے اور کسی طرح ان کا لانا نا ممکن معلوم تھا اس سے آڑھتیہ بیوپاریوں کو بھی بڑا فائدہ ہے مثلاً فرض کیجئے کہ اسوقت انبالہ میں کوئی شئے چار روپیہ میں فروخت ہو رہی ہے اور یہاں وہ دو روپیہ میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ وہاں کے آڑھتیہ نے اطلاع دی کہ فلاں شئے کے یہاں لانے سے اس قدر فائدہ ہو سکتا ہے۔ اب فرض کیجئے کہ اگر ریل نہ ہوتی تو بسواری گاڑی چھ یا سات روز میں وہ پہنچ سکتا اس عرصہ میں اگر وہاں کچھ نرخ زیادہ ہو گیا تو اُلٹا نقصان اُٹھانا پڑتا..... لیکن اسی طرح ریل سے چند قسم کے نقصان بھی ہیں منجملہ اس کے اوّل یہ ہے کہ وہ لوگ جو سواری رکھ کر اس کے کرایہ سے اوقات بسر کرتے ہیں ان کا بہت نقصان ہوا۔ دوسرے یہ کہ فرض کرو کہ کسی آدمی نے یہاں شب کو چوری کی۔ اور کل مال و اسباب لے کر بذریعہ ریل کانپور پہنچا یہاں جب صبح کو اس کی تلاش ہوئی تو وہ تو کہاں سے ملے اور بے چارے بے گناہ، گرفتار ہو کر لاچار دو چار روز تو ضرور مخمصہ میں گرفتار رہے پھر اگر تقدیر درست ہے بری ہوئے ورنہ سزا پائی اور اس نے وہاں جا کر عیش منائے اب اگر ریل نہ ہوتی تو وہ بیس کوس سے زیادہ کبھی نہ جا سکتا تھا۔ بلکہ چور تو چور، خونی کا بھی اس طرح جانا اور بیگناہوں کا اشتباہ میں گرفتار ہونا ممکن ہے۔"

ہندوستان میں بچوں کو زیور پہنانے کا عام رواج تھا۔ یہ طریقہ رئیسوں نے جاری کیا تھا جن کو غریبوں نے بھی اختیار کیا تاکہ کہیں ان کی غربت کا اظہار نہ ہو جائے۔ اس رواج سے بچوں کو بھی نقصان اٹھانا پڑتا تھا جس کی وجہ سے اس زمانے کی سوسائٹیوں اور رہبروں نے اس کی مخالفت کی۔ اخبارات و رسائل میں اس کو ختم کرنے کے لئے مضامین لکھے گئے۔ چنانچہ اس ایسوسی ایشن کے سکریٹری

لالہ رام جی داس نے بھی اپنا ایک مضمون بعنوان "پہنائی زیور بچوں کے" مٹنگ میں پڑھا۔ جو اسی پہلے شمارے ۱۸۷۳ء میں چھپا ہے۔ اس کے اقتباس نقل کئے جاتے ہیں۔

" یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگ ان قباحتوں سے واقف ہیں مگر بہ سبب کم ہمتی اس رسم کو دور نہیں کر سکتے اور عورتوں کے کہنے میں آکر کچھ خیال نہیں کرتے یہ یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ جب یہ لوگ ایک رسم کے ایسے پیرو ہیں اور ایسے معتقد ہیں تو پھر ان پر فہمائش اور نصیحت کب اثر پذیر ہو سکتی ہے بعض بعض جاہل لوگ اس نصیحت سے اعتراض کرتے ہیں اور ناصح کے تئیں اپنا حاسد سمجھتے ہیں۔ میری رائے میں بچوں کو زیور پہنانا اور ادھر ادھر پھرنے سے مزاحم ہونا بچوں کے حق میں زہر ہلاہل کا حکم رکھتا ہے وہ شخص جو کہ بچوں کو زیور پہناتے ہیں بیشک ان کے جانی دشمن ہیں اور انجام کار نہیں سمجھتے کہ انجام اس زیور پہنانے کا اور پھرنے سے ممانعت نہ کرنے کا کیا ہوگا۔ یہ بھی ضرور ہے کہ ہر ایک کام کا انجام ضرور سمجھ لے۔ بعض جاہل لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اگر ہم زیور نہ پہنائیں گے تو لوگ ہم کو غریب اور کم مایہ سمجھیں گے افسوس صد افسوس ان کی اوندھی عقل پر کہ ان طعنوں پر تو اپنا خیال کرتے ہیں اور ان کی زیان جان کا بالکل خیال نہیں کرتے چنانچہ اکثر وارداتیں اس کی ظہور میں آتی ہیں۔ جن کو پڑھنے اور دیکھنے سے دل چاک چاک ہوتا ہے مگر پھر بھی جاہل لوگ زیور پہنانے سے باز نہیں آتے میری رائے میں گورنمنٹ کو بھی اس طرف توجہ ضرور کرنی چاہیئے اور اس امر جانکاہ کا ضرور انسداد کرنا چاہیئے احاطہ بنگال کے مانند یہاں بھی اس امر کی منادی کرانی ضرور چاہیئے کہ جس بچے کو زیور پہنے ہوئے دیکھا جاویگا اس کے ورثا پر جرمانہ ہوگا۔"

رسالہ انجمن رفاہ عام راجپوتانہ

۵ / اپریل ۱۸۷۲ء کو اجمیر میں سائر کے مکان میں یہ انجمن قائم ہوئی۔ جس کے

قیام کی تجویز اس میٹنگ میں سیٹھ شمیرمل صاحب آنریری مجسٹریٹ نے پیش کی اور تائید سیٹھ چاندمل صاحب نے کی اور یہ طے پایا کہ آئندہ میٹنگ میں انجمن کے عہدیدار منتخب کئے جائیں۔ دوسری میٹنگ ۱۵ اپریل ۱۹۰۲ء کو رائے منشی امین چند صاحب جوڈیشنل اسسٹنٹ کمشنر درج سمال کاز کورٹ ضلع اجمیر کے مکان میں ہوئی۔

جس میں پنڈت بھاگرام صاحب نے کہا کہ آپ لوگوں کو اس لئے تکلیف دی گئی ہے کہ آپ سے معلوم کیا جائے کہ اس شہر میں راجپوتانہ علاقہ کے فائدہ کے لئے انجمن قائم کی جائے یا نہیں۔ اس بارے میں آپ اپنی رائے دیں جس پر سید نادر علی شاہ سیفی اور حافظ محمد حسین نے تائید کرتے ہوئے کہا کہ اس کی شہر کو بہت ضرورت ہے اس کے بعد متفقہ طور پر انجمن کے قائم کرنے کی تجویز پاس ہوگئی۔ اور اسی میٹنگ میں پنڈت بھاگ رام صاحب سکریٹری اور پنڈت جیا لال اسسٹنٹ سکریٹری منتخب ہوئے اور صدارت کا انتخاب آئندہ کی میٹنگ کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ انجمن کے نام پر کافی بحث ہوئی اور اس کا نام انٹرنیشنل ایسوسی ایشن رکھا گیا۔

تیسری میٹنگ ۳۰ جون ۱۹۰۲ء کو منعقد ہوئی۔ اس میں انجمن کے نام پر عذر پیش ہوا کہ انجمن کی غرض تو نہایت صالح ہے مگر جو انگریزی نام رکھا گیا ہے یہ یورپ کی اصلاح میں ایسی انجمنوں کا نام ہوتا ہے جو سلطنت جمہوری کے طور پر قائم کرتے ہیں۔ چنانچہ انجمن کا نام راجپوتانہ سوشل ایسوسی ایشن یعنے انجمن رفاہ عام راجپوتانہ بدل دیا گیا۔ اور صدر انجمن رائے منشی امین چند صاحب مقرر ہوئے اور اس کی بعد کی مختلف میٹنگوں میں مہاراج کشن ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بندوبست ضلع اجمیر وائس پریسیڈنٹ سکریٹری سید نادر علی شاہ سیفی بنائے گئے۔

۱۹۰۲ء کو یہ رسالہ اجمیر سے جاری ہوا۔ پہلا شمارہ ابتدار اپریل لغایت اگست ۱۹۰۲ء کا تھا جس پر نمبرا جلدا تحریر ہے۔ مطبوعہ کوہ نور لاہور چھپا تھا۔

برائے ہر سکھ رائے پروپرائٹر ۸۲ صفحات پر مشتمل تھا اس میں قیمت کوئی درج نہیں تھی اس رسالہ میں انجمن کی میٹنگوں کی کارروائی اور وہ مضامین جو میٹنگ میں سنائے جاتے تھے چھپتے تھے۔ پہلا شمارہ جاری کرنے سے قبل رسالہ نکالنے کی کوئی مدت معین نہیں تھی لیکن یکم ستمبر ۱۸۶۲ء کی میٹنگ میں طے ہوا کہ ہر سہ ماہ کے بعد رسالہ نکالا جائے۔ جس پر دیوان بوٹا سنگھ نے وعدہ کیا کہ میں اصل خرچ پر چھاپ دیا کروں گا۔

اس انجمن کے ممبران حسب ذیل اشخاص تھے۔

سیٹھ شیر مل صاحب سیٹھ چاندمل صاحب۔ پنڈت جیالال ہیڈ ماسٹر گورنمنٹ اسکول، حکیم میر نظام علی صاحب جاگیر دار و آنریری مجسٹریٹ منشی اجودھیا پرشاد صاحب سپرنٹنڈنٹ بندوبست، منشی گنیشی لال صاحب تحصیلدار، میر شفیع حسین صاحب ولی دیوان درگاہ۔ لالہ شنکر لال صاحب وکیل، بابو اننتی لال صاحب عبدالستار صاحب نائب تحصیلدار، میر وزیر علی صاحب دیوان بوٹا سنگھ مالک مطبع میو پریس، حافظ محمد حسین صاحب، میر نظام علی صاحب وکیل، لالہ بنسی دھر صاحب وکیل، ناظر محمد امانت حسین صاحب شرف ضلع، میر حفیظ علی صاحب متولی درگاہ، چودھری دل سنگھ رائے، سردار بھگت سنگھ اسسٹنٹ انجینئر، سیٹھ گنج مل صاحب، ڈاکٹر الٰہی بخش صاحب ڈاکٹر اجمیر قاضی منیرالدین رئیس، میر عبداللطیف صاحب وکیل، لالہ شنکر لال صاحب وکیل، نواب محمد مردان علی خاں صاحب نظام الدولہ دیوان جودھپور، نواب محمد فیض علی خاں صاحب ممتاز الدولہ دیوان جے پور، پنڈت من پھول صاحب دیوان بیکانیر، حکیم عبدالنبی خاں صاحب دیوان دھولپور، خلیفہ محمد حسین خاں صاحب وزیر اعظم ریاست پٹیالہ، رائے منشی ہر سکھ رائے ایڈیٹر اخبار کوہ نور لاہور، منشی نولکشور صاحب

مالک اخبار اودھ لکھنؤ وغیرہ۔

اس انجمن کے اغراض و مقاصد حکام محکوم میں رابطہ قائم کرنا اور ملک کی ترقی کی ضرورتوں کو پورا کرنا تخفیف اخراجات شادی تعلیم نسواں صنعت و حرفت کے مدرسے قائم کرنا، مٹنگوں میں تقریر کرنا مضامین پڑھنا اور انہیں تبادلہ خیال کرنا تھے شادی کے تباہ کن اخراجات کو ختم کرانے کے لئے، انجمن کے عہدیداروں اور ممبروں نے بیحد کوشش کی۔ ہر قوم و ذات کے با اثر لوگوں کی فہرستیں بنا کے بعد مٹنگیں کی گئیں۔ حتی کہ مہینے میں تین تین جلسے ہوئے۔ ان میں لوگوں کو بیحد سمجھایا گیا کہ ان اخراجات سے سوائے پریشانیوں اور تباہی کے کوئی اچھا نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔ پنڈت شیو نرائن نے ہندی میں اور حافظ محمد حسین نے اردو میں ان اخراجات کے خلاف مضمون لکھا جو رسالے کے پہلے شمارے میں شائع ہوا۔ اور ان کو پمفلٹ کی شکل میں چھپوا کے لوگوں میں تقسیم بھی کیا گیا۔ اس پمفلٹ کے آخری حصہ کا اقتباس نقل کیا جاتا ہے۔

"جو لوگ آسودہ مالدار ہیں ان کو اس میں توجہ اول چاہیے اور ان کا یہ کہنا کہ ہر شخص کو اختیار ہے جو چاہے صرف کرے مقدور نہیں ہے تو کیوں اپنے مقدور سے زیادہ خرچ کرتے ہیں اس میں دوسرے کے ذمہ کیا برائی ہے میں کہتا ہوں کہ وہ تمہارے طعنہ کے ڈر سے زیادہ خرچ کرتا ہے اور تم نے ایسی رسم ڈال رکھی ہے اگر نہیں کرے تو تم انگشت نما کرو اسواسطے تمہارے ذمہ تمام برائی ہے اگر نیت تمہاری صاف ہے تو غریبوں پر رحم کھا کر نیک نیتی سے کیوں نہیں ایک قاعدہ مقرر کرتے ہو اور یہ ہمیشہ سے قدرتی بندوبست چلا آتا ہے کہ بڑوں کے ساتھ چھوٹے، اور مالدار کے ساتھ غریب اور عقلمندوں کے ساتھ بے وقوف رہتے ہیں جو ان کو کرتے دیکھتے ہیں وہی یہ کرنے

لگتے ہیں:

تعلیم نسوانی کی طرف توجہ دلانے کے لئے بھی انجمن نے سعی کی۔ اور تعلیم نسواں پر منشی چتر بھوج صاحب سے ایک کتاب لکھوائی گئی جس کو چھپوا لئے اور اس کے نقص و صواب کو دیکھنے کے لئے حسب ذیل حضرات کی ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔

پنڈت جیالال صاحب، پنڈت امولک چند صاحب، پنڈت شیونرائن صاحب لالہ بنسی دھر صاحب، مولوی علی اصغر صاحب۔ سید نادر علی شاہ صاحب سیفی۔

رسالے کے پہلے شمارے ۱۸۶۷ء میں حسب ذیل مضامین چھپے تھے۔

(۱) جیبھی ڈالنے کے صندوقوں کا زیادہ ہونا بہت ضرور ہے۔ مصنفہ مہاراج کشن صاحب (۲) تخفیف اخراجات شادی مصنفہ حافظ محمد حسین صاحب (۳) محصول لفافے خطوں کی رجسٹری کا میں بے فائدہ دشواری مصنفہ مہاراج کشن صاحب۔ (۴) انجمن کے فوائد مصنفہ پنڈت بھاگ رام صاحب (۵) دخل در معقولات مصنفہ مہاراج کشن صاحب (۶) سنسکرت کی ترقی مصنفہ پنڈت ہریشچندر شاستری (۷) انجمن کے فوائد مصنفہ پنڈت جیالال صاحب (۸) تعلیم اہل اسلام و دیگر اقوام ہند مصنفہ رائے منشی ہرسکھ رائے ایڈیٹر کوہ نور لاہور (۹) یادگار لارڈ میو وائسرائے ہند مصنفہ بھاگ رام صاحب۔ (۱۰) عام فائدے مصنفہ لالہ بنسی دھر صاحب۔ (۱۱) ملازمت اعلیٰ مصنفہ پنڈت مہاراج کشن صاحب۔

انگریزوں نے ابتداء میں ہندوستانیوں کو ذلیل و حقیر کرنے اور ان کے حقوق کو پامال کرنے کے بہت سے طریقے اختیار کئے تھے جس میں اعلیٰ ملازمتیں بھی تھیں۔ وہ ہندوستانیوں کو نہیں بلکہ انگریزوں کو ہی دی جاتی تھیں یہ انجمن اور اس کے اراکین زیادہ تر انگریزوں کے بہی خواہ اور مداح خواں تھے۔ لیکن بعض بعض موقعوں پر ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں کے امتیازی سلوک پر روشنی ڈالا دیتے

تھے۔ چنانچہ پنڈت مہاراج کشن صاحب نے اپنے مضمون "ملازمت اعلیٰ" میں تحریر کیا ہے۔

"پچھلی سلطنت میں علم وکمال ذریعہ تھے اعلیٰ خدمات اور بلند مناصب ملتے تھے اب قانون ہے کہ کسی ہندوستانی کو وہ خدمت نہ ملیگی جو اہل یورپ کو دیجاتی ہے یا یہ کہ اس کے حاصل کرنے میں اسقدر سخت پابندی مقرر کرکے چھوڑی ہے کہ جو غیر ممکن الوقوع میں داخل ہے تو پھر کیا ضرور ہے کہ خواہ مخواہ تضیع اوقات کریں کیونکہ سب کام دنیاوی روٹی کے واسطے ہیں پس قیاس کا مقام ہے کہ جب انسان کا دل ٹوٹ جاوے تو کس طرح سے اور کس امید پر حصول کمالات میں سعی کرسکتا ہے" تعلیم کے بارے میں لوگوں کا نظریہ بدلتا جارہا ہے۔ اعلیٰ تعلیم پانے کے بعد عام طور پر تعلیم یافتہ طبقہ آرام طلب کاہل اور ناکارہ ہوجاتا ہے سوائے ملازمت کرنے کے ان سے کوئی دوسرا کام نہیں ہوسکتا۔ اور ملازمت ملنا بھی آجکل عنقا ہوگئی ہے۔ اس لئے لوگ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ اعلیٰ تعلیم نہ دلائی جائے بلکہ میٹرک تک تعلیم دلانے کے بعد تجارت یا دستکاری کے کاموں میں لگا دیا جائے۔ چنانچہ انہی خیالات کا اظہار آج سے ۴۹ سال قبل پنڈت مہاراج کشن صاحب نے اپنے مضمون "دخل درمعقولات" میں کیا ہے۔

"بھلا جار انصاف ہے کہ پھر وہ کیونکر اب سکولوں سے نکل کر ہل اور تیشہ چلا سکتے ہیں۔ ادھر ماں باپ جورو بچے روٹی کپڑا مانگتے ہیں ادھر ان کو کسی پیشے کے کرنے کی مہارت نہیں ہوئی اور پیشے کے اختیار کرنے میں حقارت معلوم ہوتی ہے اور آرام طلبی میں صعوبات وتکلیفات دھوپ سردی کی برداشت نہیں کرسکتے .... نوکری کی تلاش میں کچہریوں کے آس پاس مثل اژدھام مگسان حلوائی کے پڑے پھرتے ہیں۔ ابھی تھوڑا عرصہ گذرا کہ مدراس میں ایک اسامی پنڈت

کی محسن مدرسی میونسپل کے واسطے کئی سو درخواست اُمیدواروں کی گذریں جس میں بعض اُمیدوار امتحان بی اے کا بھی پاس کر چکے تھے جو مصیبت دجنا ہزار ہا بیاری جوان لڑکوں پر جو اقلیدس وجبر ومقابلہ وغیرہ کے پڑھنے میں روا رکھی گئی ہیں اور فنون وصناعت کے سیکھنے سکھانے کا نام ہندوستان نہیں ہے اور اس وجہ سے ان کی بیش بہا زندگی مفت ضائع ہوتی ہے .... کمیٹیاں خود تجویز کر سکتی ہیں کہ کہاں کہاں کس کس صنعت کے سکھانے کے واسطے مدرسے قائم کرنے چاہئیں قصبات میں میں ایک بھاری مدرسہ ترقی قواعد کاشتکاری کے عمدہ عمدہ وسائل ذکات قائم کئے جائیں۔ اور اس میں زمینداروں کے لڑکے تعلیم دیئے جاویں تو کیوں نہیں اس ملک میں ترقی کامل صیغہ زراعت میں حاصل ہووے۔"

ہندوستان میں انگریزی حکومت کے خلاف سب سے زیادہ نفرت مسلمانوں نے کی۔ چونکہ انگریز ہندوستانیوں کے مذہب کو بدلنے کی کوشش کرتا تھا اور اس کے لئے اس نے تعلیم کو بھی ایک ذریعہ بنایا تھا۔ سکولوں اور کالجوں میں عیسائیت کا علی الاعلان پروپیگنڈا ہوتا تھا اس لئے مسلمانوں نے سرکاری سکولوں میں داخلہ لینا گوارا نہیں کیا بلکہ انگریزی زبان سے بھی نفرت کی اور اس کے پڑھنے کو برا سمجھا جس کی وجہ سے تعلیم میں پیچھے رہ گئے چنانچہ منشی ہرسکھ رائے نے مسلمانوں کے تعلیم میں پیچھے رہنے کی وجہ اپنے مضمون میں یہی کہا ہے۔

"میں خیال کرتا ہوں کہ علم اخلاق اور مذہب وہ چیز ہے کہ ہر ملک اور ہر ملت میں وہ مرغوب ہے اور مطلوب بھی اور قدیم دستور بھی یہی تھا کہ مذہبی کتب مدرسوں اور مکاتب میں ہی پڑھائی جاتی تھیں مگر سرکار انگریزی میں برخلاف اس کے برتاؤ ہے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کو اپنے بچے مدارس سرکاری میں پڑھانے پسند نہیں۔"

گارساں دتاسی نے اپنے مقالہ ۱۸۷۵ء میں اس انجمن کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے۔

"اجمیر ہی کو لے لیجیے، کئی سال سے نئے خیالات کی اشاعت وہاں نظر آ رہی ہے۔ مقامی انجمن رفاہ عام کا کام ہی یہ ہے کہ دقیانوسی رسوم کی بیخ کنی کرے۔ پچھلے دسہرے کے موقع پر انجمن نے ایک صنعتی نمائش منعقد کی تھی۔"

مئو میموریل گزٹ

دہلی محلہ تراہا بہرام خاں مکان نواب دبیرالدولہ خواجہ فرید خاں سے انجمن رفاہ رعایائے دہلی نے ۱۸۷۳ء عشرہ وار یہ اخبار جاری کیا جو آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ مہتمم خواجہ احمد خاں احراری سکریٹری انجمن تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے چار آنے تھا۔ مطبع مجتبائی میں چھپتا تھا۔

رسالہ انجمن مذاکرہ علمیہ

پٹنہ قلعہ بمکان سید ابو محمد صاحب رئیس نے یہ ماہانہ رسالہ ۸ر مارچ ۱۸۷۳ء کو نکالا۔ بتیس صفحوں پر مشتمل تھا۔ نائب میر جناب نواب حاجی سید ولایت علی خاں اس کے بانی اور منشی حسن علی صاحب مہتمم تھے۔ سالانہ چندہ چھ روپے تھا۔ مطبع بہار میں چھپتا تھا۔

"رسالہ انجمن مفید عام"

۶ر جولائی ۱۸۷۶ء کو قصور میں اس انجمن کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے صدر ڈپٹی محمد نادر بخش صاحب اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر قصور، نائب صدر منشی جگن ناتھ صاحب تحصیلدار قصور، جناب منشی جگت کشور منصف قصور اور سکریٹری منشی سید نجاں صاحب ڈپٹی انسپکٹر قصور اور جناب مولوی مرزا فتح محمد بیگ رئیس پٹی تھے اور ممبران کی تعداد ۳۲۵ تھی۔ جن میں سے حسب ذیل نام معلوم ہو سکے۔

ایچ ڈبلیو جناب مسٹر اسٹیل صاحب ڈپٹی کمشنر فیروزپور جناب [illegible] صاحب

سپرنٹنڈنٹ ضلع فیروزپور، جناب بابو مہتاب سنگھ صاحب اسسٹنٹ سرجن شفا خانہ قصور، جناب مولوی مرزا افضل بیگ صاحب مختار عدالت ماتحت چیف کورٹ پنجاب سید چراغ شاہ ممبر کمیٹی، چودھری نامدار صاحب ذیلدار، چودھری غضنفر صاحب ذیلدار، لالہ رو یال صاحب لالہ رام صاحب ممبر کمیٹی، سردار کرم سنگھ صاحب، شیخ غلام رسول صاحب ستانہ، لالہ تہانا مل صاحب ممبر کمیٹی، شیخ بخش صاحب ممبر کمیٹی، چودھری احمد خان نمبردار، سردار علی شاہ صاحب ذیلدار، شیخ عبدالرحمن صاحب، لالہ اتم چند صاحب ممبر کمیٹی، چودھری خیرالدین صاحب نمبردار، چندا سنگھ صاحب، کیسر سنگھ صاحب ذیلدار رستوگی، لالہ گلاسی مل صاحب، حافظ حبیب اللہ صاحب انڈر سکرٹری، لالہ بھوانی صاحب قانون گو۔ بدری ناتھ ہیڈ ماسٹر اسکول قصور، شیخ امام الدین صاحب نائب شرف، نواب احمد یار خاں صاحب نائب تحصیلدار قصور، دیوان سرندناتھ صاحب خلف الرشید جناب دیوان بجیا بہنہ صاحب دیوان رام جس صاحب مدارالمہام ریاست کپورتھلہ، منشی سالگرام صاحب منصف چونیاں وغیرہ۔

انجمن کے اغراض و مقاصد یہ تھے جو دسمبر ۱۸۷۹ء کے شمارے رپورٹ سالانہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔

"اس مجمع کا کام" با لمقدور ملک کی مروجہ زبانوں کے ذریعے سے قدیم علوم شرقی وجدید فنون مغربی کی اشاعت کرنا اور عموماً دیسی زبان والی کو ترقی دینا اور جہاں تک ہو سکے ملک کی بہبودی و ترقی عزت و دولت و تہذیب و درستی میں سعی کرنا، دیسی اور یورپ کے کارخانوں میں سے ان کاموں کا جو پنجاب میں مفید ہوں جاری کرنا یا جاری کرنے کی تحریک کرنا اور رسومات قبیحہ کے انسداد میں کوشش کرنا، انتظام ملکی بہت ادب کے ساتھ پیش کرنا اور گورنمنٹ کی خیر خواہی کی تمام رعایا کو صلاح دینا اور اس کے عمدہ اصولوں سے مطلع کرنا۔"

ان اغراض و مقاصد کی اشاعت کے لیے ۱۸۶۲ء میں قادری پریس قائم ہوا جس میں مختلف اداروں اور لوگوں کی کتابیں چھپتی تھیں جس کی آمدنی انجمن کے کاموں میں صرف کی جاتی تھی۔ اسی پریس سے اگست ۱۸۶۴ء کو انجمن کا رسالہ شائع ہوا اختر شہنشاہی میں اس کے جاری ہونے کی تاریخ مارچ ۱۸۶۵ء لکھی ہے مہینے کا یہ فرق ہے صحیح نہیں ہے اس لیے کہ پہلا شمارہ جولائی اگست ۱۸۶۴ء کا نکلا تھا۔

یہ رسالہ ادبی علمی صنعتی تعلیمی اور اصلاحی تھا۔ اس میں انجمن کی کارروائیوں کے ساتھ بڑے معیاری معلوماتی ٹھوس مضامین چھپتے تھے۔ تاکہ لوگ علوم قدیم و جدید سے آشنا ہو جائیں اس رسالہ کی حقیقت اس کے ایڈیٹر کی قلم سے سنئے جو دسمبر ۱۸۶۵ء کے پرچے کی زینت بنی ہے۔

" اس مطبع سے جو ماہوار رسالہ منظر اشاعت علوم و فنون شائع ہوتا ہے سال ہذا میں نہ صرف اس کے واسطے سے معمولی علوم قدیمہ اور جدیدہ کو مثل علم منطق و حرف و نحو و حساب و علم جر ثقیل وغیرہ وغیرہ کے شائع کیا گیا بلکہ اس نے نہایت جدید اور مفید علوم مثل مناظرہ و مرایا اور علم کمسٹری اور جیالوجی اور علم طبعی اور علم مقیاس الہوا وغیرہ وغیرہ کو بھی شائع کیا۔ سال حال کے رسالہ کے ذریعہ سے نہ فقط علمی و فنون ہی شائع ہوئے بلکہ اس کے ذریعہ سے بہت سے علوم اخلاقی اور تمدنی بھی مشتہر کیے گئے۔ اور بڑے بڑے روشن ضمیر مثل آنریبل سید احمد خاں صاحب بہادر و ماسٹر رام چندر صاحب سکریٹری مجلس رڑکی و ڈاکٹر فتح چند اسسٹنٹ سرجن رڑکی و دیگر ارباب کے مضامین بھی اس میں طبع ہوئے۔ بہت بڑا کارنامہ جو سال حال میں انجمن نے کیا اور جس کو بذریعہ رسالہ بھی چھاپا کہ مجلس نے سال ہذا میں ملکی اور قومی مضامین کو نہ صرف شخصی خیالات کی تائید پر منحصر رکھا بلکہ اس مطلب پر اس نے متعدد جلسے کیے اور مختلف معاملات کی نسبت انجمن کی

جمہوری رائیو کو بھی شائع فرمایا اسی سنہ کے ابتداء میں اس نے دیسی پنچایتوں کے تقرر کے معاملہ پر عام رائے حاصل کر کے جملہ رائیوں کو رسالہ جون میں طبع کیا"۔

اسی انجمن کے رسالہ سے ہم کو انجمن کے کاموں اور خدمات کا علم ہوا۔ کہ اس نے کتنے علمی، صنعتی، ادبی اور تعلیمی کام انجام دیئے۔

وہ تعلیم جو بقول اکبرالہ آبادی بچوں کو کاہل، ناکارہ، بیباک اور گستاخ اور باپ کو بیٹا خبطی سمجھنے لگے اور سوائے کلرکی کرنے کے کسی دوسرے کام کو کرنے پر آمادہ نہ ہو اچھی نہیں ہے بلکہ تعلیم کے ساتھ اگر صنعت بھی طالب علم کو سکھائی جائے تو اس کے لئے مفید اور اس کی زندگی کے لئے کارآمد ثابت ہو سکتی ہے چنانچہ اسی نظریہ کے تحت اس انجمن نے صنعت کی طرف زیادہ توجہ دی جس کا اظہار نمبر ۱۸۷۹ء کے شمارے میں کیا ہے۔

" اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ ہر ایک چیز کی خوبی اور خوبصورتی اور ہر قسم کے خیالات کی ترقی، ترقی تعلیم پر منحصر ہے لیکن وہ تعلیم جو کافی اور کامل طور پر نہ ہو جیسا کہ آجکل ہند میں ہوتی ہے اس کی نسبت کسی قسم کے فنون کا سیکھنا مستحسن اور مفید ہے اس لئے آجکل ہند میں مدرسوں کے طلباء کی نسبت صناعوں اور اور کاریگروں کو حصول معاش میں بہت کچھ سہولت اور مقدرت حاصل ہے اور ماسوا اس کے چونکہ تعلیم فنون بھی ایک قسم کی تعلیم ہے جس پر غالباً نصف یا دو تہائی اہلِ ممالک کی معاش کا انحصار ہوتا ہے اور اس کی طرف ہند کے کسی حصہ ملک کی توجہ نہیں ہے اس لئے مجمع ہذا کی توجہ بڑی گرمجوشی کے ساتھ امر مذکور کی طرف مبذول رہتی ہے"۔

اس پروگرام کے مطابق انجمن نے ایک مدرسہ صنعت کاری قائم کیا تھا جس میں قالین، دری، لنگی باقی، سوزن کاری اور لکڑی خراد کا کام سکھایا جاتا تھا۔

اور ان کاموں کے سیکھنے کے لئے استاد مقرر ہوئے تھے۔ ان طلبا، کا ہر سال امتحان لیا جاتا تھا۔ شاگردوں استادوں کو سند دینا اور انعام دیا جاتا تھا یہ مدرسہ کسی بڑے اور مشہور شہر میں نہیں تھا۔ ایک معمولی سے قصبہ قصور میں تھا۔ لیکن اس کی کارگذاری بڑے شہر کے مدرسوں سے کسی طرح کم نہیں ہوتی تھی۔ سالانہ سرکاری رپورٹوں میں اس کی کاموں کی تعریف کی جاتی تھی۔ چنانچہ ۱۵ جنوری ۱۸۷۵ء کو لفٹننٹ گورنر پنجاب نے انجمن کے اس مدرسہ دستکاری کا معائنہ کرکے یہ رائے دی تھی جو دسمبر ۱۸۷۹ء رسالہ کی زینت بنی تھی۔

"مدرسہ صنعت کاری متعلق انجمن قصور کے ہے قابل مشاہدہ ہے۔ بہت سا کام اس کا نہایت ہی عمدہ ہے۔ یہ سنکر خوش ہوا کہ اشیاء تیار شدہ انجمن فی الفور فروخت ہو جاتی ہیں۔ کوئی امداد گورنمنٹ سے نہیں ہے۔ اس کارخانہ کیواسطے اور اگر یہ اسی طرح بے سہارا خود چلتا رہے تو بہتر ہے بہ نسبت اس کے کہ منحصر ہو غیر کے سہارہ پر۔ نسبتہً اجرائے اس کارخانے کا بہت اچھا معلوم ہوتا ہے اور وہ اشخاص جو اس کارخیر میں اپنی صلاح و مشورے یا دیگر طور سے مدد دیتے ہیں وہ یقیناً اپنے ملک کی بہبودی کے واسطے نیک کام کر رہے ہیں۔ اس ملک میں صنعت و حرفت کے قائم کرنے کی بہت ضرورت ہے۔"

۱۸۷۹ء میں اس مدرسہ میں کتنے طلبا، مذکورہ کام سیکھتے تھے اور کون کون استاد تھے اور طلبا، کے کیا وظیفے اور استادوں کی کیا تنخواہ تھی اسکی معلومات حسب ذیل نقشے سے ہوتی ہے جو دسمبر ۱۸۷۹ء کے پرچے میں شائع ہوا ہے۔

رچھ سال کے عرصہ میں طلبا، نے صیغۂ قالینوں میں کافی ترقی کی تھی۔ حالانکہ یہ کام کافی مشکل ہے لیکن طلبا، نے اپنی محنت سے اس کام کو سیکھا۔

	نام استاد	نام شاگرد	تنخواہ
صیغہ قالین	نبی بخش		عــه
		ہدایت علی	للعہ
		کرم علی	ے
		ساون	ے
		الہ بخش	للعہ
		عزیز کشمیری خاں	للعہ
		خال بہادر	ے
		شہاب الدین	صہ
		امام الدین	عصا
		عمرالدین شاہ	۸ر
		شیر خاں	۸ر
لنگی بافی	جیوا		عــه
	امام الدین	عبداللہ	للعہ / ے
دری بافی	بدھو شاہ		عــه
	ستو		عہ
		سراج الدین	صہ
		ٹیکا	عا
		کریم بخش	عمہ
		اکبر علی شاہ	عمہ
		ماہی	عم

	نام استاد	نام شاگرد	تنخواہ
صیغہ سوزن کاری	اروڑا		سہ
		فتح الدین	للعہ
		خیرالدین	ے
		نظام الدین	عصا
		قمرالدین	عصہ
		شیرا	عا
		پیر بخش	۱۲ر
		الٰہی بخش	۱۲ر
		فتاح	۱۲ر
		غلام حسین	۱۲ر
		غلام محمد	۸ر
		جمعدار	
زین سازی	رام پرشاد		صہ
		سلطان	للعہ
		الہ بخش	۱۲ر
صیغہ مستری خرادی	میاں بخش معری		عسه
	الہ دیا		عــه
		سلطان	عا
	شہاب الدین	چیڑاسی	صہ

چھ سال کے عرصے میں انجمن نے کیا کام کئے۔ اس کی بھی سرسری رپورٹ اسی دسمبر ۱۸۷۹ء کے رسالہ میں چھپی ہے۔ جو یہ ہے۔

"گذشتہ چھ سال کی کارروائیوں پر نظر کرنے سے بیان پر بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ مجمع ہذا سے قومی اور ملکی بہتری کے لئے تخمیناً سالانہ ۷۵ جلسے منعقد فرمائے اور ۳۵۰ علمی مضمون مشتہر کئے ۲۷۰ طالب علموں نے عرصہ مذکور میں مختلف فنون کی تعلیم میں کامیابی حاصل کی۔ اور اس جملہ فوائد کے منبع اور مخرج یعنی مدرسے صنعت کاری اور کتب خانہ اور چھاپہ خانہ وغیرہ وغیرہ کو انجمن نے قائم کیا۔ اور مستحکم کیا جس سے اس امر کے تسلیم کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں ہو سکتی کہ مجلس ممدوح نے بلاشبہ ہمیشہ رہنے والی نیکی کا انتظام کیا ہے۔"

اس انجمن کا مقصد زنانہ اور مردانہ اسکول جاری کرنا بھی تھا۔ چنانچہ ایک مردانہ اسکول کمشنر لاہور کے نام پر پلاؤڈن اسکول کھولا گیا۔

سنہ ۱۸۷۸ء میں اس کے طلباء کی تعداد سو سے کم تھی۔ اس میں عربی فارسی سنسکرت پڑھائی جاتی تھی۔

سنہ ۱۸۷۹ء میں کاشتکار طلباء ۹۵ اور غیر کاشتکار ۹۶ کل ۱۹۱ تھے۔ اوسط حاضری ۱۵۰ تھی۔ معلمین کون تھے ان کی تنخواہ کیا تھی اور کتنے طلباء وظیفے پاتے تھے۔ حسب ذیل نقشے سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ جو دسمبر سنہ ۱۸۷۹ء کے شمارہ میں درج ہے۔

اس مدرسہ میں اساتذہ قابلیت کے اعتبار سے مقرر کئے جاتے تھے۔ اس میں ہندو مسلمان کی کوئی قید نہیں تھی۔ چنانچہ لالہ بدری ناتھ صاحب جو ہیڈ ماسٹر مقرر ہوگئے تھے۔ ان کی قابلیت اور ذہانت کا ہر شخص معترف تھا، اسی طرح بابو لوی سنگھ بڑے لائق اساتذہ میں شمار ہوتے تھے۔ مولوی جلال الدین بھی فارسی میں بڑے ماہر تھے۔ پنڈت کنھیا لال کی سنسکرت دانی کا پورے پنجاب میں

دھوم تھی۔

تعداد مسلمان معلم	عہدہ و تنخواہ		تعداد مشاہرہ	وظیفہ
نام معلم	عہدہ	تنخواہ	تعداد وظیفہ خواران	وظیفہ
لالہ بدری ناتھ صاحب	ہیڈ ماسٹر	للعہ	ہردت سنگھ	عہ
بابو دیوی سنگھ صاحب	سکنڈ ماسٹر	عہ	محمد خاں	۱۲ر
مولوی جلال الدین صاحب	مدرس فارسی	عہ	کریم بخش	۸ر
مولوی امام الدین صاحب	دویم مدرس فارسی	عہ		
مولوی خیر الدین صاحب	مدرس پرائمری اول	عہ		
پنڈت کنھیا لال صاحب	مدرس سنسکرت	عہ		
منشی ارجن داس صاحب	اسسٹنٹ ٹیچر	ے		
میاں غلام محمد صاحب	اسسٹنٹ ٹیچر	ے		
رام چندر	چپراسی	صہ		

لڑکیوں کی تعلیم کے لئے شہر میں چار مدرسے قائم ہوئے تھے جن میں ابتدائی تعلیم دی جاتی تھی اور اسی کے ساتھ امور خانہ داری بھی سکھائی جاتی تھی۔

ہمارے سامنے اس رسالے کے جولائی تا دسمبر ۱۸۶۹ء کے چھ پرچے ہیں دسمبر کے پرچے میں اس سال کے بارہ پرچوں کے مضامین کی فہرست شائع ہوئی ہے جو یہ ہے۔

مقیاس الہوا کا بیان مولفہ رادھاکشن صاحب، ملکی آسودہ حالی علم پھیلانے

پر موقوف ہے مؤلفہ مولوی مرزا فتح محمد بیگ، علم ہوا، فیرنگ فرہنگ، اصول علم جر ثقیل، فوٹوگراف، ستیا مدلی، انگریزوں اور ہندوستانیوں میں میل جول نہ ہونے پر ایک درجن وجوہات، انگریزی تعلیم ہندوستانیوں کے واسطے، عزت، جغرافیہ، محط تعمیر، ہماری قوم کو کیا کرنا چاہیے، مدس حالی پر ریویو، حب ایمانی اور حب انسانی، نومبر کا تمام رسالہ میں مسئلہ جہاد

اس رسالہ میں مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا الطاف حسین حالی کے معلوماتی مضامین شائع ہوئے ہیں۔ چنانچہ مولانا حالی کی مسدس کے ۲۴ بند اور حسب ذیل تبصرہ اکتوبر ۱۸۷۹ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

اس کتاب میں مصنف نے پہلے کچھ اپنا حال بیان فرمایا ہے۔ پھر ایک بوڑھے سید کی تحریک (جس سے غالباً جناب مہدی زماں نجم الہند مولانا مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر سی، ایس، آئی، کونسلر گورنر جنرل بہادر ہندمراد ہے) اس مسدس کے لکھنے کا ذکر کیا ہے اور اس کے بعد ایک تمہید نہایت دلچسپ دل آویز اسلام کی موجودہ حالت کی نسبت تسطیر فرمائی ہے۔ اور ازاں بعد جناب سرور کائنات فخر موجودات محمد الرسول اللہ صلعم کی بعثت کا ذکر فرمایا ہے پھر ترقی اسلام کا حال لکھا ہے ازاں بعد تنزل اسلام کا حال قلمبند کیا ہے اور اسی لئے اس کتاب کا نام مد و جزر اسلام رکھا ہے یہ اس کا پہلا حصہ ہے جو اس وقت ہمارے سامنے رکھا ہوا ہے اور یہ سنا جاتا ہے کہ اس کا دوسرا پارٹ بھی تیار کیا گیا ہے۔ جس خوبصورتی اور خوش اسلوبی اور فصاحت و بلاغت اور سادگی اور اختصار کے ساتھ یہ کتاب لکھی گئی ہے اس کی تعریف کرنا یا اس کی بابت کوئی مدحیہ الفاظ لکھنا چھوٹا منہ بڑی بات ہے پھر تقدیر اسلام کا اس چھوٹی سے موزوں سہانی ہوئی نظم میں ایسا خاکہ کھینچا ہے کہ جس سے پڑھنے

والے کے دل پر اثر روشن پیدا ہوتا ہے اور دفعتہً قاری چشم پر آب ہو جاتا ہے اور اسی غرض کے لئے یہ بے نظیر کتاب لکھی گئی ہے کہ مسلمانوں کو غیرت اور شرم دلائی جائے اور ان کو خواب غفلت سے بیدار کیا جائے۔ اس لئے میری رائے ہے کہ اس مضمون کو بطور ڈرامے کے دکھایا جاوے کیونکہ جیسے یہ کتاب مستطاب اپنی ذات میں بے مثل و بے نظیر ہے ویسا ہی اس کو ایک عمدہ طور پر دکھایا اور سنایا بھی جاوے۔ اور اس سے یہ فائدہ ہوگا کہ جس غرض کے لئے وہ لکھی گئی ہے وہ غرض بھی عمدہ طور پر حاصل ہوگی اور اس قاعدے سے مسلمانوں کو بھی فائدہ ہوگا اور جو روپیہ اس سے جمع ہوگا وہ مدرسۃ العلوم کو دیا جائے گا"۔

اس انجمن کے کرتا دھرتا اور ذمہ دار لوگ زیادہ تر سرکار پرست تھے۔ ہر صورت سے سرکار کی خوشنودی چاہتے تھے۔ چنانچہ نومبر ۱۸۷۹ء کے پرچے شمارے میں مسئلہ جہاد پر بڑے زور سے بحث کی گئی ہے جس سے ان کے آقا انگریز خوش ہوں اور ان کے خلاف عوام میں کسی قسم کا جذبہ پیدا ہو۔

گارساں دتاسی نے بھی اس انجمن کا ذکر اپنے دو مقالے ۱۸۷۵ء اور ۱۸۷۶ء میں کیا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"پنجاب کے شہر قصور میں صنعت و حرفت کی ہمت افزائی کے لئے ایک انجمن ہے پچھلے سال ۱۴ نومبر کو اس کا ایک جلسہ پنجاب کے وزیر مال مسٹر ایجرٹن کے اعزاز میں ہوا تھا اس موقع پر مولوی غلام نبی خاں نے جو ایڈریس پڑھا اسے میں نیچے درج کرتا ہوں ..... آج اس چھوٹی سی بستی میں علم کی روشنی جگمگا رہی ہے لیکن کل کی بات ہے کہ یہاں اردو فارسی کے ایک دو لٹے پھوٹے مدرسے کے سوا کچھ نہ تھا۔ لاہور کے پرانے کمشنر کی سرپرستی میں ہم نے سال بھر پہلے ایک سکول بنایا جس میں اپنی زبانوں کے علاوہ

انگریزی جغرافیہ حساب وغیرہ کی تعلیم کا بھی انتظام کیا۔ اس کے بعد ہم نے یہ انجمن بنائی اور اس کے آگے یہ مقاصد رکھے (۱) ایک چھاپے خانہ کا قیام (۲) ایک علمی رسالہ کا اجرا جس کے کئی نمبر بھی نکل چکے ہیں۔ (۳) پبلک کے لئے ایک کتب خانہ کی تنظیم (۴) ایک کارخانہ کا قیام جس میں دری اور ریشم کی چادر وغیرہ بنائی جائے۔ اس میں صرف مرد نوکر رکھے جاتے ہیں۔ ایک اور کارخانہ سلائی، گل کاری وغیرہ کے لئے ہے جس میں صرف عورتیں نوکر ہیں ان کارخانوں کے سامان کی بکری کے لئے اتوار کو خاص طور پر بازار لگتا ہے اس وقت اس انجمن کے تین سو ممبر ہیں۔ جن میں گیارہ یورپین بھی ہیں۔ (مقالہ ۱۸۷۵ء صـ ۱۷۹)

(۲) ضلع لاہور کے قصبہ قصور میں ایک انجمن قائم کی گئی ہے حالانکہ اس کی عمر بہت کم ہے اور اس کے کارکنوں کی تعداد بھی گنی چنی ہے تاہم ان کی کامیابی قابل ستائش ہے اس وقت انجمن کے ارکان ۲۲۸ ہے ہمیں امید ہے کہ جو لوگ صنعت و حرفت ...... کے حامی ہیں ہر طرح انجمن کی حوصلہ افزائی کریں گے اس کے ماہانہ رسالے کے خریداروں کی تعداد ۳۲۵ ہے اس کی ترتیب میں اچھے اچھے لکھنے والے حصہ لیتے ہیں اور پچھلے سال سب ملا کر اس میں ۶۵ مضامین نظم و نثر درج ہوئے۔ صنعت و حرفت کے طلباء کی تعداد ۱۲۵ ہے انجمن کے اینگلو اردو اسکول میں ۲۳۴ طالب علم ہیں انجمن کے کتب خانہ میں مختلف زبانوں کی ۷۴۲ کتابیں ہیں جن میں سے کچھ تو لوگوں کی دی ہوئی ہیں اور کچھ خریدی ہوئی ہیں ایسے چھوٹے سے شہر میں اتنی کارآمد انجمن کی موجودگی بڑی تعریف کی بات ہے۔ انجمن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے زراعت کی طرف توجہ کی ہے زراعت صرف پنجاب ہی کا نہیں بلکہ ملک بھر

کاتب سے اہم پیشہ ہے (مقالات ۱۹۶۲ء صفحہ ۲۸۲)

رسالہ انجمن اسلام لکھنؤ سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۸۷۵ء کو نمودار ہوا۔ ۲۲ صفحات پر نکلتا تھا یہ انجمن اسلام کا آرگن تھا۔ انجمن کے سیکرٹری مجلس سید امتیاز علی علوی وکیل حامی انجمن مولانا عبدالعزیز محدث منشی سید عبدالعظیم بلگرامی منصرم انجمن اس کے ایڈیٹر تھے سالانہ چندہ بارہ روپے تھا مطبع مجمع العلوم میں چھپا ہوتی تھی۔

رسالہ انجمن تہذیب کانپور محلہ اٹاوہ بازار سے اکتوبر ۱۸۷۵ء کو یہ سہ ماہی رسالہ شائع ہوا۔ یہ انجمن تہذیب کانپور کا ترجمان تھا۔ ۴۲ صفحات پر مشتمل تھا۔ صدر انجمن مولوی سید محمد مہدی مہتمم سید حافظ عبداللہ بلگرامی مدرس نائب مہتمم مولوی عبدالجلیل صاحب وکیل تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا مطبع نظامی میں چھپتا تھا۔

اس انجمن نے کیا کام انجام دیے اس کا ذکر گارساں دتاسی نے مقالات دوئم میں کیا ہے۔

"کانپور میں انجمن تہذیب کے نام سے مسلمان یتیموں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک ادارہ قائم ہوا ہے۔ ثانوی مقصد مسجدوں کی مرمت اور دیکھ بھال ہے یہ انجمن اب تک کئی مسجدوں کی مرمت کرا چکی ہے حکومت نے جن یتیموں کو عیسائی مشنریوں کے حوالے کر دیا تھا وہ انجمن کو واپس مل جائیں گے اور ان کی پرورش و تعلیم کا معقول انتظام کیا جائے گا۔ (۲۹۱)"

اس رسالہ پر ناصر الاخبار دہلی نے اپنے شمارے ۱۲ جنوری ۱۸۷۶ء میں تبصرہ کیا ہے۔ تحریر کرتے ہیں۔

"دو رسالے پہنچے پہلے کے ریویو میں جو دیر ہوئی اس کی معذرت کے بعد

ہم دونوں رسالوں کو دیکھتے ہیں گو ہم اپنے ملک کی انجمنوں کی ذلیل حالت پر متاسف ہیں لیکن پھر بھی خوش ہیں کہ روز بروز ترقی ہوتی جاتی ہے اور کچھ نہ کچھ کر رہی ہیں۔ چنانچہ یہ انجمن گواہ بھی ہوئی کہ اتنے کام کئے (۱) مسجدوں کی مرمت (۲) فیض عام مدرسہ اور ایسے مدرسوں کی مدد۔ (۳) کلام اللہ کی ردی خرید کر اسلام کی عزت بچائی۔ یہ تو پہلے سے اسی کی کارروائی ہوئی آپ کے مضامین بہت برجستہ پڑھے گئے مسلمانوں کی ترقی کی تدبیریں سوچی گئیں"۔

انجمن علمی

محلہ قرشولی ٹولہ مقام کوٹھی مولوی عین الدین منصف پنشن یافتہ بدایوں سے یہ ماہانہ رسالہ ۱۶ اگست ۱۸۸۲ء میں جلوہ نما ہوا۔ سکریٹری حافظ فضل اکرم، آنریری سکریٹری اختر الدولہ حاجی سید محمد اشرف نقوی مالک اخبار اختر ہند و اشرف گزٹ و ذخیرہ اشرف واختر شہنشاہی تھے۔ سالانہ چندہ تین روپیہ تھا۔ سولہ صفحات پر نکلتا تھا۔ اختر پریس لکھنؤ میں طبع ہوتا تھا۔

رسالہ انجمن پشاور

پشاور سے ۲۶ ذی القعدہ ۱۳۰۰ھ مطابق ۱۸۸۲ء کو یہ سالانہ رسالہ نکلتا تھا۔ ۲۴ صفحات پر سالانہ روئیداد کی شکل میں شائع ہوتا تھا۔ منشی حسین بخش صاحب سپرنٹنڈنٹ ضلع میر منشی انجمن اس کے مہتمم تھے۔ مطبع شرفی میں چھپائی ہوتی تھی۔

انجمن رفاہ عام لدھیانہ سے ۳۱ جنوری ۱۸۸۴ء کو یہ ماہانہ رسالہ شائع ہوا۔ ۳۰ صفحات پر نکلتا تھا۔ میر مجلس ڈپٹی قادر بخش، محمد حسین سکریٹری، ایڈیٹر مرزا عبد اللہ تھے۔ سالانہ چندہ چار روپے تھا۔ امریکن مشن پریس میں چھپتا تھا۔

یہ انجمن صنعت و حرفت کی طرف زیادہ توجہ دیتی تھی اور دری سازی و قالین

کی طرف مائل تھی۔

مہذب کپورتھلہ سے یہ پندرہ روزہ اخبار ۱۵ر جنوری ۱۸۸۴ء کو رونق پذیر ہوا۔ سکریٹری جعفر علی بیلا، مہتمم سردار بوٹا سنگھ تھے۔ بیس صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ ڈیڑھ روپیہ تھا۔ مطبع بہارِ جنت میں طباعت ہوتی تھی۔ یہ اخبار انجمن حامیٔ قوم کپورتھلہ کا آرگن تھا۔ اس کے مقاصد کیا تھے۔ وہ اس کے ایڈیٹر کی زبانی سنئے۔

"غرض اس کے جاری کرنے سے یہ ہے کہ اہلِ ہند کے اخلاق کی اصلاح ہو اور ان کو طرز معاشرت و قوانین تمدن سمجھائے جاویں۔ اہلِ ہند کی اخلاق و اوضاع و اطوار میں شائستگی پیدا ہو۔ اور ان میں اور اہلِ یورپ میں اتحاد و اتفاق کی بنیاد ڈالی جاوے۔ اہلِ ہند کے دلوں میں علوم کیمیا و طبیعات و جر ثقیل، ریاضی وغیرہ سیکھنے کا ذوق پیدا کیا جاوے

چند حریت پسند اخبار

اُس دور کے شاعروں اور کتابوں کے لکھنے والے مصنفین نے اپنی قوم و ملک کے لئے بہت کچھ کیا ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی ان کی خدمات جلیلہ کو بھلایا جاسکتا ہے۔

لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اخبارات کی اہمیت کو ہر باشعور اور ذی عقل انسان نے سمجھا ہے اور اخبارات نے اپنی قوت و طاقت کا لوہا بڑی سے بڑی طاقت سے منوایا ہے اور سلاطین اور مدبرین سلطنت نے بھی اپنے اقتدار کی بقا کا ایک ذریعہ ان ہی اخبارات کو سمجھا۔ چنانچہ روس میں ۱۷۰۳ء میں جو پہلا اخبار جاری ہوا تھا، پیٹر اعظم شہنشاہ روس نہ صرف اس کا ایڈیٹوریل خود تحریر کرتا تھا بلکہ اس کے پروف کے کاپیوں کی تصحیح بھی خود کرتا تھا۔ جیسا کہ اس اخبار کے دو سالوں کے فائلوں سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ فائل سینٹ پیٹرسبرگ کے شہنشاہی کتب خانے میں اس وقت تک محفوظ ہیں ان پر اس کے خاص قلم کے نشانات اور ترمیمیں موجود ہیں۔

فرانس کا مشہور شہنشاہ نپولین اخبارات کی مدد و اعانت سے فرانس کی رعایا کو ہم خیال بنا کر اہم معاملات اپنی مرضی کے موافق طے کیا کرتا تھا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ وہ جب کوئی اہم کام کرنا چاہتا تھا تو ملک کے باوقعت اخباروں میں اپنی رائے کی تائید میں مضامین لکھواتا، اس طرح رائے عامہ ہموار کر کے اس

انصرام میں مصروف ہوتا، جس کا نتیجہ فتح و نصرت اور کامیابی حاصل ہوتی۔

پرنس بسمارک اور گلیڈ اسٹون جو عقل کے پتلے مشہور تھے اور تمام یورپ کے امور سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں رکھتے تھے۔ جس طرف چاہتے اس کو موڑ دیتے اور کامیابی حاصل کرتے تھے۔ ان کی بھی کامیابی کی اصل کنجی اخباری امداد اور اعانت تھی۔

ولایت میں ایک کتاب "مخفی صفحات تاریخ بسمارک" کے نام سے پرنس بسمارک کے حالات میں شائع ہوئی تھی، جس کے پڑھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ پرنس نے اخبارات کو ہموار رکھنے کی خدمت اپنے معتمد علیہ ڈاکٹر بش کو تفویض کر رکھی تھی۔ سلطنت کے کسی معاملہ میں اس کو جو پالیسی اختیار کرنی ہوتی وہ پہلے سے اخبارات میں اس کے سلسلے کے تائیدی مضامین لکھوا کر پبلک کو اپنا ہم خیال اور ہم زبان بنا لیتا تھا۔ ڈاکٹر بش لکھتے ہیں:۔

"پرنس بسمارک فن اخبار نویسی میں ید طولیٰ رکھتا تھا، اور اس کے رموز و نکات کا ایسا ماہر تھا جیسا کہ کسی اعلیٰ درجہ کے اخبار کا بڑا تجربہ کار بڑا ایڈیٹر ہو۔ مجھ کو دن میں سات سات اور آٹھ آٹھ بار اخبار کے کام کے متعلق بلایا کرتا تھا، بلکہ بعض اوقات رات کو خواب استراحت سے دفعۃً بیدار ہو کر طلب کرتا تھا اور جو مضمون اس وقت اس کے ذہن میں آتا اس سے مجھ کو آگاہ کر کے حکم دیتا کہ علی الصباح اخباروں میں شائع کرا دیا جائے۔"

گلیڈ اسٹون کی بھی قریب قریب یہی حالت و عادت تھی کہ وہ اپنے لبرل فرقہ کے اخبارات کو اپنے مقاصد کی تکمیل کے لئے استعمال کرتا تھا، جس کا نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ تمام ملک اس کا ہمنوا بن کر اسی کا کلمہ پڑھنے لگتا تھا۔

الغرض یورپ میں اخبارات کو اس قدر اہمیت دی جاتی تھی اور دی

جاتی ہے کہ اخبارات سلطنت کے رکن چہارم کہلاتے ہیں۔

اخبارات کی طاقت و قوت کو جانتے ہوئے انگریز ہندوستان میں اخبارات جاری کرانا تو کجا، پریس بھی لگانے کے حق میں نہ تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ ہم نے ایک غیر ملک پر قبضہ کیا ہے اور غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہے۔ اس ملک میں اخبارات اور انگریزی راج ایک ساتھ نہیں چل سکیں گے اور ہندوستانی اخبار ہمارے لئے مصیبت بن جائیں گے۔ چنانچہ سر جان مالکم نے اس خدشہ کا اظہار ان الفاظ میں کیا تھا۔

"کیا یہ امید کرنا دانش مندی میں داخل ہے کہ ہماری کامیابی سے جن لوگوں کی وقعت، دولت، ثروت اور حکومت کا خاتمہ ہو گیا ہے وہ ہماری سرکار سے نفرت و حقارت اور عداوت خود نہ کریں گے اور دوسروں میں پیدا کرنے کی سعی نہ کریں گے۔ کیا خود بخود اس کے زائل ہونے کا امکان ہے۔ اگر نہیں ہے تو پھر ان کے ہاتھ میں اخبارات کی آزادی دیدینا کیا قرین مصلحت ہے اور عقلمندی ہے؟"

چنانچہ اسی پالیسی کی بنا پر جب لارڈ منٹو کے عہد میں نظام حیدرآباد کو وہاں کے ریذیڈنٹ نے ایک مرتبہ ایک پریس تحفہ میں دیا اور اس کا علم جب چیف سکریٹری کو ہوا تو اس نے اس فعل کو انتہائی خطرناک قرار دیا تھا اور ریذیڈنٹ سے انتہائی خفگی و ناراضگی کے ساتھ پیش آیا تھا۔

ہندوستان میں اخبار جاری کرنے کی ابتداء انگریزوں نے کی اور اس کی وجہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں اور انگریزوں کا باہمی اختلاف تھی۔ انگریزوں کے یہ دونوں طبقے برسر اقتدار گروپ کے مخالف تھے۔ چنانچہ جیمز آگسٹس ہکی نے سر فلپ فرانسس کی اخلاقی مدد سے بنگال گزٹ

کلکتہ ایڈورٹائزر اخبار جاری کیا جن کو ہکی گزٹ کہا جاتا تھا مسٹر ہکی ایسٹ انڈیا کمپنی میں طباعت کا کام کرتا تھا، اس لئے انگریزوں اور خاص طور پر کلکتہ کے معزز انگریزوں سے بخوبی واقف تھا اور ان کے اعمال سے بھی آگاہی رکھتا تھا۔ اس نے اپنے اخبار میں ان کو بے نقاب کرنا شروع کیا۔ جن میں ایک پادری جان ذکریا کئیرنانڈر بھی تھا جو کلکتہ کے پہلے انگریزی کلیسا کا پادری تھا ہکی نے ان پر یہ الزام لگایا تھا کہ:۔

"ان کے مخالف انڈیا گزٹ کے مالکان کے ہاتھوں وہ ٹائپ فروخت کئے جو انجیل چھاپنے کے لئے ولایت سے ہندوستان بھیجے گئے تھے نیز یہ کہ وہ کمپنی بہادر سے کلیسا کی زمین کا سودا کر رہا ہے"

اس الزام کے خلاف پادری ذکریا نے ہکی کے خلاف مقدمہ دائر کر دیا جس کی پاداش میں اس کو چار مہینے کی سزا اور چار سو روپیہ جرمانہ ہوا۔ اس سزا کا اثر مسٹر ہکی پر کچھ نہیں ہوا، وہ برابر ایسے لوگوں کے خلاف اخبار میں لکھتا رہا جس سے مجبور ہو کر گورنر جنرل نے پوسٹ آفس کے ذریعہ اس کے اخبار بھیجنے کی ممانعت کر دی۔

مسٹر ہکی نے گورنر جنرل کے اس فعل کو انتہائی بزدلانہ اور غیر قانونی قرار دیا اور اخبار بجائے بذریعہ پوسٹ بھیجنے کے ہر کاروں کے ہاتھوں بھیجنے لگا۔ اس کے بعد اس نے انتہائی بے باکی سے لکھنا شروع کیا جس کی زد سے وارن ہیسٹنگز اور کلکتہ سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بھی نہ بچ سکے۔ جون ۱۷۸۱ء میں اس کی دوبارہ گرفتاری ہوئی۔ عدالت نے اس کو ایک سال کی سزا اور پانچ ہزار روپیہ جرمانہ کیا۔ اس سزا کا بھی اس پر کوئی اثر نہیں ہوا اور اس نے ایام اسیری میں بھی اخبار جاری رکھا اور قلم کی روانی تیز کر دی جس کے بعد

حکومت نے اس کا پریس بند کر دیا جس سے اس کا اخبار بھی بند ہو گیا۔
ولیم گیبری نے اس اخبار کے بارے میں لکھا تھا۔

" اگر اس عہد کے کلکتے کی سماجی زندگی کا نقشہ دیکھنا ہو تو وہ اس اخبار کی ورق گردانی کرے "۔

اس زمانے میں کوئی صحافی آئین نہ تھا اگر کوئی اخبار نویس حکومت کے خلاف لکھتا تو اس سے ڈاک کی سہولت چھین لی جاتی سنسر لگا دیا جاتا، اس کو جلا وطن کر دیا جاتا تھا۔

ولیم ڈوون نے ۱۷۹۱ء میں اخبار انڈین ورلڈ نکالا۔ یہ اخبار بھی حریت پسند تھا۔ چنانچہ حکومت نے اس پر اشتعال انگیز مضامین لکھنے کا الزام لگا کر اس کے ایڈیٹر کے گھر کی تلاشی لی۔ اس تلاشی کی وجہ معلوم کرنے کے لئے اس کے ایڈیٹر نے سپریم کورٹ میں درخواست دی۔ جس کا عدالت سے جواب آیا۔ حکومت کی خواہش ہے کہ وہ پہلے جہاز سے انگلستان چلے جائیں۔ ولیم ڈوون نے اس فیصلہ کی اپیل سر جان شور کے پاس کی، اور اس میں ان سے ملاقات کی بھی درخواست کی۔ ان کی درخواست منظور ہو گئی اور انکو گورنمنٹ ہاؤس بلایا گیا جب یہ وقت مقرر پر گورنمنٹ ہاؤس پہنچے تو ملاقات کرنے کے بجائے ان کو گرفتار کر کے زبردستی انگلستان بھیج دیا گیا۔

ڈاکٹر چارلس میک لین نے ۱۷۹۵ء میں بنگال ہرکارہ جاری کیا۔ اس اخبار میں بھی حکومت پر نکتہ چینی کا سلسلہ شروع ہوا اور ڈاکٹر میک لین نے اپنے ایک مضمون میں غازی پور کے ایک جج اور مجسٹریٹ کی بدعنوانیوں کو آشکارا کیا۔ حکومت نے اس اخبار کے ایڈیٹر اور ڈاکٹر میک لین کو حکم دیا کہ یہ دونوں ان سرکاری افسروں سے معافی مانگیں۔ ایڈیٹر نے تو حکم کی تعمیل

کی لیکن ڈاکٹر میک لین نے معافی مانگنے سے انکار کیا جس پر ان کو جلا وطن کر دیا گیا۔

۱۸۱۸ء میں مسٹر جیمز سلک بکنگھم نے ایک سہ روزہ اخبار کلکتہ جرنل کا اجرا کیا انھوں نے پہلے ہی شمارے میں اخبار نکالنے کے مقاصد کا ان ان الفاظ میں اظہار کیا۔

"اخبار نویس کا فرض ہے کہ وہ حکمرانوں کے ان فرائض کو برابر یاد دلاتا رہے اور غلطیوں پر ان کو متنبہ کرتا رہے، تیز حق گوئی جو تلخ ہوتی ہے وہ اخبار نویس کا شعار ہونا چاہیے۔"

اسی کے ساتھ انھوں نے یہ بھی اعلان کیا کہ جو شخص اپنی شکایات منظر عام پر لانا چاہتا ہے۔ اس کے لئے ہمارے اخبار کے کالم حاضر ہیں۔ اسی پالیسی کی وجہ سے اس اخبار نے بے پناہ مقبولیت حاصل کی۔

چونکہ اس کا ایڈیٹر آزادی رائے کا قائل تھا اور حکومت سے مرعوب ہونے والا نہ تھا، اس لئے دھڑلے سے حکومت کی بدعنوانیاں چھاپتا تھا۔ جب سنسرشپ کے قانون میں توسیع کی گئی تو بکنگھم نے اس کو "عوامی آفت" سے تعبیر کیا۔ اس پر حکومت نے اس کو تنبیہ کی کہ وہ ایسی حرکت سے باز آئے۔ باز آنے کے بجائے بکنگھم نے چیف جسٹس اور کلکتہ کے لارڈ بشپ کے خلاف مضمون لکھا جس پر سرکار نے نامہ نگار کا نام معلوم کیا۔ جب انھوں نے نامہ نگار کا نام نہیں بتایا تو حکومت نے ان کو وارننگ دی کہ اگر ایسی حرکت کے دوبارہ مرتکب ہوئے، تو تم کو جلا وطن کر دیا جائے گا۔

لیکن اس دھمکی کا بھی بکنگھم پر کوئی اثر نہیں ہوا، وہ برابر حکومت کے خلاف لکھتا رہا۔ اس نے ایک مضمون میں حکومت کے سکریٹریوں پر الزام لگایا کہ وہ جی لگا کر کام نہیں کرتے اور اقربا پرستی کرتے ہیں۔ دوسرے مضمون میں اس

نے حکام پر الزام لگایا کہ وہ عدالتوں میں بھی دیسی باشندوں کو ڈراتے اور دھمکاتے ہیں۔

آزادیٔ تحریر کے الزام میں لارڈ ہیسٹنگز کے عہد حکومت میں بکنگھم کو دو مرتبہ کلکتہ کے حکام نے جلا وطن کرنے کا حکم دیا۔ لیکن لارڈ ہیسٹنگز نے اس سے اتفاق نہیں کیا۔ جب لارڈ ہیسٹنگز کا عہد حکومت ختم ہوگیا اور جان ایڈم عارضی گورنر جنرل مقرر ہوئے تو اس دور میں بکنگھم کو جلا وطن ہونا پڑا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکمراں معمولی معمولی نکتہ چینیوں پر اخباروں کا گلا بے دردی اور بے رحمی سے کیوں گھونٹتے تھے اور ان کے ایڈیٹروں کو جلا وطن کرنے کے لئے اوچھے ہتھیار اور قوانین کی مٹی خراب کر کے مکر و فریب کا آزادانہ استعمال کس بنا پر کرتے تھے اس لئے کہ وہ اخبارات کی قوت .... و طاقت سے واقف تھے۔ ان کو مزید پروپیگنڈہ کرنے کا موقع دینا نہیں چاہتے تھے۔ اور اسی بنا پر اپنے ہم مذہب اور ہم قوموں کے خلاف بھی کارروائی کرنے سے گریز نہیں کرتے تھے۔

اس کے برعکس حریت پسند اور حق گو اخبار نویس بھی سرکار کی ظالمانہ اور انتقامانہ کارروائیوں سے مرعوب نہیں ہوتے تھے اور جلا وطنی جیسی سزا کو برداشت کرتے تھے۔

یہ نہیں سمجھ لینا چاہیئے کہ اس زمانہ میں بھی تین چار انگریزی کے اخبار نکلتے تھے جو سرکار کے خلاف تھے۔ اس عہد میں انگریزی کے اور بھی اخبار شائع ہوتے تھے جو سرکار کے حامی تھے اور اس کے زیر اثر نکلتے تھے۔

انگریزوں کے باہمی اختلافات و دشمنی کی وجہ سے ہندوستانیوں کے لئے اخبار جاری کرنے کا راستہ ہموار ہوا، اور ان کو اخبار جاری کرنے

کا ہی موقع نہیں ملا بلکہ ان کی وجہ سے ہندوستان میں اخبار بینی کا ذوق پیدا ہوا اور انھوں نے آزادئ تحریر کی حقیقت کو جانا۔ اسی اثنا میں بنگالی، اردو، ہندی، گجراتی فارسی زبانوں میں اخبار جاری ہوئے۔

ہندوستان میں مراۃ الاخبار پہلا فارسی کا اخبار تھا جو ۱۸۲۲ء میں جلوہ افروز ہوا تھا۔ اس کے بانی راجہ رام موہن رائے تھے۔ راجہ صاحب نے بھی مسٹر ہکی کی طرح بے انصافی کے خلاف جدوجہد کی اور جب ہندوستانی اخبارات کے حقوق غصب کرنے کے لئے ایڈم نے ۱۴ مارچ ۱۸۲۳ء کو آرڈی نینس جاری کیا جس کی اہم دفعات یہ تھیں۔ اس کی انھوں نے مخالفت کی۔

(۱) اخبار بغیر لائسنس کے جاری نہیں ہو سکتا۔ (۲) اور جب سرکار چاہے لائسنس ضبط کر سکتی ہے۔

اس آرڈی نینس کے خلاف انھوں نے سپریم کورٹ میں مقدمہ دائر کیا اور اس میں یہ اہم نکات پیش کئے۔

" اس آرڈی نینس کی وجہ سے ان ذہین دیسی باشندوں کی حوصلہ شکنی ہوگی جو انگریزوں کے اچھے نظم ونسق کے متعلق معلومات عوام تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ اس سے اخبارات کے ذریعہ سے علوم کا فروغ رک جائے گا۔"

" مقامی باشندے اس قابل نہیں رہیں گے کہ حکومت کے افسروں کی غلطیوں اور بے انصافیوں سے آگاہ کریں اور انہیں کوئی ایسا موقع نہیں ملے گا کہ وہ صاف اور دیانتدارانہ طریقے سے وفادار رعایا کے اصل حالات حاکموں تک پہنچائیں۔"

" ہر اچھا حکمراں جو انسانی فطرت کی کمزوریوں کا قائل ہے اور اس دنیا

کے ابدی حکمراں کی عظمت کا احترام کرتا ہے اسے یہ احساس بھی ضرور ہوتا ہے کہ ایک وسیع سلطنت کے انتظام میں غلطی بھی ہو سکتی ہے اس لئے وہ اس امر کے لئے مضطرب رہتا ہے کہ ہر فرد کو ایسے مواقع حاصل ہوں کہ وہ ایسے امور کی طرف اس کی فوری توجہ دلا سکے جن میں اس کی مداخلت ضروری ہو۔ اس اہم مقصد کے حصول کے لئے واحد موثر ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ اشاعت کی مکمل آزادی دی جائے"۔

جب یہ مقدمہ سپریم کورٹ نے خارج کر دیا تو اس کے بعد راجہ رام موہن رائے صاحب نے ملک معظم کو اپیل روانہ کی جس کے اقتباسات یہ ہیں۔

"مسلمانوں کے زمانے میں ہندوؤں کو خود مسلمانوں کی طرح سارے سیاسی حقوق، بڑے عہدے، فوجوں کی کمان اور صوبوں کی گورنریاں حاصل تھیں کسی شخص کو صرف اس بنا پر حقوق و مراعات سے محروم نہیں کیا جاتا تھا کہ اس کا مذہب یا مقام پیدائش، حاکموں کے مذہب و مولد سے مختلف ہے۔ اب ہندوستانیوں کو وہ مراعات حاصل نہیں۔ آزادیٔ صحافت سے ان کی کچھ تلافی ہو جاتی تھی اور اس آزادی کے سلب ہو جانے سے تو ہندوستانی بے یار و مددگار ہو جائیں گے"۔

"مغل شہنشاہ خواہ کتنے ہی مطلق العنان کیوں نہ رہے اور کبھی کبھی ان کا طرز عمل کتنا ہی جابرانہ اور آمرانہ رہا ہو۔ ایک بات واضح ہے کہ ان میں جو حکمراں ہوشمند اور صالح تھے وہ ہمیشہ اپنے صوبائی صدر مقاموں پر اخبار نویس متعین رکھتے تھے ان میں ایک وقائع نگار ہوتا تھا جو سارے واقعات قلم بند کرتا تھا اور دوسرا خفیہ نویس ہوتا تھا جو ہر قابل ذکر واقعہ کی خفیہ روئیداد لکھا کرتا تھا۔ بعض اوقات صوبیدار یا وزراء کا عزیز

یا دوست بھی ہوتا تھا، اس کے باوجود بادشاہ اس کی بھیجی ہوئی رپورٹ پر پورا یقین کرتا تھا اور صوبیداروں کو ان کی یا ان کے ماتحتوں کی غلطیوں پر معزول بھی کر دیا تھا۔"

"رعایا اپیل کرتی ہے کہ حضور اپنی لاکھوں کی تعداد میں رعایا کو وحشیانہ طور پر پامال اور برباد کرنے کی اجازت نہ دیں جس تاج پر آج دنیا کی نظریں لگی ہوئی ہیں اس کے اقبال کا واسطہ دے کر وفادار رعایا اپیل کرتی ہے کہ ہندوستان کے لوگوں کو ابدی بربادی اور ذلت کے حوالے نہ کریں۔"

اس اپیل پر بھی کوئی توجہ نہیں دی گئی جب وہ بھی خارج کر دیا گیا تو راجہ موہن رائے انگریزوں کی عادات و اطوار سے واقف تھے، وہ سمجھتے تھے کہ با اثر انگریزوں کو لائسنس دیئے جائیں گے اور ہندوستانیوں کو ذلیل کرنے کے لیے ان کے لائسنس نامنظور کیے جائیں گے اور ان سے عدالتوں میں خاک چھنوائی جائے گی اور کھلی عدالت میں حلفیہ بیان دینے والا ہتک آمیز طریقہ بھی اختیار کرایا جائے گا، اور ان ذلتوں کے باوجود اگر لائسنس مل بھی گیا تو اس کے واپس ہونے کا خطرہ ہر وقت لگا رہے گا جس سے سکون سے محروم ہونا پڑے گا۔ اس لیے لائسنس لینے کی ذلت سے کہیں بہتر ہے کہ اخبار بند کر دیا جائے۔ چنانچہ راجہ صاحب نے ایسا ہی کیا۔ مرأۃ الاخبار کو ہی بند کر دیا۔

اخبار سمبد کمودی دسمبر ۱۸۲۱ء میں کلکتہ سے بنگالی زبان میں جاری ہوا۔ اس کے ایڈیٹر و مالک راجہ رام موہن رائے تھے۔ یہ اخبار عوام کی فلاح و بہبود اور اصلاح رسوم کے لیے نکالا گیا تھا۔ اس کے ایڈیٹر کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے اخبار کے ذریعہ ستی رسم کی مخالفت کی اور اس کے لیے ہر ممکن کوشش کی اور بالآخر اس نے لارڈ بینٹنگ کے ہاتھوں ستی کی رسم کا خاتمہ دیکھا۔

ایک دوسرا فارسی کا سلطان الاخبار جو ۲ر اگست ۱۸۳۵ء کو ہفتہ وار شائع ہوا تھا، یہ بھی بیباک، نڈر اور حق گو اخبار تھا، کم ہی اس کا کوئی شمارہ ایسا نہ تھا جس میں انگریزوں کی زیادتیاں، انگریزی عدالتوں اور دفتروں کی بے انصافیاں اور بدعنوانیاں سب باکانہ طور پر نہ لکھی جاتی ہوں۔ اس کے ایڈیٹر رجب علی لکھنوی تھے جن کا قلم مسٹر ہکی ایڈیٹر بنگال گزٹ کی قلم سے زیادہ زور آور اور موثر تھا اس لئے یہ ان کے مقابلہ میں سنجیدگی کے ساتھ نکتہ چینی کرتے تھے۔

اس اخبار کے پہلے ہی شمارہ ۲ر اگست ۱۸۳۵ء میں ایک انگریز تاجر کے بہیمانہ فعل کا جو اس نے ایک ہندو عورت کے ساتھ کیا تھا، ذکر ہے۔ اس فارسی خبر کا مفہوم یہ ہے۔

'ایک ہندو عورت کے بھائی نے ایک انگریز تاجر کے خلاف رپورٹ کی کہ اس نے میری بہن کی عصمت پر حملہ کیا۔ جب اس انگریز تاجر کو اس کارروائی کا علم ہوا تو اس نے پولیس سے ساز باز کر کے لڑکی کے سارے خاندان کو چوری کے الزام میں بند کرا دیا جہاں اس کی بوڑھی ماں مر گئی۔

سلطان الاخبار کے ایڈیٹر نے اس واقعہ پر یہ مختصر تبصرہ کیا۔ ایں است ظلم انگریز بر رعیت۔

دہلی میں مسٹر فریزر ریذیڈنٹ دہلی کا جب قتل ہوا تو ایک ہلچل مچ گئی۔ ایک دم خوف و ہراس کا عالم طاری ہو گیا اور فوراً ہی اس مقدمہ کی کارروائی بھی شروع ہو گئی۔ ایسے نازک موقع پر مولوی رجب علی صاحب کی جرأت و ہمت دیکھیے کہ انھوں نے اخبار میں استغاثہ کی شہادتوں اور عدالتی کارروائیوں پر نکتہ چینی کی۔ استغاثہ کے گواہوں کو دروغ گو لکھا اور ان شہادتوں کے بارے میں رائے دی کہ جبراً کرائی گئی ہیں۔ قتل کے ملزموں

کی حمایت ہی نہیں کی بلکہ ان کو بے قصور و بے گناہ ثابت کیا اور ان کو باہمت باحوصلہ اور بہادر کے خطابات دیئے اور عوام نے ان کے پھانسی پانے کے بعد ان کی ہمدردی میں ان کے مزار پر راتوں کو چراغاں کیا اور بڑی تعداد میں نماز جنازہ پڑھی، اس کو نمایاں طور پر اخبار میں چھاپا۔ حتیٰ کہ عدالت کی نیت پر بھی حملہ کیا۔

اس قتل میں خاص طور پر دو اشخاص کو ملزم بنایا گیا تھا۔ ایک کریم خاں اور دوسرے نواب شمس الدین خاں صاحب کو سب سے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بڑی عجلت کے ساتھ کریم خاں کے مقدمہ کی کارروائی شروع کی جس کی پہلے روز کی مختصر روئیداد سلطان الاخبار میں شائع ہوئی۔

"کریم خاں جب کہ بیان دے رہا تھا، اس کے چہرے سے شجاعت کے آثار نمایاں تھے اس کے دل پر ذرہ برابر خوف و ہراس نہ تھا۔ اس جسارت وطاقت کی وجہ سے انگریزوں نے یہ گمان کیا کہ اس نے فریزر کو ضرور قتل کیا ہے۔ کریم خاں تمام دن عدالت میں کھڑا رہا اور بیباکی اور گستاخانہ طریقہ پر گفتگو کرتا رہا"[1]

۲۸ اگست کو کریم خاں کو حسب آئین انگریزی پھانسی دی گئی۔ چار سو پیادہ سوار اس کے نگراں تھے۔ گرفتاری کے روز سے پھانسی پانے کے لمحہ تک کریم خاں کے چہرے پر کوئی ملال و رنج نہیں تھا۔ خبر کے آخری الفاظ یہ ہیں

"از روز گرفتاری تا ساعت کشتن کدورتے و ملالے بر چہرۂ کریم خاں عیاں نبود" [2]

کریم خاں جب دفن کر دیئے گئے تو ان کے مزار پر ہندوستانی عوام نے

---

[1] سلطان الاخبار ۹ راگست ۱۸۳۵ء۔ [2] ایضاً ۲ ر ستمبر ۱۸۳۵ء۔

بے پناہ عقیدت و محبت کا اظہار کیا۔ مزار پر پھول چڑھائے۔ اور ان کی مغفرت کی دعا مانگنے کے لئے شاندار چراغاں کیا۔ اس خبر کو اس اخبار نے اس انداز سے شائع کیا ہے۔

"مسلمانان دہلی نے کریم خاں کی وصیت کے مطابق ۲۰ ؍اگست جمعہ کے روز تمام دہلی کی مسجدوں میں کریم خاں کی مغفرت کے لئے دعائیں مانگیں.... عوام نے کریم خاں کا نام "گل شہید" رکھا ہے۔ اس کے مزار پر ہر ایک شب کو مسلمانوں کا بڑا ہجوم رہتا ہے، چراغاں ہوتا ہے اور ہزاروں قوال اس کے مزار پر گاتے بجاتے ہیں رقص بھی ہوتا ہے اور ان دنوں دہلی شہر میں اسی چراغاں و تماشہ کا چرچا ہے...... بعض انگریزی اخبار لکھ رہے ہیں کہ اگر کریم خاں کو جلا کر خاک کر دیا جاتا اور ہوا میں اس کی خاک اڑا دی جاتی تو اس کے مزار پر لوگوں کا اس قدر ہجوم نہ ہوتا۔"

کریم خاں کی نعش کے جلانے کے بارے میں سلطان الاخبار نے انگریزی اخبارات کو یہ جواب دیا۔

"کہا جاتا ہے کہ اگر یہ حرکت سرزد ہو جاتی تو عوام زیادہ مشتعل ہوتے اور یقیناً عوام بلوہ کر دیتے...... اور ایک قیامت برپا ہو جاتی۔"[1]

جب نواب شمس الدین خاں صاحب کے مقدمہ کی کارروائی شروع ہو گئی اور استغاثہ کے گواہ شہادت دے چکے تو کارروائی اخبار میں شائع ہوئی جس میں شہادتوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔

"فتح اللہ خاں اور کرنیل سکنر وغیرہ سرکاری گواہوں کی یہ پوزیشن ہے کہ گواہی دینا نہیں چاہتے لیکن مجبور ہیں اور ان پر زیادتی کی جارہی ہے اور بیانات

---

[1] ایضاً ۲ ؍دسمبر ۱۸۳۵ء۔

انگریزی میں قلم بند کیے جا رہے ہیں جو عدالت چاہتی ہے وہ لکھواتی ہے گواہ یہ بھی معلوم نہیں کر سکتا کہ میرا بیان کیا لکھا جا رہا ہے۔ اگر معلوم بھی ہو جاتا ہے کہ یہ بات لکھی جا رہی ہے تو اس کی تردید و انکار نہیں کر سکتا۔ اگر تردید و انکار کرتا ہے تو بیڑیاں پاؤں میں ڈال کر جیل بھیجدیا جاتا ہے۔[1] مقدمہ اختتام پہ پہونچ چکا ہے طرح طرح کی چہ میگوئیاں کی جا رہی ہیں انگریزی اخبارات کا خیال ہے کہ نواب صاحب کو پھانسی کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ کالے پانی بھیجا جائے گا اس قیاس پر انگریزی اخبارات نے اس سزا کی مخالفت کی اور اپنے انتقامی ذہن کے مطابق یہ سزا تجویز کی۔

" نواب صاحب کو دوام حبس کی سزا ہرگز نہیں ملنی چاہیئے بلکہ پھانسی کی سزا ملنی چاہیئے تاکہ عوام عبرت حاصل کریں اور پھانسی بھی اس طرح ملنی چاہیئے کہ ان کے پاؤں میں زنجیر ہو اور ان کو سر بازار زمین پر گھسیٹتا ہوا لے جایا جائے، اس کے بعد پھانسی دی جائے اور ان کی لاش بھی ان کے وارثوں کو نہیں ملنی چاہیئے بلکہ اس کو جلا دینا چاہیئے تاکہ کریم خاں کی طرح شور و غوغا اور فساد نہ ہو، اور کوئی ہندوستانی قوم نصاریٰ پر بازاروں میں طعن و تشنیع نہ کر سکے اور یہ نہ بتا سکے کہ یہ مزار نواب شمس الدین کا ہے"۔

اس موقع پر بھی سلطان الاخبار بے کی کے ساتھ جواب دینے سے نہیں چوکا، اور اس نے انگریزی انصاف کا ان الفاظ کے ساتھ پردہ فاش کیا۔

"جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ یہ ہے کہ مسلمان اس فعل سے بہت برگشتہ ہو جائیں گے۔ ان کے نزدیک یہ فعل خلاف شرع ہے۔ اگرچہ نواب کے مقدمہ میں کوئی ثبوت نہیں ہے کہ انہیں پھانسی دی جائے۔ اگر عدالت نے انگریزی

---

[1] سلطان الاخبار ۹ را گست ۱۸۳۵ء۔

اخبارات کی تجویز کے مطابق عمل کیا تو یہ فعل چنگیز خاں کے افعال سے زیادہ قابل ملامت ہوگا اور اس سے فساد عظیم برپا ہو جائے گا۔ اگر کوئی انگریز کسی کو قتل کر دیتا تو ہر گز حکام وقت اس کو پھانسی کی سزا نہیں دیتے بلکہ رکیک تاویلیں گھڑ کے اس کو رہا کر دیتے"۔ [1]

یوں تو اخبار جام جہاں نما اپنے اُردو کے ضمیمے کی وجہ سے اُردو کا پہلا اخبار مانا جاتا ہے لیکن اگر اس کی ہیئت دیکھی جائے اور اس کو معیار پر پرکھا جائے تو وہ پورا نہیں اترے گا۔ معیار اور اخباری اصول کے مطابق دہلی اردو اخبار کو ہی اُردو کا پہلا اخبار سمجھنا چاہیئے جو صرف اُردو میں ہی ۱۸۳۶ء میں جاری ہوا تھا۔ نہ معلوم کیا بات ہے ہندوستان میں تقریباً جس زبان میں پہلا اخبار شائع ہوا وہ نڈر، حق گو، مصلح، جاں نثار اور مجسم قربانی ثابت ہوا، انگریزی و فارسی کے پہلے اخبار کے بعد اردو کے پہلے اخبار کی بھی یہی پوزیشن ہے اس کے بانی مولانا محمد باقر صاحب تھے جن کی قلم کی زد میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے حکام بھی آئے۔ یہ بُرائی اور ظلم کے خلاف آواز اٹھانا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ انگریز کی غلامی کی لعنت کو ختم کرنے کے لیئے انھوں نے ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں عملی طور پر حصہ لیا اور شہید فرنگ بنے اور یہ اخبار بھی اسی جنگ کی نظر ہوا۔

انگریزوں نے ہندوستان میں آنے کے بعد کافی عہد و پیمان ہندوستان کی ریاستوں نوابوں اور بادشاہوں سے کئے لیکن تقریباً کسی کو بھی پورا نہیں کیا۔ ایک عہد و پیمان شکن خبر ۱۷ ستمبر ۱۸۴۰ء کے دہلی اُردو اخبار میں شائع ہوئی ہے۔

" حال فتح سوکیت منڈی اور گرفتاری راجہ کا مفصلاً اس طرح دریافت کرتا ہے کہ راجہ وہاں کا بیچ ادا کرنے خراج معینہ کے بہت لیت و لعل کرتا تھا۔ نظر بریں

---

[1] ایضاً ۱۷ دسمبر ۱۸۳۹ء

کنور نونہال سنگھ نے جنرل ونتق صاحب کے تئیں معہ ایک سپاہ معقول کے وہاں بھیجا۔ صاحب موصوف نے وہاں پہنچ کے شہر کے تئیں محاصرہ کیا۔ راجہ نے جب قوت مقابلہ کی اپنے تئیں نہ دیکھی تو از راہ عجز و انکسار پیغام صلح کا بھیجا اور قول و اقرار کیا کہ ہر قسط میں ستر ہزار روپیہ داخل خزانہ سرکار لاہور کے کروں گا۔ بعد اس قول و قرار کے جنرل موصوف نے ساتھ بہانے عطا کیے جانے خلعت کے راجہ کے تئیں اپنے لشکر میں بلایا۔ راجہ حیلے سے جنرل موصوف بے خبر تھا۔ بے حفاظت مراتب خیمہ میں جنرل موصوف کے آیا۔ بفور پہنچنے راجہ کے دو پلٹنوں کے پہلے سے مامور تھیں اس خیمہ کے تئیں محاصرہ کیا اور دو پلٹنوں اور ہمراہیوں نے راجہ کو گھیر لیا۔" اس خبر کے لکھنے کے بعد اخبار کے ایڈیٹر نے اپنی غیر پسندیدگی کا اظہار اس طرح کیا۔

"اس حرکت کو اکثر دانا لوگ ناپسند کرتے ہیں کیوں کہ بعد دوستی عہد و پیمان صلح کے عہد شکنی خلاف رسم آئین سلاطین ماضی اور حال ہے۔"

۱۲ دسمبر ۱۸۴۱ء کے شمارے میں انگریزوں کے خلاف کابل کے لوگوں کے جذبات کا اظہار اس خوبصورت انداز سے کیا ہے۔ خبر کی عبارت یہ ہے۔

"کابل۔ مضمون سے ایک چھٹی کابل کے حال بے تدبیری اور بے انتظامی صاحبان پولیٹیکل بہت دریافت ہوتا ہے۔ ایک مثال ان کی بے تدبیری کی یہ ہے کہ انھوں نے کمسریٹ یعنی گودام اور اسباب توپ خانہ کو شہر کے اندر رکھا تھا جو کہ آخری سرکشوں کے ہاتھ لگ گیا اور سپاہ انگریزی بغیر اس کے بڑی بلا میں مبتلا ہو گئی۔"

مارا جاتا ہے سرالیگزنڈر برنس اور افسروں کا آفیشل چھٹیوں سے ثابت ہوتا ہے ...... قندھار میں بھی چند افسر کام آئے ....."

اخبار نے رائے یہ دی،۔" اس میں شک نہیں کہ اس طرف کے لوگ گورنمنٹ سے مذہبی اور ملکی دونوں طرح کا کینہ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ" ان کافروں نے" اس ظالم بادشاہ (شاہ شجاع) کو ہمارا حاکم بنایا ہے۔"

انگریزی عملے کی بدعنوانیوں کا بھی یہ اخبار پردہ چاک کرتا تھا۔ کلکٹر نے اقربا پرستی کے تحت ایک ملازم کو علیحدہ کر دیا تھا جس نے ایک چٹھی بغرض اشاعت روانہ کی۔ اس چٹھی کا ترجمہ ۲۸ جون ۱۸۴۱ء کے دہلی اردو اخبار میں شائع ہوا۔ اس کا اقتباس اور ایڈیٹر کی رائے درج کی جاتی ہے۔

" ہمارے صاحب کلکٹر بہت بے لیاقت ہیں اور باب امورات سلطنت دنیوی کے نہیں جانتے ہیں۔ صاحب چٹھی بیان کرتا ہے کہ ہم نے خدمت گورنمنٹ کی پچیس برس کی ہے اور اس قدر مدت میں ہمارا عہدہ درجہ درجہ بڑھا لیکن ماسٹر خوش نویسا موقوف کر دینے ہماری خدمتوں کو اور پھینک دینے کو ہمارے تئیں اس بلندی سے جو کہ ہم نے پچیس برس میں حاصل کی تھی اور فقیر و تباہ کر دینے کو ہمیں اور قصور ہماری طرف یہ رکھا کہ تمھیں لیاقت کام کی نہیں...... مگر حقیقت میں مطلب اصلی ان کا یہ تھا کہ ان کے رفقار اور اپنے آوردہ اضلاع دور دراز سے آئے ہوئے ہیں اور صاحب کو پرورش ان کی تہہ دل سے منظور ہے۔"

اس چٹھی پر یہ تبصرہ ایڈیٹر صاحب نے فرمایا۔

" الحق مضمون مندرجہ چٹھی ہماری رائے میں درست ہے۔ ہندوستانی

علہ ناحق بدنام ہے۔ اگران کی تنخواہ بھی قرار واقعی ہوجائے مثل عملگان انگریزی کے موقوفی بحالی ان کی منحصر ہو حاکمان ذی اقتدار پر، نہ ہر ایک کلکٹر، مجسٹریٹ اور ڈپٹی کلکٹران نو آموز جواں عمروں پر تو جو اوصاف انگریز لوگ انگریزوں کے بیان کرتے ہیں وہ انہیں ہندوستانیوں میں ضرور بکثرت ہیں۔"

دہلی اردو اخبار کی طرح "آفتاب ہند بنارس" بھی آزاد خیال اخبار تھا جس کے بانی بابو کاسی داس متر تھے۔ ان کو انگریز کی غلامی بُری طرح کھٹکتی تھی۔ یہ بھی سرکاری انگریز پرستی پر نکتہ چینی کرتے تھے اور سرکار کی بے انصافی بے ایمانی پر بلا خوف و خطر تبصرہ فرماتے تھے اور جس وقت بھی انگریز حکومت کے خلاف نفرت پیدا کرنے کا موقع ملتا اس کو کبھی نہ چھوڑتے۔

انگریز جہاں اپنے مذہب کے پھیلانے میں دیوانہ تھا اور ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے کا متمنی تھا وہاں انگریزی حاکموں کی یہ حالت تھی کہ اگر کسی انگریز سے کوئی ہندوستانی قتل ہوجاتا تو اس کو بچانے کے لئے ناپاک ہتھکنڈے استعمال کرتے تھے اور بہت انصاف کا تیر مارتے تو معمولی سزا دیدیتے تھے۔ چنانچہ ایک انگریز نے چوبیس پرگنہ میں ایک ہندوستانی کو گولی کا نشانہ بنا کر قتل کردیا۔ عدالت میں مقدمہ گیا تو اس کو صرف ایک سال کی سزا سنائی گئی۔ یہ خبر ۲ر مارچ ۱۸۵۳ء کے شمارے میں چھپی ہے۔

"ایک شخص انگریز نے ایک دربان کو ضرب گولی سے ہلاک کردیا گرفتار عدالت ہوئے۔ چنانچہ ۱۱ر جنوری سنہ حال کو مقدمہ مذکور عدالت سپریم کورٹ میں دائر ہوکر اظہارات سے گواہان کے ظاہر ہوا کہ بروز ماجرا شام کے وقت مسٹر ماسلی دینو جنٹ اور سول و والٹر یہ چار شخص انگریز بسواری بگھی محاذی دروازہ لاکہ بابو کے پہنچکر شکار کتہ میں مشغول ہوئے

اور دربان بالموصوف مانع ہوا۔ انھوں نے نہ مانا اور ارادہ اندر جانے کا کیا اور مع حربہ لاٹھی و بندوق مستعد زد و ضرب ہوئے لیکن وہ دربان مانع ہی رہا۔ اس میں مسلی صاحب نے پرغضب ہوکر بندوق چلایا اور ظالم سنگھ پیادہ ضرب گولی سے مجروح ہوا اور بعد کچھ دیر کے جاں بحق ہوگیا و جملہ انگریزان گرفتار ہوئے اور مسٹر مسلی صاحب بحضور جناب صاحب مجسٹریٹ بہادر چوبیس پرگنہ کے اس طرح پر مظہر ہوئے کہ میں نے بہ ارادہ ہلاکت کے بندوق سر نہیں کیا اور ظالم سنگھ سے عداوت کچھ نہیں تھی کہ اس کو مارتا صرف واسطے حفاظت جان اپنی کے بندوق سر کیا تھا اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ گولی اس کے رانوں کے درمیان نکل جاوے گی مگر نشانے نے خطا کیا کہ گولی اس کے ران میں اتر گئی کہ وہ مر گیا۔ صاحبان کونسلی نے سوال و جواب میں کوتاہی نہیں کی اور جوریوں کی تجویز سے مسٹر مسلی مجرم ٹھہرے۔ جناب صاحب جج بہادر نے ان کے حق میں یہ حکم صادر فرمایا کہ مسٹر مسلی ایک برس تک بلا محنت مقید رہیں اور مجرم کو یہ تسلی دی کہ تم کو قید میں کچھ تکلیف نہ ہوگی سیر کتب بخوبی کر لیا کرو ـــــ اس کو عدالت شاہی کہتے ہیں کہ جس میں جان رعایا جاوے اور دادخواہ داد نہ پاوے..... اگر کسی ہندوستانی نے ایسا جرم ہوجاتا تو بیشک سزا کو پہنچتا۔"

اسعد الاخبار آگرہ معتدل پالیسی کا حامی تھا لیکن وہ بھی جب انگریزوں کا جبر اور زیادتی دیکھتا تو اس کا قلم بھی نکتہ چینی کیے بغیر نہیں رہتا تھا اور اس میں بھی ایسی خبریں شائع ہوتی تھیں جن سے عوام کو انگریزوں کی مکاریوں کا علم ہوجاتا تھا۔ چنانچہ جب بارہ برس کی ایک ہندو لڑکی کو مشنریوں نے عیسائی بنالیا

اور لڑکی کے واحقین نے مشنریوں کے خلاف مقدمہ دائر کیا جس کا فیصلہ ان کے حق میں نہیں ہوا بلکہ عیسائی مشنریوں کی حمایت د موافقت میں ہوا تو اسعدالاخبار نے اس مقدمہ کی کارروائی شائع کی اور مقدمہ کے فیصلہ پر ۹ راگست ۱۸۵۱ء کے پرچے میں نکتہ چینی کی۔

"خبر مدراس :- مدارجوت کو ہندوؤں کی ایک بارہ برس کی لڑکی نے جو پادریوں کے مدرسہ میں پڑھنے جاتی تھی، نصارا کا مذہب قبول کیا اور پادریوں کے گھر میں رہنے لگی اور اس کا اصطباغ بھی ہوگیا۔ ہندوؤں نے صاحب جج کے محکمے میں نالش کی کہ یہ لڑکی ہنوز نابالغ ہے مذہب کا نیک و بد کچھ نہیں سمجھتی محض پادریوں کے بہکانے سے اور زر و مال کی طمع دینے کے سبب سے عیسائی ہوگئی لازم ہے کہ اس لڑکی کو ہمارے سپرد کرو جج نے ان کی نالش نامسموع کی ــــــ حاکم سند عدالت پر بیٹھ کر جب پادریوں کی طرف داری کرے تب مدعی مدعا علیہ کون ہوا اور انصاف کون کرے ..... پادری لوگ جمیع مذاہب کو روئے زمین سے نیست و نابود کرنا چاہتے ہیں اور سب کے سب خوک دخمر کھاتے پیتے ہیں"۔

انگریزوں نے ہندوستانیوں کے ساتھ اپنے دور حکومت میں ظلم وستم کے عجیب غریب طریقے اختیار کیے تھے جن سے ہندوستانیوں کے دل و دماغ میں ان کے متعلق طرح طرح کے خدشات پیدا ہوتے تھے۔ جس زمانے میں ملتان میں مولراج سے انگریزوں کا مقابلہ ہو رہا تھا، کلکتہ کے لوگ ڈاکٹر ڈی کے مدرسہ میں جانے سے گریز کرتے تھے اور جن پریشانیوں کا اظہار کرتے تھے وہ اسعدالاخبار کے شمارے ۲۳ر جنوری ۱۸۴۹ء میں شائع ہوئی ہیں۔

"شہر کلکتہ کے نافہم لوگوں میں مشہور ہے کہ ڈاکٹر ڈی مدرسہ میں موٹے جسیم

آدمیوں کو پکڑ کر خون اور چربی اور مغز نکالتے ہیں کہ اس سے کچھ ایسی شے بنائیں گے جس سے ملتان فتح ہو جائے سو اس خوف سے جسیم اور فربہ آدمی چھپے پھرتے ہیں۔ ایک دن کہاروں کو پکڑنے کے لئے برقنداز دوڑے کہار دوڑے کہ ہمیں چربی نکالنے کو پکڑیں گے۔ بازار کی طرف بھاگے اور ان کے بھاگنے اور غل شور کا ایسا ہنگامہ برپا ہوا کہ بازار لٹ گیا۔"

انگریز ہندوستانیوں کے لیے روز بروز جو ہیجان کن حرکتیں کرتے تھے، اخبارات ان کو کسی نہ کسی صورت سے شائع کر دیتے جو ہندوستانیوں کے ذہنوں میں پیوست ہوتی جاتی تھیں جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام ہندوستان میں ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف علم بغاوت بلند ہوا اور پہلی جنگ آزادی شروع ہو گئی، جس میں دہلی اردو اخبار، صادق الاخبار دہلی، سراج الاخبار دہلی، گلشن نوبہار کلکتہ، سلطان الاخبار کلکتہ، حبیب الاخبار بدایوں اور عمدۃ الاخبار بریلی نے سرگرم حصہ لیا۔

جنگ شروع ہوئی دہلی اردو اخبار اور صادق الاخبار و سراج الاخبار دہلی میں جنگ کی خبریں چھپنی شروع ہو گئیں۔ جذبات کو برانگیختہ کرنے والی نظمیں، پرجوش و ولولہ انگیز باغیانہ مضامین و نصیحتیں روزانہ شائع ہونے لگیں۔ علمائے کرام کا انقلابی فتویٰ بھی اخبار کی زینت ہوا۔ روحانی بزرگوں کے خواب جس میں انگریز کی حکومت کے خاتمہ کی بشارت دی گئی ان کو بھی نمایاں طور پر اخبار میں جگہ دی جاتی تھی۔ ایران کا بادشاہ مع جرار فوج کے درمیان جنگ ہندوستان پر حملہ کرنے والا ہے۔ اس قسم کی خبریں عوام کو اور مجاہدین کو اطلاع دینے کے لئے چھاپی جاتی تھیں۔ ہندوستان کے کونے کونے سے مجاہدین کا آنا اور مجاہدین کے کی تیاری مقابلے تفصیل سے دیے جاتے تھے اور یہ بھی بتایا جاتا تھا کہ ہندوستان کے

فلاں مقام، فلاں جگہ پر انگریزی فوج کا مجاہدین نے قلع قمع کر دیا ہے۔

دہلی میں مجاہدین نے پہلے روز انگریزوں پر حملہ کیا، قتل و غارت گری ہوئی، اس روز کی کارروائی دہلی اردو اخبار مورخہ ۱۷ رمئی ۱۸۵۷ء میں اس انداز سے شائع ہوئی ہے کہ جیسے ایڈیٹر اس کے لکھنے کے لئے عرصہ سے تیار بیٹھا تھا۔

"۔۔۔۔ روز شنبہ ۱۶ ر تاریخ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن و فی لیلۃ القدر سنہ رواں مطابق ۱۱ رمئی ۱۸۵۷ء مسیحائی کو بباعث موسم گرما اول وقت کچہری ہو رہی تھی، صاحب مجسٹریٹ محکمہ عدالت میں سرگرم حکمرانی تھے اور سب حکام اپنے محکموں میں سرگرم اجرائے احکام تھے اور حکم قید اور حبس سزائے جسمانی و طلبی مجرمین وغیرہ جاری ہو رہی تھی کہ سات بجے کے بعد میر بحری یعنی داروغہ پل نے آکر خبر دی کہ صبح کو چند ترک سوار چھاؤنی میرٹھ کے پل سے اتر کر آئے اور ہم لوگوں پر ظلم و زیادتی کرنے لگے اور محصول مجتمعہ کا لوٹنا چاہا۔۔۔۔۔ انھوں نے محصول گھر سڑک کا اور بنگلہ صاحب سڑک کا واقع سڑک سلیم پور سے پھونک دیا۔۔۔۔ قلعہ دار بڑے صاحب و ڈاکٹر صاحب و میم لوگ وغیرہ دروازے میں مارے گئے اور سوار قلعہ میں چلے آئے۔ حضور اقدس بھی دستار مبارک زیب سر اور شمشیر ولائتی زیب کمر فرما کر تشریف فرما دربار ہوئے۔ بشہر میں اول چند سوار آئے اور دریا گنج کے انگریزوں کو مارتے ہوئے اور دو بنگلے جلاتے ہوئے چٹی اسپتال زیر قلعہ آئے اور چمن لال ڈاکٹر کو بھی دار الشفا اجل میں پہنچا دیا۔ کہتے ہیں بڑے صاحب و قلعہ دار و ڈاکٹر وغیرہ چند انگریز کلکتہ دروازے پر کھڑے ہوئے

دوربین لگائے سڑک میرٹھ کا چال ڈھال دریافت کر رہے تھے کہ دو سوار آئے، اس میں سے ایک نے تمنچہ اپنا چھوڑا اور ایک انگریز کو مار گرایا اور باقی جو بچ کر آئے حسب تحریر مذکور الصدر دروازے قلعے میں آکر رہے تھے اور پھر اور سوار بھی آپہنچے اور شہر میں غل ہو گیا کہ فلاں انگریز وہاں مارا گیا اور فلاں انگریز وہاں پڑا ہے۔ سنا گیا ہے کہ ٹیلر صاحب پرنسپل مدرسہ بھی یہیں بند تھے، اس دن تک کچھ آب و دانہ باقی تھا اور کوئی دن دنیا کی ہوا کھانی تھی کہ دوسرے دن یوم شنبہ قریب دوپہر اسی تھانے کے علاقے میں مارے گئے۔

یہ شخص مذہب عیسوی میں نہایت متعصب تھا اور اکثر ناواقف لوگوں کو اغوا کیا کرتا تھا۔ چنانچہ ڈاکٹر چمن لال کا خون اسی کی گردن پر رہا۔ عجیب شان ایزدی ہے کہ یہ شخص نہایت مالدار تھا قریب دو لاکھ روپیہ اس کا بنک کلکتہ و دہلی میں جمع تھا اور چند بنگلہ وغیرہ کرایہ کثیر کے چھاؤنی میں تھے اور یہ روپیہ بھی اس قدر سعی و کوشش سے جمع کیا تھا کہ صرف ڈیڑھ آنہ یا چار پیسے روز اپنی ذات کے صرف طعام میں لاتے اور باقی سب داخل بنک دن رات میں جو وقت فرصت ہوتا تھا اسے حساب و کتاب نذر بنک میں صرف کرتے تھے کپڑے بھی صرف ضرورتاً قابل جلسہ اہل جلسہ کے پہنتے تھے لیکن قابل عبرت ہے حال دنیائے دوں کا کہ باوجود اس زر کثیر کے دن بھر لاشہ برہنہ خاک و خون میں غلطاں پڑا رہا دیکھنے والے کہتے تھے کہ فقیری لباس اس وقت تھا اور مدد پر خاک ملی ہوئی تھی ...... بیرسفورڈ صاحب بنک والا:- [illegible] میں پہنچ گیا تھا مگر ازبسکہ قضا بہت نزدیک تھی، باوجود فہمائش [illegible]

انگریزوں کے بارے انتظام کوٹھی و خزانہ بنک بذات خود گیا کہ میم اور بچوں کو لے کر آتا ہوں سنا گیا کہ کوٹھی میں جاکر ایک اور انگریز سے باتیں کر رہا تھا کہ خانساماں نے جاکر اس حال کی خبر دی پوچھا کہ کتنے سوار آئے ہیں، اس نے کہا ابھی تو بیس پچیس سنے گئے ہیں، چیں بجبیں ہو کر کہا کہ ادھم جانتا ہے اپنے واسطے خرابی لائے گا، ہمارا کیا کر سکتا ہے اور اپنے بھائی بندوں کا نقصان کرے گا۔ یہ کہہ کر کہ اچھا خزانہ کا بندوبست کرو سب کنجیاں وغیرہ لے کر معہ میم وغیرہ کے کچھ لڑکیاں نوجوان اور چھوٹے چھوٹے بچے تھے اور پھر کوٹھی کے کمرے میں چلے گئے اور خانساماں سے کہہ دیا کہ اگر کوئی پوچھے تو بتلانا کہ صاحب کہاں گئے ہیں۔ انجام کار سنا گیا کہ ایک سوار غازی ۔ ۔ ۔ ۔ اور باقی ان سب کو مار ڈالا اور کوٹھی بنک لٹ گئی اور آگ لگائی گئی کہ جل کر خاک سیاہ ہو گئی۔"

دہلی میں جنگ شباب پر تھی، مجاہدین نصرت یاب ہو رہے تھے ۱۸ ذی الحجہ ۱۲۷۳ھ کے شمارے میں "قتل اعداد دین" کے تحت یہ خبر شائع ہوئی ہے

"بہت شکر ہے خداوند تعالی کا کہ تین دن سے فوج ظفر واسطے تنبیہ و قلع قمع نصاریٰ بدکردار کے بیرون شہر گئی ہے۔ ہر روز بفتح و نصرت نئے مورچے بنائی جاتی ہے اور رات کو بھی باہر رہتی ہے۔ کل کی رات کئی دفعہ گروہ گروہ گورہائے معدودے حملہ کیا مگر فوج منصور دینی نے بتائید الٰہی سب گوروں کو گور میں پہنچا دیا اب امید ہے کہ جلد صفائی ہو جاوے۔ یہ بھی سنا گیا تھا کہ کانڑا بیٹا طامس صاحب کا کہیں سے کچھ رسد لاتا تھا، سو رستہ میں چھین لی گئی اور وہ بھاگ گیا۔"

۲۳ ۔۔۔ کے اخبار میں ایک خواب درج ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰؑ سے اس جنگ کے بارے میں گفتگو ہوئی۔
"اکثر ابرار کہتے ہیں کہ لوگوں کو عبث یہ خیال ہے کہ انگریز حفاظت وغیرہ سے نہیں گے بلکہ ان پر غیبی ادوہ بتلاتے ہیں اب انگریز جس جگہ جاویں گے امان نہ پاویں۔ ایک بزرگ نے عالم رویا میں دیکھا کہ گویا حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عیسیٰؑ سے فرماتے ہیں کہ تمہاری اُمت نے بہت سر اُٹھایا اور میرے نام کے دشمن ہیں اور دین میرا میٹنا چاہتے ہیں سو حضرت عیسیٰؑ نے کہا یہ میری اُمت نہیں میرے طریق پر نہیں یہ شیطان کی اُمت میں ہوگئے ہیں پھر آنحضرتؐ نے آخیر کا کلمہ فرمایا تب حضرت عیسیٰؑ نے تلوار حضرت کے حضور میں حاضر کی کہ یہ تلوار حضور کی عنایت ہے سو حاضر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو دو جب وہ ان کو دینے لگے تو انہوں نے لیکر کہا کہ حضرت حسینؓ کو دو۔ غرض وہ تلوار حضرت امام حسینؓ کو دے دی بعض آدمی از روئے قسم کہتے ہیں کہ جس دن پہلے ترک یہاں آئے تو آگے آگے سانڈھنیاں بھی دیکھی گئیں جن پر سبز پوش سوار تھے پھر وہ دفعتاً نظر سے غائب تھیں صرف ترک سوار قتال کرتے تھے بلکہ جو شخص انگریز کو پاتا کھیرے اور ککڑی کی طرح کاٹ ڈالتا تھا اور بری طرح سے ٹانگ گھسیٹ کر پھینک دیتا تھا"۔

دہلی میں جب تک جنگ آزادی جاری رہی اس وقت تک دہلی اردو اخبار نے اپنے صفحات جنگ آزادی کو کامیاب کرنے کیلئے وقف کر رکھے تھے بلکہ اس کے بانی مولانا محمد باقر صاحب نے قلم کی جنگ کے علاوہ تلوار سے بھی انگریزوں سے جنگ لڑی اور جب وقت جنگ میں ناکامی ہوئی اور انگریز دہلی پہ قابض ہو گیا تو اخبار بند ہونے کے ساتھ مولانا محمد باقر صاحب

انگریز کی گولی کا نشانہ بنے اور جام شہادت نوش کیا۔

صادق الاخبار اور سراج الاخبار میں بھی جنگ آزادی کے سلسلے میں خبریں چھپتی تھیں اور زمانۂ جنگ کے اخبار جنگی خبروں سے بھر کر رہتے تھے۔ چنانچہ بہادر شاہ ظفر کے مقدمے میں باغیانہ مضامین کے سلسلے میں دہلی اردو اخبار کے ساتھ صادق الاخبار، سراج الاخبار کے پرچے بھی اس جنگ کے زمانے کے شامل ہیں اور خاص طور پر صادق الاخبار ایران و افغانستان کی فوج کے ہندوستان میں آنے اور انگریزوں پر حملہ کرنے والی خبریں شائع کرتا تھا۔ چنانچہ ۷ ذیقعدہ ۱۲۷۳ھ کے شمارے میں "خبر پشاور" کے عنوان کے تحت اسی قسم کی خبر شائع ہوئی ہے۔

"ایک دوست کی زبانی ایک قاصد آنے والے خاص پشاور کے راوی ہیں کہ کئی ہزار سپاہ نے بہت سے انگریزوں کو قتل کیا اور یہاں سید محمد اکبر والی سوات کو بڑے دین دار ہیں تخت شاہی پر بٹھایا اور ان کا انتظام بخوبی کرا کر لاہور کو آن گھیرا۔ اب اہل لاہور محصور ہیں۔ یقین کہ سپاہ منصور از راہ شجاعت ذاتی فتح حاصل کرے اور جو تھوڑے بہت گورے لب گور ہیں در گور ہوں۔ کہتے ہیں کہ سپاہ اہل اسلام جا بجا تھانہ بادشاہی تا بلاہور بٹھاتی چلی آئی ہے اور ارادہ رکھتی ہے کہ بعد فتح لاہور مقام پٹیالہ و دیگر مقامات دشمنان شاہی کو زیر و زبر کر کے قدم بوسی حضور انور حاصل کرے۔ سنا گیا کہ اب گورے اور انگریز تمام پنجاب میں باقی نہیں رہے۔ اگر قدرے قلیل تو کرنال دہلی پڑے ہیں سو اب ان کا محاصرہ بھی ہوا جاتا ہے۔ ہمارے اہل شہر خاطر جمع رکھیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر مہربان ہے اور جو وہ کرے گا کوئی فعل بے جا حکمت سے

نہ ہوسکا"

سراج الاخبار کے بانی بہادر شاہ ظفر جنگ آزادی میں حصہ لینے کے جرم میں جلاوطن کیے گئے اور صادق الاخبار کے ایڈیٹر محمد جمیل صاحب کو اسی بغاوت کے الزام میں تین سال کی سزا دی گئی۔ سلطان الاخبار، دوربین، گلشن نوبہار کے ایڈیٹروں پر مقدمات چلائے گئے۔ گلشن نوبہار کو یہ سزا دی گئی کہ سرکار نے اس کا پریس ضبط کرلیا۔

عمدۃ الاخبار جو بریلی سے نکلتا تھا اس جنگ آزادی میں رہیل کھنڈ کے انقلابی قائد خان بہادر خاں کا یہ اخبار حامی ہوگیا تھا اور عمدۃ الاخبار "فتح الاخبار" نام رکھ کر جنگ آزادی کی حمایت میں پروپیگنڈہ کرنے لگا تھا۔ اس کو بھی یہ سزا دی گئی کہ اس کا چھاپہ خانہ ضبط کرلیا۔

حبیب الاخبار بدایوں نے مجاہدین کی حمایت کی۔ اس کی پاداش میں اس کے ایڈیٹر کو سزا ملی اور پریس بھی ضبط ہوا۔

اگر کسی قوم، جماعت یا طبقہ یا ادارہ میں جرأت مجاہدانہ نہیں ہے تو وہ قوم، جماعت یا طبقہ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہے۔ اسی نظریئے کے تحت میں نے جنابا کو اس کسوٹی پر پرکھا اور بہت مختصر طور پر جنگ آزادی ۱۸۵۷ء تک کے حالات کا جائزہ لیا جس کے بعد میں الحمد اللہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستانی اخبار اس اعتبار سے بھی کسی سے پیچھے نہیں ہیں اور وہ مجاہدانہ اور حریت پسند زندگی کے حامل تھے۔

ان حریت پسند اخباروں نے ملکی قومی خدمات کے علاوہ ادبی، تاریخی، علمی، سماجی اور اصلاحی کارنامے بھی انجام دیئے۔

۱۸۵۷ء سے قبل کے زمانے کے کثرت کے ساتھ ایسے بھی اخبارات تھے جو

سرکاری منشار کے مطابق اور ان کی سرکردگی میں نکلتے تھے ۔ دہلی کے قرآن السعدین کی کاپی مقامی کمیٹی کے ممبر مسٹر جے پی گوبنس اور فوائد الناظرین اور محب ہند کی ایک ایک کاپی مقامی کمیٹی کے عارضی سکریٹری مسٹر شیلر کو بھیجی جاتی تھی جو ان کا مطالعہ کرتے تھے یہ لوگ نیم سرکاری تھے اور خاص طور پر انگریز تھے ۔

آگرہ کے تقریباً تمام اخبار سوائے زبدۃ الاخبار کے آگرہ کالج جو سرکاری کالج تھا اس کی پالیسی کے مطابق چلتے تھے اور ان اخبارات کے مہتمم و ایڈیٹر بھی آگرہ کے اساتذہ ہی ہوتے تھے ۔ چنانچہ آگرہ کے اخبارات اور کتابوں پر گورنر جنرل کی خاص نظر عنایت تھی وہ ان کو خریدتے تھے جس کی تصدیق ۲۸ راکتوبر ۱۸۴۹ء کا اسعدالاخبار آگرہ کرتا ہے ۔ گورنر جنرل کی تعریف کرتے ہوئے لکھتا ہے ۔

"... خصوصاً اہلِ مطابع تو ان کی حُسنِ توجہ اور التفات کے از بس ثنا خواں ہیں اور یہ انہی کی قدرشناسی کی سبب ہے کہ اس شہر میں کئی مطبع جدید قائم ہوئے ۔ کیوں کہ حضور والا ہر ایک مطبع کی چھپی ہوئی کتاب بقدر دانی تمام خریدتے اور اپنے حضور میں طلب فرماتے ہیں اور جمیع مطابع کے اخبار بھی لیتے ہیں"۔

یہی حالت تقریباً پنجاب اور دوسرے مقامات کے اخبارات کی اس زمانہ میں تھی کثرت کے ساتھ خوشامدی اور سرکار کے رحم وکرم پر رہنے والے تھے ۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان اخبارات نے علمی، سیاسی، تاریخی، سماجی اور اصلاحی خدمت نہیں کی ہے اور ایسی خدمات انجام دی ہیں اور اپنے اخبارات و رسائل میں ایسے معیاری اور شاہکار مضامین چھاپے ہیں جو اپنی نظیر آپ ہیں ۔ ان اخباروں میں ہر اعتبار سے بڑا معلوماتی خزانہ ہے ۔ جس قسم کا

پیاساان کے پاس جائے گا وہ سیراب ہو کر آئے گا۔

اس مختصر سی نشست کے لئے یقیناً یہ مقالہ طویل ہے لیکن عنوان کے اعتبار سے بہت مختصر ہے جس میں تحقیقی اور اخبارات کے بہت سے پہلوؤں کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ میں نے اس اجلاس میں شرکت کے لئے آپ حضرات کو جو تکلیف دی ہے اس کے دو مقصد ہیں:۔

اوّل:۔ یہ کہ تقریباً ڈیڑھ سو سال کے اردو کے قدیم و جدید اخبارات میں صرف سیاسی ہی نہیں بلکہ ادبی، علمی، سماجی، معاشی اور تعلیمی واقعات و حالات ایسے انوکھے ہیں جو تاریخی و ادبی وغیرہ کتابوں میں ناپید ہیں اس لیے ان سے استفادہ کیا جائے اور قدیم و جدید اخبارات کو محفوظ رکھنے کے لئے اخبارات کے نام کی لائبریری قائم کی جائے۔

دوئم:۔ یہ کہ میں تاریخ صحافت اردو کی تین جلدیں سنہ ۱۹۰۰ء تک کے اخبارات پر مرتب کر چکا ہوں، جو طبع ہو چکی ہیں۔ بقایا تین جلدیں سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۶۵ء تک کے اخبارات پر مشتمل ہوں گی۔ چوں کہ اس دور کے کافی اخبارات جاری ہیں اور ان سے متعلق صحافی حضرات بھی حیات ہیں اور یہ وہ دور ہے کہ موجودہ صحافی حضرات سے قلمی اعانت اور معلومات فراہم کئے بغیر ان جلدوں کا مرتب ہونا مشکل ہے اس لئے اہل قلم حضرات سے جو اس موضوع سے دلچسپی رکھتے ہیں ان سے درخواست کروں گا کہ ان جلدوں کے مرتب کرنے میں میرا ہاتھ بٹائیں اور اس سلسلے کی جو معلومات ان کے پاس ہوں اس سے مجھ کو مطلع فرمائیں۔ اور صحافی حضرات اپنے حالات زندگی اور جن اخبارات سے ان کا تعلق رہا ہو ان کے حالات لکھ کر مجھ کو روانہ فرمائیں اور اپنے فوٹو بھی ارسال کریں میں ان کا بیحد ممنون ہوں گا۔

اس اجلاس میں ۱۸۵۷ء اور ۱۹۰۰ء سے قبل کے جن اخبارات کی نمائش ہوئی ہے یا جو میرے والد ماجد مولوی شرف الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے کتب خانے میں ہیں، ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) جام جہاں نما، کلکتہ۔ ۲۸ دسمبر ۱۸۲۵ء ۳ جنوری ۱۸۲۶ء ۲۶ دسمبر ۱۸۲۷ء (تین پرچے)

(۲) دہلی اردو اخبار، دہلی۔ ۲۷ دسمبر ۱۸۴۰ء ۳ جنوری ۱۸۴۱ء ۸ اگست ۱۸۴۱ء (تین پرچے)

(۳) سراج الاخبار، دہلی۔ ۱۲ جنوری ۱۸۴۴ء کا ایک پرچہ،

(۴) فوائد الشائقین، دہلی۔ یکم جنوری تا یکم ستمبر ۱۸۴۶ء

(۵) خیر خواہ ہند، دہلی۔ اکتوبر ۱۸۴۷ء

(۶) محب ہند، دہلی۔ جنوری ۱۸۴۹ء

(۷) صادق الاخبار، دہلی۔ ۲۴ جنوری ۱۸۴۵ء

(۸) کوہ نور، لاہور۔ یکم جولائی ۱۸۵۱ء ۲۸ نومبر ۱۸۵۴ء ۲۲ نومبر ۱۸۵۵ء (تین پرچے)

(۹) اسعد الاخبار، آگرہ۔ فائل ۱۸۴۹ء تا ۱۸۵۲ء

(۱۰) معلم العملہ، آگرہ۔ ستمبر تا دسمبر ۱۸۵۰ء

(۱۱) رسالہ تاریخ بغاوت ہند، آگرہ۔ ۱۸۵۹ء تا ۱۸۶۳ء تک کے فائل۔

(۱۲) گلدستۂ شعراء، لکھنؤ۔ دسمبر ۱۸۵۹ء تا ۴ فروری ۱۸۶۱ء

(۱۳) اخبار عالم میرٹھ۔ ۲۶ اکتوبر ۱۸۶۵ء ۳۰ جنوری ۱۸۹۴ء اور ۱۸۹۵ء کے متفرق پرچے،

(۱۴) اکمل الاخبار، دہلی۔ یکم اپریل ۱۸۶۹ء (متفرق پرچے)

(۱۶) اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ ۲ر مئی ۱۸۶۶ء

(۱۷) شعلہ طور کان پور۔ ۳ر جنوری ۱۸۶۵ء

(۱۸) تہذیب الاخلاق علی گڑھ۔ پہلی جلد مکمل یکم شوال ۱۲۸۶ھ دوم چہارم اور پانچویں جلد مکمل۔

(۱۹) رسالہ اتالیق پنجاب لاہور۔ مارچ ۱۸۷۰ء

(۲۰) رسالہ مذاکرہ علمیہ کلکتہ۔ ۲۳ر نومبر ۱۸۷۰ء

(۲۱) رسالہ عرب سرائے دہلی۔ مئی تا نہایت دسمبر ۱۸۷۱ء ستمبر ۱۸۷۳ء

(۲۲) رسالہ خیر المواعظ یکم صفر ۱۲۸۹ھ مطابق ۱۸۷۳ء

(۲۳) رسالہ انجمن رفاہ عام راجپوتانہ اجمیر۔ اپریل [illegible] ۱۸۷۳ء

(۲۴) گزٹ ممالک مغربی وشمالی۔ ۱۰ر مئی ۱۸۷۳ء

(۲۵) مراسلہ کشمیر۔ جولائی تا نومبر ۱۸۷۴ء

(۲۶) تاج الاخبار رام پور۔ ۹ر دسمبر ۱۸۷۵ء تا ۱۰ر فروری ۱۸۷۶ء

(۲۷) ناصر الاخبار دہلی۔ یکم جنوری ۱۸۷۶ء تا یکم اگست ۱۸۷۶ء

(۲۸) اودھ پنچ لکھنؤ۔ مکمل پہلی جلد ۱۸۷۷ء

(۲۹) رسالہ اشاعت السنہ لاہور۔ مئی ۱۸۷۷ء وغیرہ۔

(۳۰) مراۃ الہند لکھنؤ۔ ۱۵ر فروری ۱۸۷۷ء

(۳۱) دبدبۂ سکندری رامپور۔ ۱۸۷۹ء کا مکمل فائل ۱۸۸۴ء و ۱۸۸۹ء کا مکمل فائل۔

(۳۲) رسالہ انجمن قصور، قصور۔ جولائی تا دسمبر ۱۸۷۹ء

(۳۳) لشن گزٹ، دہلی۔ ۷ر مئی ۱۸۷۸ء (متفرق پرچے)

(۳۴) تیرھویں صدی آگرہ۔ شوال ۱۲۹۹ھ شعبان ۱۲۹۶ھ رمضان ۱۲۹۷ھ

(۳۵) زمانہ آگرہ۔ محرم ۱۳۰۱ھ تا ربیع الاول ۱۳۰۱ھ (تین پرچے)
(۳۶) انتخاب قوانین۔ لنطائر شام لال۔ جنوری تا اپریل ۱۸۸۰ء (چار پرچے)
(۳۷) چمن سخن، بدایوں۔ نومبر ۱۸۸۳ء
(۳۸) گلدستہ ناز بمبئی۔ مئی ۱۸۸۵ء
(۳۹) خادم ہند بمبئی روزانہ۔ ۱۶ر اگست تا ۲۵ر اگست ۱۸۸۳ء
(۴۰) پیام یار لکھنؤ۔ جون ۱۸۸۳ء
(۴۱) علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ۔ ۳ر مارچ تا ۲۸ر اپریل ۱۸۸۳ء
(۴۲) دامن گل چیں لکھنؤ۔ فروری ۱۸۸۵ء
(۴۳) آئینہ سخن انبالہ۔ ۲۵ر ستمبر ۱۸۸۵ء
(۴۴) چمنستان سخن لکھنؤ۔ اکتوبر نومبر ۱۸۸۵ء
(۴۵) مرقع نگار لکھنؤ۔ فروری ۱۸۸۵ء
(۴۶) ریاض سخن رام پور۔ ۱۸۸۵ء
(۴۷) رسالہ فنون حیدر آباد دکن۔ جنوری تا فروری ۱۸۸۵ء
(۴۸) تحفہ عشاق لکھنؤ۔ دسمبر ۱۸۸۴ء فروری ۱۸۸۵ء
(۴۹) رسالہ بحر حکمت لاہور۔ جنوری تا دسمبر ۱۸۸۴ء
(۵۰) گلدستہ نتیجہ سخن کلکتہ۔ فروری تا مئی ۱۸۸۴ء
(۵۱) آشوب محشر فرخ آباد۔ مارچ ۱۸۸۴ء
(۵۲) نالۂ زخمی، کانپور۔ مئی ۱۸۸۶ء
(۵۳) منشور محمدی بنگلور۔ ۱۳ر نومبر ۱۸۸۵ء تا ۲۸ر جولائی ۱۸۸۶ء
(۵۴) اودھ اخبار لکھنؤ۔ ۲ر جنوری تا ۱۹ر فروری ۱۸۷۵ء
(۵۵) رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور۔ ۳۱ر جنوری ۱۸۸۶ء وغیرہ۔

(۵۶) نغمہ بہار لکھنؤ۔ جنوری ۱۸۸۷ء
(۵۷) دلگداز لکھنؤ۔ فائل ۱۸۸۸ء و ۱۸۸۹ء
(۵۸) دھرم جیون لاہور۔ ۵ر جنوری تا ۱۵ر دسمبر ۱۸۸۶ء ۲ر جنوری تا ۲۹ر نومبر ۱۸۸۷ء
(۵۹) شحنۂ ہند میرٹھ۔ ۱۶ر اپریل ۱۸۸۸ء وغیرہ۔
(۶۰) نظم اخبار لکھنؤ۔ ۲۰ر اگست ۱۸۸۸ء بقایا چھ پرچے اور۔
(۶۱) آفتاب سخن مرسی۔ جون جولائی ۱۸۸۸ء
(۶۲) اخبار نسیم سحر مرزا پور۔ نومبر ۱۸۸۹ء
(۶۳) گلزار خلد قنوج۔ ربیع الاول ۱۳۰۶ھ، دیگر پرچے
(۶۴) کارنامہ لکھنؤ۔ ۲ر نومبر ۱۸۸۵ء
(۶۵) بہار گوپتر کاجے پور۔ ستمبر ۱۸۹۰ء (متفرق پرچے)
(۶۶) اخبار خیر خواہ عالم دہلی یکم جنوری ۱۸۹۰ء (متفرق پرچے)
(۶۷) کالیستھ متر لاہور۔ اپریل ۱۸۹۳ء
(۶۸) کایستھ سماچار الہ آباد۔ ۱۹ر جون ۱۸۹۰ء (متفرق پرچے)
(۶۹) رسالہ حسن حیدر آباد دکن۔ جولائی ۱۸۹۱ء
(۷۰) گل چیں گورکھ پور۔ اپریل ۱۸۹۲ء
(۷۱) اخبار عام لاہور۔ ۱۱ر فروری تا ۱۵ر جولائی ۱۸۹۳ء
(۷۲) پیسہ اخبار لاہور۔ ۳۰ر جنوری ۱۸۹۳ء (متفرق پرچے)
(۷۳) اخبار تبلیغ جبل پور۔ ۱۵ر مئی ۱۸۹۳ء (متفرق پرچے)
(۷۴) دامن بہار آگرہ۔ جون ۱۸۹۳ء (متفرق پرچے)
(۷۵) رسالہ جلسہ احباب شملہ مظفر نگر۔ ۲۰ر اپریل ۱۸۹۴ء

(۷۶) اخبار مسلم ہیرالڈ بمبئی ۔ ۹ر ستمبر ۱۸۹۳ء تا ۲۸ر اکتوبر ۱۸۹۳ء

(۷۷) قنوج پنچ قنوج ۔ یکم اپریل ۱۸۹۴ء (متفرق پرچے)

(۷۸) بشیر الملک بمبئی ۔ ۲۲ر اگست ۱۸۹۴ء

(۷۹) الوقت گورکھپور ۔ ۱۰ر جنوری تا ۱۱ر مارچ ۱۸۹۴ء

(۸۰) رفیع الاخبار بنارس ۔ ۱۶ر اپریل ۱۸۹۴ء (متفرق پرچے)

(۸۱) مدرسہ علوم اسلامیہ لاہور ۱۸۹۴ء

(۸۲) محمڈن اینگلو اورینٹل کالج میگزین علی گڑھ ۔ اگست ۱۸۹۶ء (متفرق پرچے)

(۸۳) دہلی پنچ، دہلی ۔ ۸ر جنوری ۱۸۹۵ء ۸ر اپریل ۱۸۹۵ء (دو شمارے)

(۸۴) کرنیل مرادآباد ۔ ۸ر جولائی ۱۸۹۵ء (متفرق پرچے)

(۸۵) دکن گزٹ، حیدرآباد دکن ۔ ۸ر جنوری ۱۸۹۵ء (متفرق پرچے)

(۸۶) مراۃ الاخبار بمبئی ۔ ۱۳ر ستمبر ۱۸۹۵ء (دو پرچے اور)

(۸۷) پیام عاشق قنوج ۔ اپریل ۱۸۹۵ء

(۸۸) افضل الاخبار دہلی ۔ ۸ر اپریل ۱۸۹۵ء (متفرق پرچے)

(۸۹) جام جمشید، مرادآباد ۔ ۳ر فروری ۱۸۹۵ء (متفرق پرچے)

(۹۰) پروانہ میرٹھ ۔ اکتوبر ۱۸۹۶ء

(۹۱) بمبئی پنچ بہادر، ۳ر جنوری تا ۷ر فروری ۱۸۹۷ء

(۹۲) سلطان الاخبار بمبئی ۔ ۷ر جنوری تا ۲۸ر فروری ۱۸۹۸ء

(۹۳) گلدستہ مداح النبی، جھجر ۔ ۲۰ر اپریل ۱۸۹۷ء

(۹۴) اخبار انتخاب پنجاب، لاہور ۔ ۱۰ر اکتوبر ۱۸۹۸ء

(۹۵) عروج بہار، بمبئی ۔ جنوری تا جولائی ۱۸۹۶ء

(۹۶) ہیر ہیم رُوز، بجنور۔ ۲۸ اپریل سنہ ۱۸۹۶ء (متفرق پرچے)

(۹۷) اخبار وکیل، امرت سر۔ ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۹۸ء (متفرق پرچے)

(۹۸) سول اینڈ ملٹری نیوز، لدھیانہ ۔ ۱۳ اکتوبر سنہ ۱۸۹۸ء (متفرق پرچے)

(۹۹) گلدستہ منشور شفاعت، بمبئی ۔ ربیع الثانی سنہ ۱۳۰۹ھ (متفرق پرچے)

(۱۰۰) مفید ہند، دہلی ۔ یکم اگست سنہ ۱۸۸۴ء

(۱۰۱) خیال یار ۔ کان پور ۔ فروری، مئی سنہ ۱۸۹۶ء

(۱۰۲) گلدستہ نسیم نوروز، الہ آباد ۔ سنہ ۱۸۸۸ء، سنہ ۱۸۸۹ء

(۱۰۳) شمس الاخبار، مدراس ۔ ۱۲ اگست سنہ ۱۸۹۹ء

(۱۰۴) رسالہ دہلی ایسوسی ایشن دہلی ۔ ۵ اپریل سنہ ۱۸۶۷ء

(۱۰۵) ادیب، فیروزآباد ۔ جنوری اپریل سنہ ۱۸۹۹ء

(۱۰۶) المعلومات، آگرہ ۔ جنوری سنہ ۱۸۹۹ء

(۱۰۷) رسالہ انجمن مناظرہ، دہلی ۔ جولائی سنہ ۱۸۷۱ء

(۱۰۸) گلدستہ سخن، لدھیانہ ۔ نومبر سنہ ۱۸۹۶ء

(۱۰۹) البنچ، پٹنہ ۔ ۸ نومبر سنہ ۱۸۹۶ء

(۱۱۰) ریاض الاخبار، گورکھ پور ۔ ۱۶ جولائی سنہ ۱۸۹۱ء

(۱۱۱) اردو بہار ہیرلڈ انڈین کرانیکل، پٹنہ ۔ ۵ فروری سنہ ۱۸۸۷ء

(۱۱۲) مرقع تہذیب، لکھنؤ ۔ یکم اکتوبر تا نومبر سنہ ۱۸۷۳ء

(۱۱۳) گلدستہ سخن، لاہور ۔ نومبر دسمبر سنہ ۱۸۸۰ء

(۱۱۴) ریاض خلیل ۔ مارہرہ ۔ اگست تا دسمبر سنہ ۱۸۹۸ء جنوری فروری سنہ ۱۸۹۹ء

(۱۱۵) ریاض سخن مارہرہ ۔ اکتوبر سنہ ۱۸۹۴ء نومبر سنہ ۱۸۹۶ء فروری تا اپریل سنہ ۱۸۹۸ء

(۱۱۶) اخباروں کا قبلہ گاہ، لاہور، ۹ اگست سنہ ۱۸۸۱ء ۸ مارچ جولائی سنہ ۱۸۸۲ء

(۱۱۷) علوم الاسلام، کلکتہ۔ یکم نومبر ۱۹۰۰ء

(۱۱۸) سرمۂ روزگار، آگرہ، ۲۳ نومبر ۱۹۰۰ء

(۱۱۹) دہلی پنچ، لاہور، ۳۰ اگست ۱۸۸۲ء

(۱۲۰) مخزن مسیحی، الٰہ آباد۔ ۱۸۶۸ء کے علاوہ پانچ سال کے فائل

(۱۲۱) زبان دہلی دسمبر ۱۸۹۴ء جنوری ۱۸۹۵ء۔ ایڈیٹر مولانا راسخ

(۱۲۲) البشیر، اٹاوہ۔ ۱۷ جولائی ۱۸۹۹ء

(۱۲۳) گوالیار گزٹ، گوالیار۔ ۲۷ مئی ۱۸۹۳ء ۲۹ اکتوبر ۱۸۹۹ء

(۱۲۴) خدنگ نظر، لکھنؤ۔ مارچ ۱۹۰۲ء (متفرق پرچے)

(۱۲۵) نسیم، دہلی۔ ۲ جولائی ۱۹۰۱ء (متفرق پرچے)

(۱۲۶) رسالہ روشنی، لکھنؤ۔ جنوری تا دسمبر ۱۸۹۸ء

(۱۲۷) دار العلوم، دہلی۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۰۱ء تا ۱۰ جون ۱۹۰۲ء

(۱۲۸) مخزن لاہور۔ اپریل تا ستمبر ۱۹۰۱ء

(۱۲۹) عصر جدید، میرٹھ جنوری تا ۱۹۰۴ء

(۱۳۰) بہار، پٹنہ۔ جولائی ۱۹۰۴ء

(۱۳۱) مجلہ طبیہ دہلی اپریل تا اگست ۱۹۰۴ء

(۱۳۲) احسن۔ کاکور اپریل ۱۹۰۴ء

(۱۳۳) تہذیب، رام پور، یکم ستمبر ۱۹۰۵ء

(۱۳۴) علی گڑھ منتھلی، علی گڑھ۔ اگست ۱۹۰۳ء تا دسمبر ۱۹۰۶ء

(۱۳۵) الندیر، میرٹھ ستمبر ۱۹۰۴ء تا فروری ۱۹۰۶ء

(۱۳۶) تعلیم الاسلام، بنارس۔ جون ۱۹۰۵ء تا دسمبر ۱۹۰۷ء

(۱۳۷) کاشف العلوم، دہلی۔ اپریل ۱۹۰۳ء تا جولائی ۱۹۰۳ء

(۱۳۸) خاتون، علی گڑھ۔ جولائی ۱۹۰۴ء جون ۱۹۰۵ء

(۱۳۹) آفتاب، علی گڑھ۔ مارچ اپریل جولائی ستمبر ۱۹۰۴ء

(۱۴۰) تحفہ، بمبئی۔ جولائی ۱۹۰۶ء

(۱۴۱) ترقی۔ لاہور۔ جنوری ۱۹۰۶ء و جنوری ۱۹۰۷ء

(۱۴۲) آزاد۔ لاہور۔ جنوری ۱۹۰۷ء

(۱۴۳) شیعہ۔ سارن۔ اگست ۱۹۰۸ء

(۱۴۴) تنویر المشرق۔ کلکتہ۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء

(۱۴۵) عصمت، دہلی ستمبر ۱۹۰۸ء و مارچ ۱۹۰۹ء

(۱۴۶) اتحاد مذاہب عالم، رنگون۔ جنوری ۱۹۰۸ء

(۱۴۷) الیشیار امرت سر۔ دسمبر ۱۹۰۷ء و جنوری ۱۹۰۸ء

(۱۴۸) آریہ مسافر، جالندھر۔ اپریل ۱۹۰۹ء

(۱۴۹) الرفیق۔ رنگون۔ اکتوبر ۱۹۰۸ء

(۱۵۰) دامنِ گلچیں رامپور۔ جنوری تا جون ۱۸۹۹ء

(۱۵۱) اُردوئے معلیٰ علی گڑھ ۱۹۰۶ء اور ۱۹۱۲ء کی مکمل فائل۔ اُردوئے معلیٰ
کانپور ۲۶-۱۹۲۵ء کا مکمل فائل۔

(۱۵۲) کشمیری میگزین لاہور نومبر دسمبر ۱۹۰۹ء جنوری فروری ۱۹۱۰ء

(۱۵۳) شریف بی بی لاہور فروری تا نومبر ۱۹۱۰ء جنوری فروری ۱۹۱۲ء

(۱۵۴) تشحیذ الاذہان قادیان۔ جنوری تا دسمبر ۱۹۱۱ء

(۱۵۵) تمدن، دہلی۔ اپریل ۱۹۱۱ء

(۱۵۶) البرہان، جالندھر۔ مارچ ۱۹۱۱ء

(۱۵۷) ضیاء الاسلام، مراد آباد۔ ۱۵ر مئی ۱۹۱۱ء

(۱۵۸) مرصع، آگرہ۔ جولائی اگست ۱۹۱۲ء جنوری تا مارچ ۱۹۱۳ء

(۱۵۹) معیار، لکھنؤ۔ جنوری ۱۹۱۲ء

(۱۶۰) نظام المشائخ، دہلی۔ نومبر ۱۹۰۹ء (دیگر پرچے)

(۱۶۱) طالب دیدار، میرٹھ۔ جنوری فروری ۱۹۱۳ء

(۱۶۲) رسالہ الہلال، دہلی۔ اگست ۱۹۱۳ء (دیگر پرچے)

(۱۶۳) مفتاح الاسرار، جالندھر، مارچ مئی جولائی ۱۹۱۳ء

(۱۶۴) رسالہ دربار لاہور۔ اپریل ۱۹۱۲ء

(۱۶۵) نہال سخن، بریلی۔ فروری ۱۹۱۱ء

(۱۶۶) ترقی سخن، بمبئی۔ جنوری مارچ ۱۹۱۴ء

(۱۶۷) شوق لاہور۔ جون ۱۹۱۴ء

(۱۶۸) افادہ، آگرہ۔ ۳۱ مارچ ۱۹۱۴ء (پندرہ پرچے)

(۱۶۹) شاہد سخن، حیدرآباد دکن۔ فروری ۱۹۱۴ء

(۱۷۰) گلدستہ معراج سخن، مدراس۔ جون ۱۹۱۵ء

(۱۷۱) کرزن گزٹ، دہلی۔ ۱۹۱۲ء ۲ پورا فائل۔

(۱۷۲) رسالہ ہمدرد، آگرہ۔ مارچ اپریل ۱۹۱۴ء

(۱۷۳) اخبار الہلال، دہلی۔ ۱۹۱۲ء ۱۹۱۳ء کا مکمل فائل۔

(۱۷۴) صوفی پنڈی بہاء الدین۔ دسمبر ۱۹۱۶ء (دیگر پرچے)

(۱۷۵) نظام، میرٹھ۔ اپریل ۱۹۱۷ء مارچ ۱۹۱۸ء

(۱۷۶) پیام امید، لاہور۔ مئی ۱۹۱۸ء (دیگر پرچے)

(۱۷۷) مخلصیہ گزٹ، لاہور۔ نومبر ۱۹۰۹ء (دیگر پرچے)

(۱۷۸) نظام، لاہور۔ مئی ۱۹۱۹ء

(۱۷۹) انتخاب لاجواب، لاہور۔ ۱۴ جنوری تا ۱۸ جون ۱۹۱۸ء

(۱۸۰) انتخاب جاورہ۔ ستمبر ۱۹۱۶ء

(۱۸۱) گنجینہ علوم۔ مراد آباد جنوری تا اپریل۔ جولائی۔ نومبر تا دسمبر ۱۸۷۰ء (آٹھ پرچے)

(۱۸۲) رسالہ افسر، حیدر آباد دکن یکم جنوری ۱۹۰۱ء

(۱۸۳) معیار الانشاء، حیدر آباد دکن۔ فروری ۱۹۰۲ء

(۱۸۴) زبان۔ دہلی۔ فروری تا مئی ۱۹۰۸ء ایڈیٹر مائل دہلوی۔

(۱۸۵) غنچۂ جاوید۔ بمبئی مارچ۔ اگست ۱۹۰۷ء

(۱۸۶) کمال۔ دہلی۔ اپریل ۱۹۱۲ء کے متفرق پرچے۔

(۱۸۷) (بیچیہ نگاریں۔ دہلی اگست ۱۸۹۹ء تا اکتوبر ۱۸۹۹ء)

(۱۸۸) کھتری ہتکاری۔ مراد آباد۔ مارچ اپریل مئی جون جولائی اگست ستمبر اکتوبر ۱۸۸۸ء (آٹھ پرچے)

(۱۸۹) منروا۔ امرتسر۔ دسمبر ۱۹۰۷ء و مئی ۱۹۱۰ء

(۱۹۰) کشمیر درپن۔ الہ آباد۔ نومبر ۱۹۰۳ء۔

(۱۹۱) رسالہ اخلاق جے پور۔ جنوری، مارچ اپریل دسمبر ۱۹۰۵ء جنوری ۱۹۰۶ء

(۱۹۲) خلاصہ نظائر الہ آباد فروری تا دسمبر ۱۸۸۲ء

(۱۹۳) معدن النظائر بریلی۔ جنوری ۱۸۵۹ء تا ۱۸۶۵ء

(۱۹۴) سفیر۔ بمبئی۔ مارچ ۱۹۰۱ء

(۱۹۵) رسالہ رہنما ٹوہانہ۔ ۵ فروری ۱۹۰۹ء

(۱۹۶) فانوس خیال پٹھان کوٹ دسمبر ۱۹۱۴ء

(۱۹۷) بزم سخن۔ لکھنؤ مارچ ۱۹۱۵ء (۱۹۸) مذاق سخن متھرا۔ اکتوبر ۱۹۰۴ء

چند اخبار و رسائل جن کا ذکر تاریخ صحافت اُردو میں نہیں ہے

میری تالیف کردہ تاریخ صحافت اُردو کی تینوں جلدوں میں جتنے اخبارات و رسائل کا ذکر آیا ہے ان کی تعداد بہت کم ہے اُس زمانے میں بہت بڑی تعداد میں اخبارات رسائل نکلے ہیں۔ اس مضمون میں ان چند اخبارات و رسائل کا ذکر ہے جو مجھے تاریخ صحافت اُردو کی تینوں جلدوں کے طبع ہونے کے بعد دستیاب ہوئے ہیں۔ اور ان کا ذکر تاریخ صحافت اردو کی تینوں جلدوں میں نہیں ہے۔

مطلع الانوار یہ اخبار جون ۱۸۵۴ء کو شائع ہوا تھا۔ ہفتہ وار تھا۔ آٹھ صفحات پر نکلتا تھا۔ سالانہ چندہ دس روپے تھا پہلے مطلع الانوار میں شیخ عمر بخش کے اہتمام میں چھپتا تھا اس کے بعد مفتی غلام نبی پرنٹر کے اہتمام میں چھپنے لگا۔

اس اخبار میں غیر ملکی روس روم، برہما، ترکی شام اور مصر کی خبریں زیادہ ہوتی تھیں اور ملکی کم گجرات کی بھی خبریں چھپتی تھیں۔ بنگال کے تھوڑے سے حصہ میں سب سے پہلے ریل چلائی گئی۔ اس کی خبر ۲۸ اگست ۱۸۵۴ء کے پرچے میں شائع ہوئی۔

" انگلش اخبار سے مستنبط ہے کہ بنگالہ میں جو تھوڑی سی آہنی سڑک بن کر تیار ہوئی ہے اس پر تجربہ کے واسطے اوّل دھوئیں کی گاڑی چلائی گئی اور ہوڑہ اور کلکتہ کے بہت سے لوگ تشریف رکھیںہ اور صاحبان عالیشان

تماشا دیکھنے کو جمع ہوئے صبح کے وقت ساڑھے سات بجے کے قریب تیاری ہوکر لوگ اس گاڑی میں سوار ہونے شروع ہوئے ان میں میجر گراہام صاحب کرنل اینڈرسن صاحب اور کرنیل لو صاحب میجر بیجر صاحب اور بابو رام گوپال گھوش وغیرہ تھے جب آٹھ بجنے کو آٹھ منٹ پہلے دقیقہ باقی رہے وہ گاڑی اپنی جگہ سے چلی اور تماشائیوں کی زبان سے یک بیک کلمہ تعجب کا شور اٹھا اول مرتبہ رفتار زیادہ تیز نہ تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس قدر سرعت ہوئی کہ ایک گھنٹے میں بیس میل طے کر گئی۔ پہلی بار اتنی چال بھی بہت ہوئی کیونکہ اس حساب سے ایکدن رات میں قریب اڑھائی سو کوس کے طے ہوتے ہیں۔ جو صاحب اس گاڑی میں سوار تھے بہت خوش ہوئے اور لکھا ہے کہ دو ہفتہ میں اشتہارات اہل و تجارت کی آمد و رفت کیواسطے کھل جائے گا۔ اور نواب گورنر جنرل بہادر اس روز بنفس نفیس تشریف لیجا کر آمد و رفت اس گاڑی کی جاری کرائیں گے"۔

جب انگریز ہندوستان پر قابض ہوئے تو وہ کالے آدمی سے بات کرنا پسند نہیں کرتے تھے ان کے ملاقات کرنے کے طریقے بھی ہندوستانیوں کے طریقہ ملاقات سے علیحدہ تھے چنانچہ ہندوستانیوں کو انگریزوں سے ملاقات کرنے کے طریقے بتائے جاتے تھے کہ ان سے اس طرح ملاقات کرنی چاہیئے چنانچہ مطلع الانوار کے شمارے ۰ راگست ۱۸۵۵ء میں ان طریقوں کا ذکر ہے

" قطع نظر حکومت سے ہندوستان میں صاحبان انگریز کی بود و باش کے باعث اہل ہند کو ان سے ملاقات کرنی اور آمد و رفت رکھنی لازم آتی ہے جیسے کہ یہ سلسلہ درمیان عزت دار اور اشراف ہندوستانیوں اور اہل انگلستان کی بالفعل دیکھنے میں آتا ہے وہ بنظر اس زمانہ دراز کے

جیسے صاحبان انگریز ہند میں تشریف لائے بہت کم ہے اور اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ طرفین کی اوضاع و اطوار اور عادات اخلاق میں اختلاف بہت ہے اور تعلیم و تربیت میں بھی بڑا فرق ہے اس واسطے صحبت ایک کی دوسرے کو خوش نہیں آتی اور بات ان کی انکو نہیں بھاتی اب اس اختلاف طبع اور بنائیں۔ قابلیت کے دور ہونے کو بہت زمانہ چاہیئے مگر چند آداب جو ملاقات کے وقت اہل ہند کو نگاہ رکھنے واجب ہیں ایک انگریزی کتاب سے ترجمہ کر کے یہاں لکھے جاتے ہیں تا کہ ناظرین کو بھی کام آویں"۔

صاحبان انگریز کے مکان پر دس بجے سے پہلے اور ایک بجے کے بعد ملاقات کو نہ جائیں اور زیادہ نہ ٹھہریں۔ پاؤ گھنٹہ کمال درجہ ہے بلکہ دس لمحہ بھی بہت ہیں۔ اور اگر دوسرا شخص ملاقات کو آوے تو پھر نہ ٹھہریں اٹھ کر رخصت ہونے کی اجازت چاہیں اور صاحبان انگریز میں یہ دستور نہیں ہے کہ کسی کو آپ رخصت جانے کی دیں اس واسطے ملاقات کرنے والے کو چاہیئے جب نشست کے مکان میں قدم رکھیں اور دیکھیں کہ بی بی صاحبہ بھی ہیں تو ان کو ادب سے سلام کریں اور ان کے ہاں ہاتھ ملانے کا دستور ہوتا ہے سو پہلے آپ ہاتھ نہ بڑھائیں اگر وہ ہاتھ بڑھا دیں تو مضائقہ نہیں ہے ورنہ فقط سلام پر اکتفا کریں اور جہاں کوئی بی بی صاحبہ بیٹھی ہوں ان کے سامنے اپنے یا کسی دوسرے کے دکھ درد کا حال بیان نہ کریں ہاں اگر پوچھیں تو مضائقہ نہیں اور اہل ہند اکثر ایسی بات کہہ بیٹھتے ہیں جو انگلستانیوں نازک مزاج کو ناگوار معلوم ہوتی ہے سو اس کا بہت لحاظ رکھنا چاہیئے اور اپنی پوشاک بھی اچھی طرح کی پہنیں اور

ٹوپی پہن کر ڈھیلا جامہ پہن کر ملاقات کو نہ جائیں اور کچہری میں اگر ملاقات کو جائیں تو اس کا وقت دس بجے سے ۵ بجے تک ہے مگر ہاں کم ٹھہرنا چاہیے بلکہ اگر کچھ کام کے لئے نہ گئے ہوں تو بہت ہی تھوڑا ٹھہریں اور کسی حال میں گفتگو خانگی معاملوں کے درمیان نہ لائیں مثلاً بعضے بڑے بڑے آدمی بے غرضانہ پوچھ بیٹھتے ہیں کہ کوٹھی بنک میں آپکے کتنے حصہ ہیں یا آپ کس قدر تنخواہ پاتے ہیں یا فلانے شخص سے آپ کی کچھ دید وشنید ہے یا نہیں ایسی باتیں نہایت معیوب ہیں اور محض فضول علاوہ اس کے اکثر اہل ہند کا دستور ہے کہ صاحبوں سے درخواست جیسی سفارش کر بیٹھتے ہیں خواہ ان کے کسی دوست کے نام جن سے ان کو کچھ بھی تعارف ہو اس سبب سے ان کو ان کی ملاقات میں دریغ ہوتا ہے۔"

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے قبل لکھنؤ میں امیر علی صاحب کے جہاد کا واقعہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کا ذکر ۱۵ نومبر ۱۸۵۵ء کے شمارے میں ہے۔

کوہ نور لاہور سے دریافت ہوا کہ امیر علی معہ تین ہزار آدمیوں کے دریاباد میں مقیم ہے بعضے زیادہ آدمی بتلاتے ہیں اور کپتان بارلو صاحب کی رجمنٹ بھی منتظر ہیں۔ جس وقت یوسف خاں کمانیر دوم نے امیر علی کو دھمکایا کہ میں تجھ کو توپ کے منہ پر اڑا دوں گا تو اور تلنگوں کے سپاہیوں نے کہ پادشاہی رجمنٹ میں نوکر تھے اس کا مقابلہ کیا کہ ہم تم کو مولوی صاحب کو دھمکانے نہ دیں گے اور تم کچھ مزاحمت نہ کرو۔ اور اللہ کی بات سچ بھی تھی کیوں کہ مولوی امیر علی کے وعدہ

کیا ہے کہ انتظار فیصلہ اس قدر مدت تک میں دست اندازی نہ کروں گا...... سب گمان کرتے ہیں کہ جس وقت فساد برپا ہوا تو تمام سپاہ بادشاہی مولوی صاحب کی جانب ہو جاوے گی گو کہ شیخ شہر نے فتویٰ خلاف اس کے دیا ہو۔ اس فتوے پر لوگوں کو اعتبار نہیں کیونکہ وہ بے ارتضاء نہیں دیا گیا اس عرصے میں سب کاروبار سرکاری ملتوی پڑا ہے اور سب کا خیال اس معرکہ کی طرف رجوع ہے تہور خاں اب تک لکھنؤ میں ہے کپتان میری صاحب فیض آباد کی حفاظت میں مصروف ہے پچاس ساٹھ توپیں دریا آباد کی طرف بھیجی گئی ہیں غرض یہ کہ یہ جھگڑا کسی طرح برپا ہوا ہو۔ اب بادشاہ اور وزیر دونوں تمہاں میں ہیں اور اندیشہ ہے کہ کیا کیا جاوے اب اس کے رد کرنے کا بھی یارا نہیں یہ تو آسان ہے کہ امیر کو قتل کرا دیں یا اس کو رد بہ دیگر راضی کر لیویں مگر اب تمام اہل اسلام پر غضب ہیں اور ان لوگوں سے سر پر ہونا دشوار ہے اور ایک آدمی نہیں کہ جس کو سمجھا لیا جاوے۔ اور دوسری جانب ہندو بزعم اپنی بہادری اور سپاہ نے آمادہ جنگ ہیں اور انتظار دیکھتے ہیں کہ کب لڑائی شروع ہووے کب لوہا کام کرے۔ ایک اور خط سے معلوم ہوا کہ مولوی امیر علی دریا باد سے اودھ کی جانب جانا چاہتے ہیں بارہ ہزار آدمی مسلح اس کے ساتھ ہیں اور ہزار ہا پہلے آئے ہیں کئی رجمنٹ اور توپیں شاہی بادشاہ کے حکم سے دریا باد میں تیار ہیں۔ مگر بادشاہ کو معلوم ہو گیا ہے کہ ان سپاہیوں کا بالکل بھروسہ نہیں جس مذہب کا آدمی ہے وہ اپنے فریق کے ہمراہ ہو جائے گا ہندو کا ارادہ ہے کہ مولوی اودھ میں آنے نہ پاویں ان کے اور ان کے ہمراہیوں

گے راستہ میں خبر لیجا دے ان کو اپنے زور کا زعم ہے اور کہتے ہیں کہ مسلمانوں کو ماریں گے۔ لکھنؤ میں ہر دم انتظار خبر ہنگامہ کا ہے اور ہر شخص گوش بر آواز ہے۔"

ایک کشمیری پنڈت کو آلِ رسول سے بے پناہ محبت تھی اور اسلام کی حقانیت کے بارے میں اشعار کہا کرتے تھے۔ ان کی موت کے متعلق ایک واقعہ ۲ اگست ۱۹۵۸ء کے شمارے میں نقل ہوا ہے۔ عنوان ہے "خبر کوہ میری"۔

"صاحب جنید فیض سیالکوٹ نے جو احوال پنڈت قوم کشمیری وہاں کے بازار ماستہ کے سر رشتہ دار کا نمبر ۲۸ صفحہ ۱۲ اخبار اپنے میں درج فرمایا تھا کہ دن بھر صحیح و سالم رہا اور کسی طرح کے آثار بیماری اس سے نہ ہوا۔ رات کو یکایک اس نے اپنے مکان میں بیٹھے ہوئے یہ اشعار پڑھے ؎

خدایا بحق نبی فاطمہ　　　　تو بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول　　　　من و دست و دامانِ آلِ رسول

پڑھنے کے ساتھ ہی اس کا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ تب کو چالیس من لکڑی تک اس کو جلایا گیا اور کچھ بھی حرارت ناری کا اثر موثر نہ ہوا اور مردہ اس کا جیوں کا تیوں رہا۔ جب لاش اس کی چالیس من لکڑی سے بھی نہ جلی بلکہ اس کے کفن کو بھی داغ سوختہ نہ ہوا تو پھر من بھر گھی اس پر ڈال کر آگ جلائی پھر بھی سالم رہا۔ آخر الامر داغ پیشانی پر کر کے دریا میں بہا دیا۔ وہ پنڈت جنگل کشور مرحوم جیسا بیان بعہدہ اظہار نویسی ملازم تھا ایسے ایسے اشعار جو موافق عاقبت بخیر کے ہوں پڑھ کر اس

دین متین کو جان سے عزیز سمجھتا تھا سو خدا تعالیٰ جل شانہ نے تمنائے دلی آپکی حاصل کردی۔ ظاہراً یہی معلوم ہوتا ہے کہ آمرزگار حقیقی نے جرم صغیرہ وکبیرہ اس کے عفو فرما کر دروازہ دوزخ مسدود کئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔"

سفیر پنجاب یہ پندرہ روزہ اخبار لاہور محلہ یکی دروازہ حویلی سے ۲ فروری ۱۸۵۷ء کو نمودار ہوا۔ ہر مہینے کی پہلی اور پندرھویں کو ۲۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ مالک منشی ہرسکھ رائے مہتمم منشی نولکشور منیجر غلام محمد پرنٹر علی بخش تھے۔ سالانہ چندہ نو روپے تھا۔ مطبع کوہ نور لاہور میں چھپتا تھا۔ اس کا حسب ذیل اشتہار شائع ہوتا تھا۔

"یہ سفیر باتوقیر جس کے فوائد بہتر ازاکسیر اور نہایت بے نظیر ہیں ہر مہینے کی پہلی اور پندرھویں تاریخ کو چھپتا ہے اس کی مفاد کی تعریف کون لکھ سکتا ہے۔ عالی دانشمند آئین پسند کے واسطے عیار پر تنظیم ہے اور عوام مستمند کے لئے صراط مستقیم ہو چکا ہے نو روپیہ سال پیشگی دینے سے اس کو پا سکتا ہے۔ ایک روپیہ آٹھ آنے سال محصول لگتا ہے پیشگی نہ دینے والوں سے اٹھارہ روپے لئے جاتے ہیں۔ تین مہینے تک ہم انتظار اس کا اٹھاتے ہیں۔ اشتہارات کی اجرت فی سطر ایک آنہ ہے۔"

معلوم دیتا ہے کہ سفیر پنجاب کی زندگی زیادہ نہیں ہوئی ۲۴ ویں نمبر از نومبر ۱۸۵۷ء ہی سے سفیر پنجاب کو کوہ نور میں مدغم کرنے کا اعلان شروع ہو گیا تھا جس کی عبارت یہ تھی۔

" بوجہ شوق شائقین سفیر پنجاب کا اب روز بروز کم ہوتا جاتا ہے اور توجہ

احباب کی اس طرف بہت کم معلوم ہوتی ہے اگر یہی صورت آخر سال تک برابر چلی گئی تو ایک تو بنظر مقبولیت کام اور دوسرے بلحاظ تخفیف خرچ کے سفیر پنجاب کو کوہ نور میں ہی شامل کر دیا جاوے گا یعنے جو مراتب کہ اس میں کوہ نور سے علیحدہ چھپتے ہیں وہ کوہ نور میں ہی چھپا کریں گے اور سفیر پنجاب بند کر دیا جاوے گا۔ اور اگر آخر سال تک بدستور رامن ہو گیا تو بدستور جاری رکھا جاویگا۔ پس بہتر یہ ہے اگر شائقین سفیر پنجاب کو چاہتے ہیں تو اخیر سال تک اس کی ترقی میں توجہ فرماویں اس کی قدر و منزلت بڑھاویں ورنہ اس سال کے ختم ہونے پر اس کا جلوہ خاص نور میں شامل ہو جاوے گا"۔

اس اخبار میں تمام تر قانونی معلومات درج کیجاتی تھی۔ تمام پرچے قانونی سرکلروں، پنجاب گزٹ کے احکامات، تقرری، تبدیلی و رخصت وغیرہ کے اعلانوں سے بھرے رہتے ہیں۔

اشتہارات بھی اسی قسم کے چھپتے تھے جو محکمہ تعلیم وغیرہ کے حکمنامہ ہوتے تھے، چنانچہ ایک اشتہار جس کا عنوان "حکم اشتہار" ہے محکمہ انسپکٹری سکولز حلقہ ۲ اجلاسی مسٹر فرانک برون صاحب انسپکٹر آف پبلک انسٹرکشن کی طرف سے ۱۴ نومبر ۱۸۵۶ء کو جاری ہوا جو مدرسہ تعلیم المدرسین راولپنڈی کے طلباء کے داخلہ کے سلسلہ میں تھا اور ۲۴ نومبر ۱۸۵۶ء کے شمارے میں چھپا ہے۔

"یکم نومبر ۱۸۵۶ء سے مدرسہ تعلیم المعلمین راولپنڈی خاص جاری ہوا ہے اس مدرسہ میں تیس طالب علم بمشاہرہ تین روپیہ ماہواری اور تیس بمشاہرہ عمدہ ماہواری بھرتی ہوں گے مگر بالفعل جملہ طلم

سے ماہواری پاویں گے الا بعد امتحان حصہ ماہواری بشرط لیاقت ہوں گے اور طالب علم جب داخل ہوں گے تو ان سے اقرار نامہ جو ذیل میں لکھا جاتا ہے لیا جاوے گا جب کسی کو داخل ہونا اس مدرسہ میں منظور ہو تو مقام راولپنڈی میں حاضر ہو کر درخواست کرے یہاں سے حکم بھرتی ہونے کا ہوگا۔"

"جو کہ مسمی بمدرسہ تعلیم المسلمین سرکاری واقع بمشاہرہ روپیہ داخل ہوا ہے ہم جن کے العبد ذیل میں ہے اقرار کرتے ہیں اگر نامبردہ پیشتر منقضی ہونے عرصہ دو سال کے یوم داخلہ سے بغیر عذر قوی کے کہ جس کو صاحب انسپکٹر منظور فرماویں مدرسہ مذکور کو ترک کرے یا بعد منقضی ہونے دو سال کے کسی عہدہ سررشتہ تعلیم کے اختیار کرنے میں کہ جو اس کو واسطے صاحب انسپکٹر ڈائرکٹر بہادر تجویز فرماویں انکار کرے تو جو روپیہ نامبردہ نے بابت مشاہرہ کے ابتدائی داخل ہونے مدرسہ سے یوم ترک مدرسہ تک پایا ہم اسکو واپس کر دیں گے۔ المرقوم ماہ سنہ ۱۸ء بقلم خود

العبد العبد

العبد العبد

دہلی میں ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں مجاہدین کو جب ناکامی ہوئی اور دہلی پر انگریزوں کا قبضہ ہو گیا تو اس کی مختصر سی رپورٹ "احکامات ملٹری" کے عنوان کے تحت ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۷ء کے پرچے میں چھپی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مجاہدین نے دہلی میں انگریزوں سے دندان شکن مقابلہ کیا تھا۔

"عمل شہر دہلی د لال محل و قلعہ سلیم گڑھ پر شجاعان انگریزی کا بالکل تسلط ہو گیا آفریں ہے اس فوج کو جس نے زیر افسر میجر جنرل ولسن صاحب بہادر کے ایسی فتح نمایاں حاصل کی کہ مفسدین احاطہ بنگال کو ممالک شمالی میں ایک صدمہ سخت پہونچا۔ ایام کلائو صاحب و لیک صاحب گویا تازہ ہوگئے۔ باوجود وباء ہیضہ جو سرکاری کیمپ میں جاری رہے اور تپش آفتاب جو فوج سرکاری نے تین مہینے سے برداشت کی اور جس سبب سے زیان فوج کا بہت ہوا اور حملہ مفسدین جو تعداد میں فوج سرکاری سے ہزارہا درجہ زیادہ تھی اور ان کے پاس توپیں بھی بہت تھیں اور مقابلہ سخت کیے جو مفسدین نے ۱۴ تاریخ سے کیا۔ عزم ہماری فوج کیا ولایتی کیا ہندوستانی کا بدستور رہا اور ان کی بہادری میں بھی فرق نہیں آیا گورنمنٹ کو لازم ہے کہ خدمات میجر جنرل ولسن بہادر و فوج ظفر فوج کا اقرار کرے اور احسان بیان کرے۔"

ہندوستان میں چھوت چھات کی وبا اور ذات پات کی تفریق جہاں پرانی ہے وہاں معلوم ہوتا ہے کہ صوبجاتی تعصب بھی قدیم سے چلا آتا ہے ایک صوبہ کا آدمی دوسرے صوبے کے آدمی سے نفرت کرتا ہے اس کو غیر ملکی سمجھتا ہے اور اپنے صوبہ میں کسی دوسرے صوبہ والے کے کام کرنے اور ملازمت کرنے کو برداشت نہیں کرتا اور اس کو اپنی حق تلفی سمجھتا ہے۔ چنانچہ ۶ اکتوبر ۱۸۵۷ء میں پنجاب کے لوگوں کی صوبجاتی تعصب کی یہی حالت تھی۔

۶ اکتوبر ۱۸۵۷ء کے شمارے میں گلہ کیا گیا ہے اور انبالہ، لدھیانہ، فیروز پور، تھانیسر، جالندھر، لاہور، گجرانوالہ، جہلم، گجرات اور ڈیرہ غازی خاں

وغیرہ وغیرہ کے ملازمتوں کے نقشوں سے ثابت کیا ہے کہ پنجابی لوگ بڑے بڑے عہدوں پر بہت کم ملازم ہیں اور ہندوستانی بہت زیادہ ملازمتوں پر قبضہ کئے ہوئے ہیں۔

"صاحبان بورڈ رائے دیتے ہیں کہ جہاں تحصیلدار ہندوستانی ہو وہاں پیشکار پنجابی مقرر ہوا کرے اور عہدہ جات تھانہ داری جمعداری واظہار نویسی و نیز قانونگوئی ومحرری پر پنجابی مقرر کئے جاویں... نقشہ جات مشرح سے دریافت ہوگا کہ اکثر اچھے اور بڑے تنخواہ والے عہدوں پر ہندوستانی ناموز ہیں اس بات کا ہونا مقام صدمہ نہیں کچھ بڑی بات نہیں لیکن ایک اور خرابی پیدا ہوئی ہے اور عہدہ جات تحصیلداری ومفصلہ ہندوستانی مقرر ہیں پس ملک کے باشندوں کو ہر لحاظ سے ایسے اشخاص سے معاملہ پڑتا ہے جو ان کی عادات اور خصائل سے محض ناواقف ہیں اور ہمدردی بالکل نہیں رکھتے۔ بڑے بڑے عہدوں کا حال مفصل نقشہ مشتملہ سے معلوم ہو جاویگا۔

انبالہ۔ سررشتہ دار دیوانی و کلکٹری ہندوستانی ہیں نصف اظہار نویسوں میں سے ہندوستانی ہیں، تحصیلدار سب ہندوستانی ہیں۔ پانچ پیشکاروں میں سے چار ہندوستانی ہیں، کوتوال ہندوستانی ہیں اور دہلی کا باشندہ تیرہ تھانیداروں میں سے نو ہندوستانی ہیں۔

لدھیانہ۔ سررشتہ داروں میں سے ایک ہندوستانی ہے اور نیز ناظر نائب ناظر وغیرہ بھی ہندوستانی ہیں، داروغہ جیل۔ جمیع نوکران افسر جیل سوائے دو کے ہندوستانی ہیں اور نیز چار پیشکاروں میں سے تین ہندوستانی ہیں۔ آٹھ تھانیداروں میں چھ ہندوستانی ہیں۔

یہ اخبار غالباً ایک سال کے بعد کوہ نور میں مدغم کر دیا گیا ہو گا۔

خیال یار یہ ماہانہ گلدستہ کانپور انور گنج سے مئی ۱۸۹۶ء کو جلوہ افروز ہوا۔ اس گلدستہ کو دارالعافیہ کمپنی نکالتی تھی ۱۶ صفحات پر مشتمل تھا۔ اس کے مرتب محمد فخرالدین فخر لکھنوی تھے۔ سالانا چندہ معہ محصول ڈاک ۶ر اور آدھ آنہ فی پرچہ قیمت تھی۔ کانپور گزٹ پریس میں طبع ہوتا تھا۔

اس رسالے کے اغراض و مقاصد کیا تھے یہ اس کی زبانی "گزارش" کے عنوان کے تحت سنئے:

"خیال یار محبت کا بڑھانے والا' ہر ماہ کی خیریت پوچھنے' والا' ناظرین اس کی تاریخ اشاعت پر خیال رکھتے ہوں گے اور یہ فکر ہو گی کہ دیکھیے اب کے کن شعرائے نامی کے کلام فیض التیام سے مزین ہو کر آئینہ نظر آتا ہے اس کا یہ حال ہے کہ دفتر میں ایک ایک دن اضطرابی سے بسر کرتا ہے۔ بنیاد اس بے بنیاد کی صرف ذریعہ ملاقات احباب ہے اور کوئی فائدہ مینی کو مدنظر نہیں وہ بھی احباب کی ہمدردی اور قدر دانی پر موقوف ہے۔ حالانکہ اس کی کم قیمتی خود مصنفوں کو دستگیری پر مجبور کرے گی۔ مگر آپ لوگ بھی اپنے شفیقوں سے تذکرہ کرتے رہیں کہ جلد زیور شہرت سے مزین ہو کر ملکوں ملکوں میں قدم رنجہ فرمائے اس کی قیمت مثل اور گلدستوں کے اس لئے نہیں رکھی کہ ہر دلعزیزی میں اہل مذاق سخن تھوڑی عنایت میں حاصل ہو۔ اس لئے معہ محصول ڈاک چھ آنے ہے۔ ہم اپنے معزز سرپرستان گلدستہ وارباب کمیٹی جو کہ اس کی عزت افزائی کی بہت ہر طرف سے غور و فکر فرماتے ہیں اور اپنا بیش قیمت

وقت محض آپ لوگوں کی دلچسپی کے واسطے صرف کرتے ہیں زیادہ تر جناب منشی شیخ رحیم بخش صاحب راحم سوداگر کانپور دام فیضہ کے بار احسان میں دبا ہوا ہے۔ مہتمم گلدستہ کو برائے نام تصور فرمائے۔ اسو واسطے کہ اگر ایسے چند سرپرست اور ساعی نہ ہوتے تو غیر ممکن تھا کہ یہ کام انجام کو پہنچتا۔ بہت سے گلدستے کانپور سے شائع ہوئے اور بند ہو گئے یہ بھی انھیں کا ساتھ دیتا۔"

یہ گلدستہ اوسط درجہ کا ہے۔ اس میں غیر معروف شعرار کا کلام چھپتا ہے اور کتابت اور کاغذ بھی اچھا نہیں ہے یہ گلدستہ جون ۱۸۹۶ء کے شمارے میں جو شعرار کا کلام چھپا ہے۔ اس کے منتخب اشعار منقول ہیں ؎

منشی محمد رحمت اللہ صاحب رحمت ؎

لاتا ہے یہی آفتیں عاشق پہ خدایا — یہ چرخ جفا پیشہ بدل جائے تو اچھا
دل آتش فرقت سے تری شمع رو میرا — پروانہ سان یکبار گی جل جائے تو اچھا
نخل قد دلدار ہے بستاں سے مزین — گر سرو بھی گلزار میں پھل جائے تو اچھا
میرا دل نادان کسی حیلہ سے سردست — گر تیرے قدموں پہ مچل جائے تو اچھا
پتھر کو بلاشبہ تو کر دیتی ہے پانی — اے آہ دل اس کا بھی پگھل جائے تو اچھا

آرام سے سونے کبھی دیتا نہیں رحمت
دل کاش کے پہلو سے نکل جائے تو اچھا

جناب مولوی علی احمد صاحب بدر کمرلوی شاگرد جناب مولوی عبدالکریم صاحب کوکب الہ آبادی ؎

ہو چشم تصور میں ترا شعلہ رخسار — حسرت مرے دیدار کی جل جائے تو اچھا
بے پردہ ہیں وہ حشر میں کچھ بن نہیں پڑتی — خاموش رہے دل کہ مچل جائے تو اچھا

بالیں پہ میرے گر آتا ہے وہ رشک مسیحا
تو اے ملک الموت جو ٹل جائے تو اچھا

سب مجھ کو زمانہ میں کہیں خادم کوکب
اے بدر یہی نام نکل جائے تو اچھا

جناب محمد مظفر حسین خاں صاحب ملالؔ بریلوی شاگرد یاسؔ لکھنوی سے

غیروں سے کہیں بگڑ جائیں لیں آ کے وہ ہم سے
یوں رنگ زمانہ کا بدل جائے تو اچھا

آ لگی جوانی تو کریں گے وہ ستم اور
دل اپنا اگر اب بھی سنبھل جائے تو اچھا

ہے قصہ غم وصل میں سننے سے یہ مطلب
باتوں ہی میں سب رات ٹل جائے تو اچھا

میں ہجر میں جینے سے عاری ہوں ملالؔ آہ
کہتا ہوں کہ دم تن سے نکل جائے تو اچھا

جناب مولوی عبد الجلیل صاحب شیفتہؔ مدرس مدرسہ دامودر پور ضلع مظفر پور سے

طیبہ میں مجھے لے کے اجل جائے تو اچھا
جاں روضۂ احمد پہ نکل جائے تو اچھا

بیچین بہت فرقت احمد میں ہے یارب
دل میرا کسی طرح سنبھل جائے تو اچھا

اے شیفتہؔ یہ شغل بہت خوب ہے تیرا
دل نعت نبی سے جو بہل جائے تو اچھا

منشی عبد الصمد صاحب شمشادؔ شاگرد حضرت کوکبؔ الہ آبادی سے

ہے حسرت دیدار نکل جائے تو اچھا
یہ روز قیامت مجھے کل جائے تو اچھا

تنگ آئے ہیں وہ کشمکش حسن سے اپنے
فرماتے ہیں جوبن مرا ڈھل جائے تو اچھا

اے نور خدا مجھ کو مدینے میں بلا لو
جو دل کی تمنا ہے نکل جائے تو اچھا

بہکانے سے ناصح کی نچھوڑوں گا میں الفت
بک بک کیے آگے سے ٹل جائے تو اچھا

شمشادؔ کو اب خاک کرے عشق تعلق
صورت تری عاشق کی بدل جائے تو اچھا

ریاض سخن مارہرہ سے اکتوبر ۱۸۹۶ء کو یہ ماہنامہ گلدستہ جاری ہوا۔ ۴۸ صفحات پر نکلتا تھا۔ ہر انگریزی مہینے کی آخری تاریخوں میں شائع ہوتا تھا۔ اس کے پہلے مرتب و مالک مہتمم جناب حافظ حاجی سید علی احسن صاحب و سید افتخار عالم صاحب آزاد مارہروی تھے بعد میں جناب سید علی احسن مالک و منیجر خاقانی وفا مارہروی مہتمم مقرر ہوئے سالانہ چندہ معہ محصول ڈاک ایک روپیہ تھا۔ پہلے محمڈن پریس علی گڑھ میں چھپا تھا بعد میں مرقع عالم پریس ہردوئی میں چھپنے لگا۔

اس گلدستہ میں ہندستان کے مشہور و نامور اساتذہ کے درجے کے شعراء کا کلام شائع ہوتا تھا۔ کتابت طباعت بہت عمدہ اور دیدہ زیب ہے اور کاغذ بھی اچھا نہیں ہے۔

اس گلدستے کے سرورق پر پہلے یہ شعر درج ہوتا تھا ؎

آنکھ صیاد کی لاکھوں میں پڑے گی اسپر آشیاں جس پہ مرا ہو وہ نہال اچھا ہے

اس کے بعد یہ شعر درج ہونے لگا ؎

پھولے ہیں اب تو مردم دیدہ چمن کے پھول ؛ آنکھوں سے چن رہے ہیں ریاض سخن کے پھول

احسن صاحب کا مرزا داغ کے محبوب شاگردوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس بناء پر داغ نے اس گلدستہ کے خریدار بننے کی اپیل کی تھی جو تقریباً گلدستہ کے ہر شمارے میں شائع ہوتی تھی جس کا مضمون یہ تھا۔

"یہ گلدستہ باہتمام میرے ایک شاگرد کے مارہرہ ضلع ایٹہ سے نکلتا ہے جس کو پورا ایک سال ہو چکا میرے پیارے شاگرد نے مجھے کئی مرتبہ اس امر کی تحریک کی کہ میں ریاض سخن کی اشاعت میں کوشش کروں مگر میں بوجہ اپنی علالت کے جو ایک مدت تک مجھ کو لاحق رہی جواب

دینے سے مجبور رہا اب بفضلہ افاقہ ہے میں اپنے اسی پیارے شاگرد کی خاطر آپ کو اطلاع دیتا ہوں کہ آپ اس ہونہار پرچہ کی ضرور سیر کیجیے ایک ہی سال میں اسے قابل قدر ترقی حاصل کی ہے مجھ کو امید ہے کہ آپ میری اس تحریر پر خیال کرکے ضرور اس کی خریداری منظور کریں گے۔ قیمت عام صرف ایک روپیہ سال مگر اس میں ایک ناول بھی شائع ہوتا ہے جس کی قیمت مع گلدستہ دو روپیہ چار آنے ہے اس کارڈ کا جواب سید علی احسن صاحب احسن مالک و منیجر ریاض سخن کے پاس مارہرہ ضلع ایٹہ بھیجیے اور نیز اپنے کلام سے اس گلدستہ کی رونق بڑھایئے جو میری مسرت کا باعث ہوگا ورنہ شکایت ہوگی اور وقت طلب گلدستہ دبلیو پی ایبل کی ضرور اجازت دیجیے۔"

نومبر ۱۸۹۷ء کے شمارے میں جن شعراء کا کلام چھپا ہے ان میں سے کچھ کی غزلوں کے منتخب اشعار درج کیے جاتے ہیں ؎

جناب منشی محمد احسان علی صاحب احسان شاہجہانپوری مہتمم ارمغان ؎

کوئی فریادیوں سے پوچھتا پھرتا ہے محشر میں
ہمارا شکوہ یہ کیسا، ستم کی داد یہ کیسی

کسی نے وصل کا وعدہ کیا سننے لگی قسمت
ہماری شادمانی اے دل ناشاد یہ کیسی

دل بیتاب کو اٹھ کر سنبھالا در فرقت نے
تعجب کیوں نہ ہو دشمن نے کی امداد یہ کیسی

بہ مشکل تجھ کو پہچانا وہ بولے سر محفل
تری صورت نئی اے خانماں برباد یہ کیسی

وہ ملنا چاہتے ہیں تم سے تو احسان مل جاؤ
کہیں شکوہ نہ ہو معشوق پر بیداد یہ کیسی!

جناب منشی محمد ایوب علی خاں ایوب رئیس تلہر ؎

پس مردن مری مٹی ہوئی برباد یہ کیسی
لگائی تھی ٹھکانے اے ستم ایجاد یہ کیسی

بتوں کی یاد میں نام خدا بھی ہم بھلا بیٹھے　　متاع دین و دنیا ہوگئی برباد یہ کیسی
تمھیں ہیں چاہنے والے ہمیں ہیں تیرے سودائی　　ہمیں سے بیوفائی اور ستم ایجاد یہ کیسی
ہوئیں ہیں سب حسینوں پائمال امیدیں میں شاد　　گرائی خانۂ دل کی مری بنیاد یہ کیسی

رہی کچھ بھی نہ اپنی یادگار اے بیخود دنیا میں
مٹی بنکر مری ہستی بے بنیاد یہ کیسی

جناب مولوی محمد عبد الحئی صاحب بیخود ۔ اسسٹنٹ مجسٹریٹ راج جودھپور تلمیذ داغ سے

وفائے وعدہ میں پاس خدا کا فقد ادر مجھے　　ستم میں اور ستم ایجاد کی ایجاد یہ کیسی
نگہ سے انکی گر کر اپنی نظروں میں نہیں مجھتے　　ہوئی افتاد میں یارب نئی افتاد یہ کیسی
خدا ہی اُس کی سنتا ہے نہ بت اسکی ذرتے ہیں　　عبث پھر اے دل نالاں بتا فریاد یہ کیسی
گلہ ہے دل کے جانیکا نہ غم ہے موت آنیکا　　وفا کو ہم تو روتے ہیں ہوئی برباد یہ کیسی

خدا کو بھول بیٹھے تم بتوں کی یاد میں بیخود
غضب ہے بھول یہ کیسی ستم ہے یاد یہ کیسی

جناب سید وحید الدین احمد صاحب بیخود دہلوی تلمیذ حضرت داغ از ہرتپور سے

اجل آتی ہماری یا وہ کا فر راہ پر آیا　　ہمیں دشمن نے دی آکر مبارکباد یہ کیسی
جفائے تازہ وہ پہلے مجھی پر آزماتے ہیں　　مجھی سے پوچھتے ہی ہیں نئی ایجاد یہ کیسی
نظر ہم آپ سے پھیریں خدا رکھے نہ ایسا ہو　　وفاداروں کے حق میں ہوتی ہے ارشاد یہ کیسی

گرہ میں جب نہ تھا کچھ پھر بہا دل انکو کیوں بیخود
سخاوت مفلسی میں خانماں برباد یہ کیسی

جناب منشی محمد محمود صاحب محمود لکھنوی از بلگرام سے

کسی کے حال کا کوئی یہاں پرساں نہیں ہوتا　　نہیں معلوم بستا ہے عدم آباد یہ کیسی

قفس میں بند ہو کے دانہ پانی بھی نہیں کھاتا | خبر تو نے ہماری لی اے صیاد یہ کیسی
وہ اپنی یاد میرے دل میں پا کر یاد کرتے ہیں | ترا دل ہے تو پھر اس میں ترا کی یاد یہ کیسی

خدائی کیا کہیں گے حمد کچھ تم کو حیا بھی ہے
خدا کے سامنے کہلا کر تو تمکی یاد یہ کیسی

جناب منشی سید ایوب حسن صاحب صبر رئیس مارہرہ

ستمگر سے وفاداری دل ناشاد یہ کیسی | تجھے بیٹھے بٹھائے ان بتوں کی یاد یہ کیسی
بہار آئی چمن میں پھول ڈالنے لگے کھل کر | بتا اے بلبل ناشاد اب فریاد یہ کیسی
ہوا کیا آج جو بزم عدو میں ہر کس و ناکس | مجھے اٹھ اٹھ کے دیتا ہے مبارکباد یہ کیسی
حرم میں بھیجکر یا دیتا ہے کیوں ارشاد | خدا سے ڈر خدا کے گھر میں انکی یاد یہ کیسی
وہ کہتے ہیں ملیں گے تم سے ہم میدان محشر میں | مگر میں سوچ میں ہوں حیل کی میعاد یہ کیسی

سنبھالو دل کلیجہ اپنا ٹھہراؤ شب فرقت
جناب صبر اب ہر وقت کی فریاد یہ کیسی

منشی سید افتخار عالم آزاد

منشی جی کے والد سید مقبول عالم نبیرہ حضرت صاحب عالم تخلص بہ صاحب سجادہ نشین درگاہ مارہرہ ضلع ایٹہ تھے آپ ۱۲۸۰ھ میں پیدا ہوئے۔ اردو فارسی کے علاوہ انگریزی بھی کام نکالنے کے قابل جانتے تھے ۱۲۹۳ھ میں انگریزی زبان میں مثل عربی، فارسی اردو بحساب جمل تاریخ نکالنے کا قاعدہ قائم کیا اور انگریزی حروف کے اعداد مقرر کیے۔ کئی تاریخیں بھی لکھیں۔ انھوں نے ایک تذکرۃ الخواتین کا ترجمہ کیا جو مقصود ات اس کا نام رکھا۔ محمڈن کالج کی تاریخ لکھی ۱۹۰۱ء میں چند مہینے اخبار مفید عام آگرہ کی ایڈیٹری بھی کی۔ کبھی کبھی اپنا تخلص آزاد عالم بھی لکھتے تھے۔ حیدر آباد جاکر ڈیڑھ سال کے قریب حضرت داغ کے

پاس رہے اور ان کی فیض صحبت سے مستفید ہوئے [1] نمونہ کلام ؎

جذبِ دل خود کھینچ لیگا اس کو آپ — دل کسی پر میرا آنا چاہیئے!
یوں سنور کر بیٹھنا اچھا نہیں — موت کس کی آئے دیکھا چاہیئے
اس نصیحت پر تمہاری شیخ جی — روز اک معشوق رکھنا چاہیئے
خواب میں دیکھا ہے اسکو بے نقاب — بے تکلف اس سے ملنا چاہیئے

کر چکے آزاد جو کچھ کر چکے
اب تو ان باتوں سے توبہ چاہیئے

ازل سے مسجد و زنار میں رشتہ ہی جب قائم — تو پھر تم میں لڑائی کا فرد دینداد کیسی ہے
اگر خاک شفا مجھ کو نہیں ملتی تو کیا پروا — مریض ہجر کو خاک در دلدار کیسی ہے

خاقانی وفا مارہروی

وفا صاحب حضرت مولانا افتخار حسین مضطر خیر آبادی کے شاگرد تھے۔ اردو فارسی میں ید طولیٰ حاصل تھی۔ مارہرہ کے شعراء میں امتیازی درجہ رکھتے تھے۔

کلام میں روانی اور فصاحت ہے اور درد بھی ہے ؎

نہیں کچھ یاد دل نے کیا کہا تھا بزم دشمن میں — مجھے چار و نظرف سے مل رہی ہے داد یہ کیسی
جگر چھیدا، کلیجہ ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ظالم — ارے یہ ظلم کیسا، ارے بیداد یہ کیسی
دل ناداں تجھے جب کسو سے کچھ نہیں مطلب — تو پھر ان پیاری پیاری صورتوں کی یاد یہ کیسی
لگے کہنے وہ مجھ سے سنکے شکوہ دلربائی کا — لگائی مجھ پہ تہمت تو نے بے بنیاد یہ کیسی

وہ تجھ کو پیار کرتا ہے، وہ تجھ پر جان دیتا ہے
وفا سے بے وفائی اے ستم ایجاد یہ کیسی

کہو تو صاف کہہ دیں بے لگی لپٹی کہ کیا تم ہو — زمانے بھر کے دشمن جان لیوا بے وفا تم ہو

---

[1] خم خانہ جاوید اول ص۵۸

خوشی میں رہنے والے گر نہیں ہو تم تو کیا ہم ہیں
مصیبت جھیلنے والے نہیں ہیں ہیچ تو کیا تم ہو
چلو بیٹھو بھی اب باتیں بنانے سے نتیجہ کیا
چلو بس خوب دیکھا تم کو مطلب آشنا تم ہو
یا رب خیال یار تھا، یا درد دل مرا
کروٹ یہ آکے کون بدلوا گیا مجھے
پروردگار عشق بتاں سے نجات دے
بس ایک تیری ذات کا ہے آسرا مجھے
مضطرب ہو نہیں حلقہ بگوش نہیں اے وفا
اب جو کروں میں ناز وہ سب ہیں بجا مجھے

اداس کیوں ہے یہ تجھ کو ملال کیسا ہے
وفا بیان تو کر تیرا حال کیسا ہے
خبر نہیں ہے کہ کیوں اسقدر ہوں شرمندہ
الٰہی آج مجھے انفعال کیسا ہے
یہ اور لطف ہے ہم کو ستا کے دفا
ہمیں سے پوچھتے ہیں تیرا حال کیسا ہے

ریاض خلیل

ریاض سخن اکیس مہینے چلا۔ اس کے مہتمم و مرتب و مالک نے نواب محمد ابراہیم علی خاں خلیل والئے ٹونک کی خوشنودی کے لیے ان کی تخلص کی مناسبت سے اس رسالہ کا نام "ریاض خلیل" بدل دیا اور جون ۱۸۹۸ء سے جاری کیا۔ مالک و مرتب بھی حاجی سید علی حسن صاحب اختر اور مہتمم خاقانی وفا مارہروی رہے رسالہ کے سرورق پر یہ عبارت لکھی جانے لگی۔

نذر یافتہ۔ بندگان اعلیٰ حضرت حضور پُرنور جناب نواب صاحب بہادر المتخلص بہ خلیل والئے دارالاسلام ٹونک دام اقبالہ"

صفحات بھی بڑھ کر ۳۲ ہوئے۔ پریس بھی بدلا گیا۔ مفید عام آگرہ میں باہتمام محمد علی خاں صوفی چھپنے لگا۔ سالانہ چندہ ایک روپیہ ہی رہا۔
لیکن سرورق پر جو شعر لکھا ہوا تھا۔ اس میں تبدیلی آئی اور یہ شعر درج ہوا ؎

ہر باغ کی بہار کا موسم قلیل ہے لیکن سدا بہار ریاضِ خلیل ہے

گلدستہ کی نام کی تبدیلی کا اعلان ان الفاظ میں ہوا ۔۵

بھر گیا ہے گلِ امید سے سارا دامن آج کل دامن دولت ہے ہمارا دامن

آج ریاض سخن کو عالم ایجاد میں قدم رکھے ہوئے ڈیڑھ سال ہوا اس عرصے میں اس نے بہت دشوار گزار راہیں طے کیں۔ اس نے ابتدا میں ایسی ایسی صعوبتیں اٹھائیں جیسے کہ دودھ پیتے کو کسی خاص تکلیف سے ایذا پہنچتی ہے اس کے نکالنے کے وقت ہم کو پبلک سے قدردانی کی امید تھی۔ مگر سال بھر تک ہماری یہ امید موہوم جس کی مثال نقش بر آب سے دنیا بجا ہو گی نہ بر آئی اور ہماری وہ کوششیں اور محنتیں جو اس نہال سخن کے سینچنے میں صرف ہوتی تھیں عنقریب خاک میں مل جاتیں اگر ہمارے مکرم مولانا افتخار حسین صاحب مضطر استاد وبندگان اعلیٰ حضرت حضور نواب صاحب والیٔ دارالاسلام ٹونک خضر راہ نہ بنتے ہمارے معزز ناظرین جنوری ۱۸۹۸ء سے اس گلدستہ کی ترقی کو ملاحظہ فرمائیں۔۔۔۔

ہم بہت افتخار اور مسرت کے ساتھ اپنے دوستوں کو اس امر کی خوشخبری سنا کر اطلاع دیتے ہیں کہ حضور انور دام اقبالہ نے صرف فروری کا گلدستہ ملاحظہ فرما کر اس کے ابتدائی صرف کے لئے مبلغ ایک ہزار روپیہ عطا فرمائے۔ ہم اپنے معزز شاعروں سے امید کرتے ہیں کہ آج سے جو صاحب ہمارے گلدستہ میں غزل بھیجیں مہربانی کر کے اپنی عمر لکھدیا کریں اور نیز ہر شاعر اپنا ایک فوٹو ہمارے دفتر میں بھیجدے ۔۔۔۔ ہم نے جون ۱۸۹۸ء سے اپنے گلدستہ کا نام اس عزت افزائی کے شکریہ میں حضور انور کے نام نامی پر "ریاض خلیل" رکھدیا ہے آئندہ سے

ہمارے معزز ناظرین ہمارے گلدستہ کو اسی نام سے یاد کریں۔"
ریاض خلیل کے شمارے ستمبر ۱۸۹۰ء کے چند شعراء کے کلام کا نمونہ درج ہے۔

جناب نواب محمد سلیمان خاں صاحب اسد لکھنوی ناظم شعراء سرکاری دربار ٹونک ؎

تڑپتا چھوڑ جانا دور ہے چشم مروت سے — مجھے مر مر کے او ہنگام رخصت دیکھنے والے
کچھ ایسی بارش غم ہے تری کشتی کے مدفن پر — کہ اٹھ اٹھ آنسوؤں روتے ہیں تربت دیکھنے والے
مری جانبازیاں پوچھے تو کوئی اہل محشر سے — خدا شاہد ہے یا دینگے شہادت دیکھنے والے
کمی کرتے نہیں ہیں دیدۂ و دانستہ عصیاں کی — تمہاری رحمت بیحد کی وسعت دیکھنے والے

اسد بزم سخن میں بس یہ چند اشعار کافی ہیں
سمجھ جائیں گے خود رنگ طبیعت دیکھنے والے

جناب صاحبزادے محمد احسان اللہ خاں صاحب احسان شاگرد جناب عاشق از ٹونک ؎

عنایت یا تو وہ بیحد ستم یا اس قدر توبہ — دلوں میں کیا کہیں گے بیمروت دیکھنے والے
وفا میری نہ کر بھولا ترا ان کی جفا دل سے — طریق عشق کیا جانیں یہ صورت دیکھنے والے
نہ کہنا حال میرا خیر ہمدم یہ تو کہہ دینا — ترستے ہیں تری صورت کو صورت دیکھنے والے

کوئی اسوقت دیکھے دیکھنے کا ہے سماں جیسا
تماشہ بن گئے ہیں میری حیرت دیکھنے والے

جناب منشی ہری شنکر سہائے برق سرپلاستو مصنف شاگرد حضرت داغ ؎

نہیں ممکن جو ڈالیں آنکھ حوران بہشتی پر — ترے عشاق تیری پیاری صورت دیکھنے والے
تری آواز پا سے نعش کو میری تزلزل ہے — قدم آہستہ رکھ او میری تربت دیکھنے والے

پسند آئے ہیں خلد بریں کیا خاک انکو ~ کہ ہم بھی ہیں کسی کی بزم عشرت دیکھنے والے

ہوا ہوں اسقدر اے برق لاغر اسکی فرقت میں
کہ رو دیتے ہیں اکثر میری حالت دیکھنے والے

جناب مولوی نادر علی برتر غازی پوری تلمیذ یادگار حضرت رابط از برودہ

نہ رکھا فرق حسن و عشق میں مشق تصور نے ~ ہم اپنی شکل میں ہیں انکی صورت دیکھنے والے
حقیقت میں ہمارا کفر بھی اسلام ہے زاہد ~ بتوں کو دیکھتے ہیں شان قدرت دیکھنے والے
نسیم گل رہی پابند صحن بوستاں کس دن ~ وطن میں رہتے ہیں کب سیر غربت دیکھنے والے

شب وصل ان کا شرما کر یہ کہنا یاد ہے برتر
کسی کی آج ہم ہیں آدمیت دیکھنے والے

جناب منشی محمد علی صاحب حفیظ جونپوری شاگرد حضرت امیر از پٹنہ

زمانے میں بہت ہیں شکل و صورت دیکھنے والے ~ مگر دیکھا تو کم ہیں حسن سیرت دیکھنے والے
محبت نے سراپا درد کا پتلا بنایا ہے ~ کہ رو دیتے ہیں اکثر میری صورت دیکھنے والے
حسینوں کی جفا کو بھی وفا ہم تو سمجھتے ہیں ~ عداوت دیکھتے ہیں کب محبت دیکھنے والے
مری حیرت سے اس محسن کا اندازہ کرتے ہیں ~ کہاں پہنچے کہاں سے میری حالت دیکھنے والے

حفیظ اچھے سخن کا اک جہاں ہے قدرداں ابتک
بہت ہیں آج بھی رنگ طبیعت دیکھنے والے

جناب منشی محمد ابراہیم صاحب رمز خلف جناب مولوی منشی ڈاکٹر محمد خاں صاحب مرحوم داروغہ سابق سائر شاگرد حضرت اسد لکھنوی

مجھے دیکھا تو فرمایا خدا کی شان ہے دیکھو ~ اسی صورت پہ ہیں یہ میری صورت دیکھنے والے
خدا جانے تری آنکھوں میں ہے کیا سحر او کافر ~ کہ دنیا سے ہوئے جاتے ہیں رخصت دیکھنے والے
کبھی نظروں سے گر جانا کبھی دل سے اتر جانا ~ سہا کرتے ہیں کیسی کیسی ذلت دیکھنے والے

پڑے ہیں خاک میں کیسے لحد میں پاؤں پھیلائے
وہ آسائش وہ زیبائش وہ زینت دیکھنے والے

حافظ سید علی احسن صاحب احسن

احسن صاحب کے والد حاجی سید مجتبیٰ احسن قصبہ مارہرہ ضلع ایٹہ کے پیرزادوں میں تھے۔ ان کے دادا کا نام سید محمد حسن تھا۔ احسن صاحب ۱۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے۔ عربی فارسی کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد کچھ دنوں محکمہ پرمٹ میں ملازم ہوئے۔ شعر و شاعری کا شوق تھا دو سے مہینے اپنے ہاں مشاعرہ کیا کرتے تھے۔ شعر گوئی کے علاوہ تاریخ گوئی میں بھی دخل تھا۔ چنانچہ ان کی تاریخوں کا دیوان موجود ہے۔ اپنے والد ماجد کے فوت ہونے کے بعد سجادہ نشین ہوئے تو شعر کہنا ختم کر دیا اور تائب ہو گئے تھے۔ اور سجادہ نشینی کے کاموں میں منہمک ہو گئے تھے چنانچہ ۱۳۱۰ھ میں معہ اہل و عیال حج بیت اللہ کے لیے روانہ ہوئے۔ واپسی کے وقت علالت نے خطرناک شکل اختیار کر لی بمبئی پہنچنے کے بعد ۱۹ ربیع الاول ۱۳۱۱ھ کو فوت ہوئے۔[۱]

نمونۂ کلام :

مدینے میں اگر مسکن ہو اپنا	احسن اوقات گزرے اپنی کیا خوب
دیکھی نہ جگہ کوئی ترے جلوے سے خالی	جس سمت نظر اٹھ گئی بس تو نظر آیا
مقتل میں جو تلوار لیے فتنہ گر آیا	لے عاشق جانباز بھی باندھ کے سر آیا
تقسیم ہوئی رزق کی تو حصے میں میرے	غم کھانے کو اور پینے کو خون جگر آیا

احسن صاحب شوال ۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ فارسی اچھی جانتے تھے عربی کی شد بد تھی ضرورت پوری کر لیا کرتے تھے۔ ریاض سخن نکالا جو ابراہیم خاں خلیل والیٔ ٹونک تک پہنچا۔ جس پر ایک ہزار روپیہ ملا اور آئندہ کی امداد

---

[۱] خم خانۂ جاوید دوم صفحہ ۱۸۳

کا وعدہ ہوا۔ چنانچہ اسی وجہ سے گلدستہ کا نام بدلا۔ مگر وہ امداد ان تک نہیں پہنچی جس کی وجہ سے ریاض خلیل بند کرنا پڑا۔ اس وقت مرزا داغ حیدرآباد دکن میں تھے یہ وہاں پہنچے اور داغ کی ایک سوانح عمری جلوۂ داغ کے نام سے مرتب کی۔ اور ایک کتاب فصیح اللغات محاورات داغ لکھنی شروع کی تو حیدرآباد سے چلے آئے مرزا داغ کا بھی انتقال ہوگیا معاش کی تلاش میں لاہور پہنچے لالہ سری رام مولف خم خانہ جاوید کے پاس تیس روپے ماہوار پر ملازم ہوئے۔ تین چار مہینے کے بعد ملازمت چھوڑ دی اور مطبع مفید عام آگرہ میں نوکری کی۔ وہاں سے علیحدہ ہونے کے بعد مارہرہ چلے گئے۔

لاہور کے قیام کے زمانے میں آپ نے فصیح الملک کے نام سے ایک رسالہ جاری کیا۔ اور مرزا داغ کا آخری نامکمل ایک دیوان "یادگار داغ" کے نام سے شائع کیا[۱] نمونہ کلام سے

نازسے بولے مرا دل پھینک کر — یہ نہیں اور اس سے اچھا چاہیئے
کیا نہو برسات میں بھی شغل مے — ایسے موسم میں تو پینا چاہیئے
تو مبارک وصل کی شب آگئی — حسرتو تم کو نکلنا چاہیئے

احسن اس ضد پر کہیں گے اور بھی
ہاں بگڑیئے آپ جتنا چاہیئے

ہماری خانہ ویرانی کا قصہ سُن کے کہتے ہیں — سُنائی آج تو نے خانماں بربادیہ کیسی
محبت میں کسی کی جان ہم ہاتھ دھو بیٹھے — متاع زندگی اپنی ہوئی بربادیہ کیسی
الہیٰ بھید کیا ہے کون ہم کو یاد کرتا ہے — دم آخر یہ کیسی ہچکیاں ہیں یادیہ کیسی

بھلائی کی جبگہ لکھدی برائی کلک قدرت نے

---

[۱] خم خانہ جاوید اول ص ۱۷۲

لکھی احسن تری تقدیر نے روداد کیسی

خطاب بادہ ساتی کچھ تمھیں لوگوں پہ پھبتا ہے — بجا ہے شیخ صاحب رند ہم ہیں پارسا تم ہو
اس درجہ بیخودی ہے کسی کی تلاش میں — غیروں سے پوچھتا ہوں تمھیں دو پتا مجھے
لے پی چکا شراب اب سرور آ گیا مجھے — ہاں شیخ حال حور کا اب تو سنا مجھے
کوئی حسیں نہیں دل سے چاہنے والا — جہاں میں کچی محبت کا کال کیسا ہے
وہ دھجیاں اڑائی ہیں دست جنوں نے آج — دامن نہیں ہے جیب نہیں آستیں نہیں

افسوس اس جہاں سے احسن گزر گیا
اب کوئی اپنا یار نہیں ہمنشیں نہیں

بھلا ایسوں کے دینے سے خدایا کچھ نتیجہ بھی — جناب خضر کے قبضے میں یہ آب بقا کیوں ہے
یہ تم نے حضرت احسن پیالہ پی لیا کس کا — بتوں کو چھوڑ کر اب ہر گھڑی یاد خدا کیوں ہے
زمانے میں تمھیں تم ہو مسرت دیکھنے والے — زمانے میں ہمیں ہم ہیں مصیبت جھیلنے والے

غم فرقت میں مر مر کر جیے احسن تو کیا حاصل
جو گزرے چین سے آرام سے وہ زندگی اچھی

دامن گلچیں

یہ گلدستہ رام پور سے ماہانہ جنوری ۱۸۹۹ء کو جلوہ افگن ہوا ۳۲ صفحات پر نکلتا تھا۔ نگراں جناب منشی امیر احمد امیر مینائی لکھنوی اور مرتب و مہتمم جناب منشی لطیف احمد اختر لکھنوی تھے سالانہ چندہ دو روپیہ تھا۔ اصح المطابع محمود نگر لکھنؤ میں چھپتا تھا۔

اس گلدستہ کی طباعت و کتابت دیدہ زیب اور بہت عمدہ ہے کاغذ بھی اچھا ہے شعراء کلام کا انتخاب ایک کمیٹی کرتی تھی لیکن فرمائشی کلام بلا انتخاب فی شعر ایک روپیہ لینے پر درج ہوتا تھا۔ صحت کا لحاظ ضرور رکھا جاتا تھا۔ اس میں حضرت امیر مینائی کے شاگردوں کا کلام کثرت کے ساتھ چھپتا تھا۔

ہر رسالہ میں اگلے دو مہینوں کے پرچوں کے لئے دو مصرعہ طرحی مقرر کر دئے جاتے تھے چنانچہ فروری ۱۸۹۹ء کے لئے حسب ذیل دو مصرعے طرحی مقرر ہوئے تھے۔

۱۰ مارچ تک — کسی کی نذر کو ہر شاخ گل پھولوں کی ڈالی ہے

۱۰ اپریل تک — پھولوں میں ساری آگ لگائی صبا کی ہے

دامن گلچیں کے پہلے شمارے جنوری ۱۸۹۹ء کے شعراء کے منتخب اشعار ملاحظہ ہوں۔ ؎

جناب منشی ممتاز احمد صاحب آرزو خلف و شاگرد حضرت امیر مینائی ؎

بے وفائی کے گلے پر ناز سے کہنے لگے — بیوفا کو کیوں دیا دل تم سے نادانی ہوئی

تم جواں ہوتے ہی آنکھیں ہم کو دکھلانے لگے — تھیں اسی دن کیلئے یہ منتیں مانی ہوئی

باتیں کیں ہنس ہنس کے ایسے پھول اُس سے جھڑ گئے — میری تربت پر وہ جب آئے گل افشانی ہوئی

صبح اُٹھ کر روز آتے ہیں تماشے کو حسیں
آرزو کی شکل آئینے کی حیرانی ہوئی

جناب منشی محمد ممتاز علی صاحب آہ تحصیلدار ڈونگرہ شاگرد حضرت امیر مینائی ؎

شان رحمت دیکھ کر زاہد کو پچھتانا پڑا — کیا مزا ہے میں نے پی اُس کو پشیمانی ہوئی

زندگی کی مشکل آسان سے ترے حل ہو گئی — اے قضا زندہ رہے تو کیسی آسانی ہوئی

جب محبت کا مرے سارا وہ دکھڑا سن چکے
ہنس کے بولے خیر ہو گا تم سے نادانی ہوئی

جناب حکیم عبدالرحیم صاحب برہم شاگرد حضرت امیر مینائی ؎

ساری باتیں رات کی یاد آ گئیں وقت سحر — دیکھ کر آئینہ کیا ان کو پشیمانی ہوئی!

کیسے بن ٹھن کر گئے تھے اور لوٹے کیا کر آئے
غیر کے گھر آپ کی کیا خوب مہمانی ہوئی
ہے کدورت میں بھی ساقی کی صفائی کی جھلک
دی تو تلچھٹ مے کی پینے کو مگر چھانی ہوئی
اچھی صورت دیکھ کر پھر آپ سے باہر ہوئے
خوب برہم دیدہ و دل کی نگہبانی ہوئی

جناب مولوی محمد عبدالحی صاحب بیخود بدایونی جوڈیشنل مجسٹریٹ جودھپور شاگرد حضرت فصیح الملک داغ دہلوی ؎

کاش سیرت انکی ہوتی ان کی صورت کیطرح
دیکھی بھالی سمجھی بوجھی جانی پہچانی ہوئی
لب تک آتی ہی نہیں دل سے نکلتی ہی نہیں
آرزو بھی کیا گرفتار دل کی زندانی ہوئی
اک نگاہ ناز کے بدلے کوئی لیتا نہیں
اللہ اللہ جنس دل کی اب یہ ارزانی ہوئی
حضرت بیخود نے آخر جان کھو دی عشق میں
کیسے دانشمند سے کیسی نادانی ہوئی

جناب منشی امتیاز احمد خاں صاحب راز شاگرد حضرت امیر مینائی ؎

شغل مے نے رنگ و روغن رخ کا چمکایا
لوگ سمجھے ذکر حق سے شکل نورانی ہوئی
اُن کو آنکھیں میں جو رکھ ہے تو نظریں تو ہیں
ایسے للچائے ہوئے کس بن نگہبانی ہوئی
لیکے انگڑائی دکھایا مجھ کو سینے کا ابھار
شرم آئی تو انھیں کیسی پشیمانی ہوئی
راز نے کیا کہہ دیا چپکے سے ان کے کان میں
اُٹھ گئے شرما کے کچھ ایسی پشیمانی ہوئی

منشی لطیف احمد صاحب اختر

اختر صاحب حضرت امیر مینائی کے چھوٹے صاحبزادے تھے ۱۲۸۰ء میں پیدا ہوئے۔ رام پور میں اپنے والد ماجد سے تعلیم پائی اور علمی استعداد اچھی پیدا کی۔ ابتداء عمر سے شعر گوئی کا شوق تھا اپنے والد کے ساتھ بچپن ہی سے

مشاعروں میں غزلیں پڑھنا شروع کیں۔ مگر آپ کی پوری توجہ دامن گلچیں کے جاری ہونے کے بعد شعر و شاعری کی طرف مبذول ہوئی ۱۹۰۱ء میں اپنے والد کے ہمراہ حیدر آباد دکن گئے اور ان کے انتقال کے بعد مہاراجہ کشن پرشاد نے ان کی مدد کی۔ حیدر آباد کے مقامی مشاعروں میں شرکت کرتے تھے اور اپنا کلام منشی جلیل حسن جلیل کو دکھاتے تھے۔ نمونہ کلام؎

ایک آنسو نے ڈبویا مجھ کو ان کی بزم میں — بوند بھر پانی سے ساری آبرو پانی ہوئی
زندگی بھر حسن والوں کا خیال آیا کیا — میرے گھر میں رات دن پریوں کی مہمانی ہوئی
ہائے کیا کیا حسرتیں دل کی جوانی میں مٹیں — رات ہی بھر میں ہماری خانہ ویرانی ہوئی
عمر بھر کھایا پیا لیکن نہ سوچا ہم نے ہائے — میزباں تھا کون، کس کے گھر میں مہمانی ہوئی

جھیپی جھیپی وہ نگاہیں دیکھ کر بعد وصل
کیا کہوں اختر مجھے کیسی پشیمانی ہوئی

جنت میں تو ملے ہی گی پینے کو واعظو — عادت ابھی سے کی تو گنہگار کیا ہوا
نکالا کرتے ہو آنکھیں تو تم نظارہ بازوں پر — کبھی اے جان جاں حسرت بھی کسی دل کی نکالی ہے
مری آہ رسا نے وصل پر راضی کیا اسکو — نکل کر دل سے کیا حسرت مری دل کی نکالی ہے
حیا بھی لٹ گئی جوبن پہ بجلی بھی ہوا صدقے — جوانی نے تری کس نوک کی برچھی نکالی ہے

گنا کرتے ہو قطرے آنسوؤں کے رات بھر اختر
نئی تم نے یہ شکل اختر شماری کی نکالی ہے

پنجۂ نگارین

یہ گلدستہ کھڑکی ابراہیم علی خاں دہلی سے اگست ۱۸۹۹ء میں ماہانہ شائع ہوا۔ ۱۶ صفحات پر ہر انگریزی مہینے کی پندرہ کو نکلتا تھا آٹھ صفحوں پر شعرا کی غزلیں اور بقایا آٹھ صفحوں پر ناول کی ایک قسط چھپتی تھی۔ نگراں آغا شاعر دہلوی اور مرتب آغا مناظر علی بیگ تھے۔

سالانہ چندہ ڈھائی روپیہ تھا۔ روزانہ اخبار پریس دہلی میں باہتمام منشی امیر احمد تھا چھپتا تھا۔ نمونہ کا پرچہ چار آنے کی قیمت وصول کرکے بھیجا جاتا تھا۔ سرورق پر یہ شعر درج ہوتا تھا سے

کیوں نہ ہو قدر میری ہاتھوں پر | دو دستہ پنجہ نگاریں ہوں مُدَ

اس گلدستہ کی کتابت وطباعت عمدہ ہوتی تھی کاغذ بھی اچھا لگتا تھا آغا شاعر کا دہلی کے استادوں میں شمار ہوتا تھا۔ اس گلدستہ کو انہی کے شاگردوں کے کلام سے زینت دی جاتی تھی۔ ان کی ہی غزلیں زیادہ چھپتی تھیں۔ عمر خیام کی رباعیوں کا منظوم ترجمہ ایک صفحہ پر طبع ہوتا تھا۔

پنجہ نگاریں کے پہلے شمارے جنوری ۱۸۹۹ء میں جن شعرار کی طرحی غزلیں چھپتی ہیں ان میں چند شاعروں کا منتخب کلام درج کیا جاتا ہے۔

حافظ آغا جمال احسن دہلوی ولد مرزا انوار اللہ بیگ مرحوم سے

ابر آتے ہی بہار آگئی مے خواروں پر | دیکھنا رحمت رحمٰن گنہگاروں پر
چاندنی ڈرتی ہے اتنا ہے غم جاناں سے | صحن میں کیا کبھی آتی نہیں دیواروں پر
بیٹھ کر نقش قدم بن گئے ہم جیتے جی | نا اٹھائے کہ یہ تکلیف ہو تجھ یاروں پر
تازے پھولوں پہ نہیں تازگی وہ رشک چمن | جو طراوت ترے اترے ہوئے ہاروں پر

لال آنسو مری پلکوں پہ کہاں اے احسن
قطرے شبنم کے گل لالہ ہے خاروں پر

بابو سری رام صاحب افسردہ دہلوی تلمیذ حضرت آغا شاعر دہلوی سے

دم نکل جائے نہ آئینہ روز کے اقراروں پر | رحم کر رحم مجھے بیکس کے بیماروں پر
آج کیا بات ہے کس گل کی سواری آئی | بلبلیں پھول بچھے بیٹھی ہیں گلزاروں پر
ابر رحمت سے یہ توبہ شکنی کرتے ہیں | میرے غفار کرم چاہیے میخواروں پر

تم کو افسردہ ہی رکھنے میں مزا ملتا ہے
دل نہ پھٹ جائے روز کی تکرار و نہیر

جناب محمد کاظم جوہر تلمیذ حضرت آغا شاعر دہلوی سے

بال کاکل کے پریشاں ہیں رخساروں پر — کیا دھواں دھار گھٹا چھائی ہے گلزاروں پر
ایک خم اور بھی ڈھلکا دے ادھر اے ساقی — تشنہ لب ہیں ترا احساں ہو میخواروں پر
جو ترے سوز محبت پہ مٹے رہتے ہیں — لوٹتے ہیں وہ دہکتے ہوئے انگاروں پر
یا خدا طبع رسا میں ہو وہ جوہر پیدا
وجد کرنے لگیں ہر سو مرے اشعاروں پر

جناب محمد اکرام الدین صاحب حمید دہلوی تلمیذ حضرت آغا شاعر دہلوی سے

حشر میں ساقی کوثر سے نگاہیں لڑ جائیں — ہو الٰہی تری رحمت جو گنہ گاروں پر
دور کھینچنے نہ دیا جام لہرنے نہ دیا — یہ کیا آج کرم ابر نے خواروں پر
یہ ہمیں ہیں کہ ترے ظلم سہا کرتے ہیں — امتحاں حسن کے غشی چھائی ہے اغیاروں پر
حشر کے روز محمد کی سفارش سے حمید
بخشش رحمت حق ہو گی گنہ گاروں پر

جناب سلطان مرزا صاحب سلطان دہلوی تلمیذ حضرت آغا شاعر دہلوی سے

سوزش دل تپش درد خیال ہمدم — آفتیں رہتی ہیں نازل ترے بیماروں پر
منہ لگایا کسی بے درد کو شاید تو نے — یہ نشاں پڑ گئے کیسے ترے رخساروں پر
ہم نہ ہوں گے تو تجھے کون کہیگا معشوق — رحم کر رحم محبت کے گنہ گاروں پر

جناب منشی محمد حسین صاحب غضنفر متعلم ایف اے کلاس سے

[illegible] ہے آنا رہے آزاروں پر — آفتیں سینکڑوں ہیں تیرے طلبگاروں پر
تو نے جس گل کو نظر بھر کے کبھی دیکھ لیا — اوس سی پڑ گئی اس پھول سے رخساروں پر

کی وہاں گرم بغل غیر کی اُس ظالم نے
ہم یہاں رشک سے لوٹا کیے انگاروں پر
دل تو ہے دولتِ دُنیا سے غنی اپنا عزیز
فوق ہم کو دیا اللہ نے زرداروں پر

آغا ظفر علی بیگ شاعر

آغا صاحب کی طبیعت لڑکپن سے چلبلی اور شوخ تھی نواب سعید خان طالب اور مرزا شجاع الدین تاباں کی فیض صحبت اور حوصلہ افزائی نے ان میں اور چار چاند لگا دیے۔ اور آپ دہلی کے مشاعروں میں داد لینے کے بعد حضرت داغ کے تلامذہ میں داخل ہو گئے اور خط وکتابت کے ذریعہ سے ان کو اپنا کلام دکھانے لگے روانی کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک دن میں چار سو پانچ سو اشعار لکھ لیتے تھے اور مشاعروں کے لئے اپنے شاگردوں کو تقسیم کر دیتے تھے۔ شعر گوئی کے آغاز ہی سے انھوں نے اپنی استادیت کا سکہ منوالیا تھا۔ ان کے کلام کی مقبولیت اس درجہ ہو گئی تھی کہ ان کی بعض غزلیں گلی کوچوں میں لوگوں کی زبان زد ہو گئی تھیں۔ آپ غیر ملکی لوگوں کو ہندوستانی زبانیں خاص طور پر اُردو سکھاتے تھے چنانچہ آپ ابتدائی دور میں اپنے نام کے ساتھ انڈین ویرنیکولر ٹیوٹر لکھتے تھے۔

اسی عرصہ میں اخبار وکیل امرتسر میں ان کا ایک افسانہ شائع ہونے لگا جس کی وجہ سے وہ ادبی حلقوں میں متعارف ہوئے۔ تلاش معاش کے لئے دہلی سے حیدرآباد دکن تشریف لےگئے وہاں مرزا داغ کی طوطی بول رہی تھی آغا صاحب بھی مشاعروں میں چمکنے لگے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مہاراجہ کشن پرشاد کے شعراء کے زمرہ میں یہ بھی داخل ہو گئے۔ مگر وہاں زیادہ عرصہ نہیں ٹھہرے تاآنکہ تھیٹر سے تعلق جوڑا۔ اور ڈرامہ نگاری کے ذریعہ کلکتہ میں بسر اوقات کرنے لگے۔ وہاں بھی جی نہ لگا تو بیگم صاحبہ مرشد آباد کے داماد نواب نصیر الملک سفیر ایران کا ساتھ

اختیار کی جس کو دس سال تک نبھایا۔ وہیں سے افسر الشعراء کا خطاب ملا۔ اس کے بعد آپ دس۱۰ برس تک مہاراجہ جھالاواڑ کے درباری شعراء میں منسلک رہے وہیں سے آپنے ایک رسالہ آفتاب نکالا۔ انہی مہاراجہ کی ایما سے آپنے عمر خیام کا منظوم ترجمہ کیا اور قرآن مجید کا بھی منظوم ترجمہ اُردو میں فرمایا۔ آپ کی کئی کتابوں 'نور' 'رضیہ' 'انجم' 'ذبیحہ' 'پرستان' 'ارمان' 'قتل نظیر' 'سزائے قتل' کے مصنف ہیں جس میں قتل نظیر نے بحیثیت شہرت پائی۔ فسانہ نگاری میں یگانہ اور ڈرامہ نویسی میں فخر زمانہ تھے۔ نمونہ کلام ؎

نور برسا وہ گھٹا چھا گئی میخواروں پر　　اے تری شان یہ رحمت ہے گنہگاروں پر
نہیں نکلا کسی گستاخ کا ارمان اچھا　　نیل کیوں پڑ گئے ان پھول سے رخساروں پر
دل گیا، سانس رکا، جان چلی فرقت میں　　ہائے افسوس بھروسہ تھا انھیں یاروں پر
حکم صیاد نہیں ہے کہ چمن میں آئیں　　بلبلیں لوٹتی ہیں، باغ کی دیواروں پر

واہ شاعر سا بھی بھولا نہیں دنیا میں کوئی
آج پھر مان گیا آپ کے اقراروں پر

یوں تو شکوہ بھی نہیں آئینہ رو آتا ہے　　ہونٹ ہل جاتے ہیں جب سامنے تو آتا ہے
کوئی دم سانس تو لے صبر بھی کر چین تو دے　　درد للہ یہ کیوں جان کو تو آتا ہے
منتیں کرتی ہے شوخی کہ منالوں تجھ کو　　جب مرے سامنے روٹھا ہوا تو آتا ہے

یار کا گھر کوئی کعبہ تو نہیں ہے شاعر
ہائے کمبخت یہیں مرنے کو تو آتا ہے

ہم جان دیں ہزار انھیں ناگوار ہے　　سچ ہے برائے دل یہ کسے اختیار ہے
اس کے متاع حسن پہ دل تک لگا دیا　　آگے مرا نصیب ہے اللہ یار ہے
بار گنہ سے کانپتا ہے سبزۂ لحد　　یہ بھی غریب میری طرح شرمسار ہے

ہر صبح کے روز گرتی ہے کانٹا ہی برق سے   میرے تو آشیانے کا تنکا بھی خار ہے

شاعر کا نام سنتے ہی بولے، سمجھ گئے،
ہم جانتے ہیں، ایک ہی پرہیزگار ہے

انگریزی حاکموں کا ہندوستانیوں کے ساتھ توہین آمیز سلوک

انگریزوں نے ہندوستان میں اقتدار حاصل کرنے اور حکمراں بننے کے بعد غلاموں کی طرح ہندوستانیوں کو دیکھا۔ ان سے ملاقات کرنا۔ اپنے پاس بٹھانا گوارا نہیں کیا۔ ان کو طرح طرح سے ذلیل کیا اور ان کے ساتھ توہین آمیز سلوک روا رکھے۔ عدل و انصاف میں بھی ہندوستانیوں کے مقابلے میں انگریزوں کو فوقیت دی۔ چنانچہ ان توہین آمیز سلوک کے خلاف ہر موقعہ پر ہندوستانی اخبارات نے لکھا۔ احتجاج کیا۔ لیکن حکمراں طبقے نے کوئی اثر نہیں لیا۔

اس قسم کے کچھ واقعات ہیں جو اخبارات میں وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں میں نے ان کو قلمبند کیا ہے تاکہ تہذیب کے دعویدار انگریزوں کا غیر مہذب غیر جمہوری اور انسانیت سوز برتاؤ دنیا دیکھ لے۔

انگریز کا حکمراں طبقہ ہندوستانیوں کو اتنا حقیر سمجھتا تھا کہ انگریزی جوتے کے مقابلہ میں ہندوستانیوں کی ہتک اور بے عزتی کرنے کیلئے تیار ہو جاتا۔

چنانچہ ممالک مغربی کے ایک انگریز حاکم نے ایک ہندوستانی مختار کی اس بنا پر بے عزتی کی کہ اس نے انگریزی جوتا پہن رکھا تھا۔ یہ ہتک آمیز واقعہ اودھ اخبار لکھنؤ کے ۶ مارچ [illegible] کے شمارے میں شائع ہوا

"ممالک مغربی کے ایک حاکم صاحب بہادر نے ایک مختار کی جو جوتا پہنکر صاحب بہادر کی حضور میں حاضر ہوا تھا۔ یہاں تک توضیح کی کہ انہیں

جوتوں کو جو وہ پہن کر آیا تھا اس کے پاؤں سے نکلوا کر اس کے سر پر رکھوا کر اور عرصہ تک کھڑا رکھا اور فرمایا کہ اب تم سمجھا کہ ہم اس سے ناراض ہوتے ہیں اگرچہ یہ خبر صحیح ہے لیکن توی ہے کہ صحیح ہو گی کیونکہ کئی تحریریں چند صاحبوں کی اس کے ضمن میں موصول ہوئیں تو ہم انگریزی جوتے پہننے والے ہندوستانیوں پر سخت افسوس کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہی عزت اس جوتے کی ہے جس کی ہم تعریف کرتے ہیں۔ فی الواقع جوتے کی عزت میں تو اب بھی فرق نہیں آیا بلکہ اس کی عزت بدرجہا بڑھ گئی گویا ایک انسان کی عزت و آبرو خاک میں ملی۔ بڑے شرم کی بات ہے اور کمال غیرت کا موجب ہے اگر اب بھی اس وضع کے تمام رئیس اور وکیل اور مختار متفق ہو کر اس کا استغاثہ نہ کریں، پس جیسی عزت یا ذلت ایک شخص کی ہوئی ایسی ہی سب کی ہوئی۔ مناسب ہے جب تک اس کا پورا پورا فیصلہ نہ کرلیں اس وقت تک انگریزی جوتے کو ہرگز نہ پہنیں۔ ہندوستانی جوتے نہیں ہیں۔ یا وہ اچھے نہ معلوم ہوں تو ننگے پاؤں پھریں"۔

اس توہین آمیز سلوک نے ہندوستانیوں میں ایک بے چینی پیدا کر دی تھی۔ اس خبر کو ہر ہندوستانی اخبار نے اپنی ناراضگی کے ساتھ چھاپا۔ چنانچہ معززین اور با اثر لوگوں نے اس واقعہ کو گورنر جنرل تک پہنچایا۔ اس نے جو فیصلہ دیا وہ ۱۵ مارچ ۱۸۶۶ء کے اردو گزٹ دہلی کے پرچے میں چھپا ہے۔

"بہت دنوں سے جو یہ مقدمہ کہ اکثر ہندوستانیوں نے انگریزی جوتے اور موزے پہننے شروع کئے ہیں لہٰذا عدالتوں اور کچہریوں وغیرہ میں ان کو اجازت جوتے پہنے ہوئے آنے کی سامنے افسران

حکام انگریزی کے ہو سکتا ہے یا نہیں زیر تجویز تھا چنانچہ بعد مشورہ لینے تمام افسران سول اور پولٹیکل ہند کی جناب گورنر جنرل نے اس اس مقدمہ میں ایک خاص قاعدہ اس کے واسطے مقرر کرنا مناسب سمجھا۔۔۔کہ تمام روسا رہند کہ موزے یا جوتے انگریزی وضع کے پہنے ہوں ان کو اجازت ہے کہ وہ حکام کے سامنے علاقہ بنگال اور اس کے متعلقات میں بہ وقت احضار دربار عدالت جوتا پہنے ہوئے جانے کی اجازت ہے مگر وہ رئیس جو ہندوستانی جوتی پہنتے ہیں ان کی نسبت وہی قاعدہ قدیم رہے کہ وقت حاضر عدالت و دربار معمولی حد قدیم پر جوتا اتار دیں"۔

ہندوستانی اخبارات روزانہ اس قسم کی بے عزتیاں دیکھتے اور ہندوستانیوں کی ذلت کو اپنے اخباروں میں شائع کرتے تھے انھوں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ اس سلسلہ میں عدالت میں جانے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا یہ سلسلہ تو برابر جاری رہے گا اور ان توہین آمیز طریقوں میں اور زیادتی ہوگی۔ چنانچہ نصرت الاخبار دہلی نے اپنے شمارے یکم مئی ۱۸۶۷ء میں نورالابصار کا تبصرہ شائع کیا۔

" ایک مختار کی جوتی سے جو عدالت کی توہین اکثر اخباروں میں منقول ہے اپنا اس بات میں یہ قول ہے کہ ایسی نالشوں سے اور انگریز کا تعصب بڑھیگا۔ شاید ہندوستانی لوگ کچہری کے احاطہ میں بھی برہنہ پا آیا کرے ورنہ جوتیاں کھایا کرے۔ ہندوستانیوں کو جو عزت ہے اور جس قدر ان میں اتفاق و عقل ہے وہ معلوم بیچارہ گورنر جنرل کہاں کہاں ان کمبخت ہندوستانیوں کی خبر لیں گے اور کس کس کو دیکھیں۔

ایک چیا سور نا کیا پہاڑ کو پھوڑیگا۔ کیا پارلیمنٹ ہندوستان کے ہر ایک انگریز کو تعصب قومی سے بری کر دے گی ہرگز نہیں بڑا فساد ہو گا میرے نزدیک تو اب روٹیاں دینا تیاں دونوں نصیب نہ ہوں گی بھلا پہلے کچھ روٹیاں تول جاتی تھیں گویا پاؤں پہنے تھے جب سے یہ تکرار ہندوستان میں شروع ہوئی ہے ہم بہت سن چکے ہیں کہ بڑے بڑے عزت دار جوتیوں کی آفت میں آگئے۔ ایسی باتوں میں ایسی دور دراز کی سرکار سے کچھ مفید حمایت نہیں مل سکتی خصوصاً انگریزوں کے مقابلے میں۔"

یہ حقیقت ہے کہ انگریزوں کے سامنے ہندوستانیوں کی جان کی کوئی قیمت نہیں تھی ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں جو انگریز قتل ہوئے تھے ان کے انتقام کی آڑ میں ایک فوجی انگریز نے تین ہندوستانیوں کو گولیوں کا نشانہ بنایا۔ وہ گرفتار ہوا لیکن اس کو ایکدن کی بھی سزا نہیں ملی۔ یہ خبر ناصر الاخبار دہلی نے یکم مئی ۱۸۷۲ء کے شمارے میں شائع کی ہے۔

"ایک گورا ۲۲ پلٹن (مقیمہ شاہجہاں پور) کا پریڈ سے لوٹتے وقت کسی طرح پیچھے رہ گیا اور تدبیر کے ساتھ اس نے تین اجل رسیدہ بچارے ہندوستانیوں کو گولی سے ایک کے بعد ایک کو مار ڈالا۔ دو آدمی فوراً جاں بحق ہوئے تیسرے نے کچھ دیر سے جان چھوڑی۔ مجرم گرفتار ہوا تھا مگر بروقت اظہار کے مجرم نے بیان کیا کہ جب سے اس نے کانپور کے ایک کنوئیں پر یادداشت کو کہ جس کے ہم وطن مرد اور ہم وطن عورتیں اس میں قربان کی گئی ہیں دیکھتے ہی نہایت درجہ ہندوستانیوں سے اختیار رکھا اور اس کنوئیں کی

یادداشت والوں کا بدلہ لینے کا عہد کیا۔ اس بیان پر عدالت نے اس کو بری کر دیا"۔

بریلی کی خبر ۱۱ اپریل کے نصرت الاخبار دہلی میں درج ہے کہ پانچ سولجروں کی گولیوں سے چار ہندوستانی مارے گئے۔ خبر کا عنوان ہے۔ "آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا"۔

"مقام مرادآباد سے ایک انگریزی مخبر اپنے خط مورخہ ۱۲ ماہ گذشتہ میں لکھتا ہے کہ آج صبح کو ایک متاسف واردات کی نسبت جو بریلی میں واقع ہوئی میں نے سنا کہ پانچ سولجر سن شکار کو گئے اور چند موروں کو شکار کیا اس کار خلاف الطبع پر اس مقام کے ہندوستانی لوگ مزاحم ہوئے مگر افسوس اس معاملہ میں بیچارے چار ہندوستانی گولی سے مار ڈالے گئے۔ نصرت الاخبار اگر یہ سچ ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اب آئندہ کو بیچارے ہندوستانیوں کا خدا ہی بیلی کیونکہ بہت تھوڑے عرصہ میں کئی ایسی زیادتیاں ہوئی ہیں"۔

انگریز حاکم ہندوستانیوں کی جو بھی بات اپنی حاکمانہ شان کے خلاف دیکھتا تو بے آپے ہو جاتا تھا اور ہندوستانیوں کی جان عزت کی کوئی حقیقت نہیں سمجھتا تھا۔ اگر کسی ہندوستانی نے اس کو سلام نہیں کیا تو وہ اس کے لیئے ناقابل برداشت بات بن جاتی تھی چنانچہ وہ اس کے بدلے میں ہندوستانی کی جان لینے سے بھی گریز نہیں کرتا تھا۔ اور عدالتوں کی بھی یہی پوزیشن تھی وہ انگریزوں کی جان کو جان سمجھتے تھے اور ہندوستانیوں کی جان کو گاجر مولی سے بھی بدتر قرار دیتے تھے۔ چنانچہ کانپور کے نور الانوار نے اپنے شمارے یکم اگست ۱۸۷۵ء میں اسی قسم کی خبر چھاپی ہے۔

"کولاگھاٹ پر دو یورپین گاڑی پر سوار چلے جاتے تھے اور سامنے سے
ایک ہندوستانی نوجوان گھوڑے پر سوار آرہا تھا جس نے عمداً یا سہواً
صاحب بہادروں کو سلام نہیں کیا۔ یورپین کے خون کے جوش نے زور کیا۔
سوار مذکور پر چابک چھپکانے شروع کیے جس کے باعث وہ بیچارا گھوڑے
سے گر پڑا اور صاحب بہادر اس کے سر پر گاڑی چلا کر اس کو کچل گئے۔ مقدمہ
پیش ہونے پر عدالت سے بری ہوئے جب بذریعہ اخبار یہ خبر گورنمنٹ
کے گوش گذار ہوئی تب گورنمنٹ نے مثل مقدمہ طلب کی اور بعد معائنہ رائے
لکھی کہ یورپین نے بیشک اس معاملے میں بہت خلاف انسانیت کارروائی
کی جس کو گورنمنٹ کمال ناراضی اور افسوس کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔"

اس دور کے اخبارات میں اس قسم کی کافی خبریں شائع ہوتی تھیں اور عدالتیں
ہندوستانیوں کے قاتلوں کیساتھ رعایت کرتی تھی اور انگریزوں کے قاتلوں کو قانون کے
شکنجے میں اچھی طرح کستی تھی۔ چنانچہ اس قسم کے دو واقعہ درج کیے جاتے ہیں۔

ایک واقعہ اودھ اخبار لکھنؤ مورخہ ۴ اپریل ۱۸۸۸ء نقل کرتا ہے۔

"مسٹر کراسٹن کے ہاتھ سے ایک ہندوستانی مارا گیا ان پر صرف تھوڑا سا
جرمانہ ہوا اور صاحب بہادر صاف چھوٹ گئے اول تو ہندوستانی کی جان ہی کی
کیا قدر دوسرے ایسے شخص کی جان جس کو مرض طحال ہو اور ذرا سے گھونسا لگنے
سے دم نکل جائے۔ اب تو ہندوستانی ایسے سخت جان ہونے چاہئیں کہ سو سو گھونسے
لگیں اور جان نہ نکلے واقع میں اس شخص کی جان ہی کا قصور تھا جو ذرا سی
ٹھیس سے نکل گئی صاحب کا کیا قصور تھا۔"

دوسرا واقعہ اخبار عالم میرٹھ کے شمارے ۱۵ مئی ۱۸۸۸ء میں تحریر ہے۔

"لاہور۔ ایک انگریزی اخبار سے منکشف ہوا ہے کہ چیف کورٹ پنجاب نے

ایک لڑکے کو واسطے جس کی عمر تیرہ سال تھی ایک اور لڑکے کو کنوئیں میں دھکہ دیکر گرانے کے جرم میں حبس دوام کا حکم صادر فرمایا۔ تھوڑے دن ہوئے ایک گورے نے ایک کالے لڑکے کو لاہور میں ایک خندق میں دھکہ دیکر مار ڈالا اور صرف ایک سال کی قید کا حکم ہوا۔ حقیقت میں انصاف کے یہی معنی ہیں"۔

انگریز اگر کوئی قتل بھی کر لیتا تھا تو قابل سرزنش نہیں سمجھا جاتا تھا اگر ہندستانی کسی انگریزی عورت کو اس کی مرضی کے مطابق مسلمان کر کے شادی کر لیتا تو اس کو جیل کی ہوا کھانے کے بعد بھی اپنی عملداری سے نکال دیا جاتا تھا۔ ۵ فروری ۱۸۸۵ء کا اودھ اخبار لکھنؤ روایت کرتا ہے

میر احمد خاں.... وہی شخص ہے جس نے پچھلی گرمیوں میں ایلین نام ایک انگریز عورت کو مسلمان کرا کے شادی کر لی تھی اس جرم میں اس کو چھ مہینے کی قید ہوئی تھی یہ میعاد قید اب گذر گئی اسلئے گورنمنٹ ہند نے حکم دیا ہے کہ اس شخص کو انگریزی عملداری سے باہر نکال دیا جائے جس کی تعمیل میں وہ ہفتہ گذشتہ میں بلوچستان بھیجدیا گیا"۔

انگریز ہندستان میں ہندوستانیوں کو عیسائی بنانے پر بہت خوش ہوتے تھے اور اچھی خاصی تعداد انھوں نے عیسائی بنالی تھی لیکن اگر کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس سے انتقامی سلوک کیا جاتا تھا چنانچہ مسٹر جی آرملول کے مسلمان ہونے پر ان سے جو انتقام لیا گیا وہ ۲۶ر فروری ۱۸۸۵ء کے اودھ اخبار لکھنؤ میں پڑھیے۔

"مسٹر جی آرملول صاحب عرف شیخ عبدالرحمن صاحب نے جو بیشتر بنگال سررشتہ ملکی میں ملازم تھے مینجران بنگال سول فنڈ کو تحریر کیا تھا کہ جس قدر میرا روپیہ جمع ہے مجھکو ملجاوے لیکن مینجروں نے روپیہ دینے سے انکار کیا۔ صاحب موصوف کی میم نے بھی ان مینجروں سے روپیہ ملنے کی درخواست کی اس پر یہ حکم ہوا کہ تمہارا خاوند موقوف ہو گیا اس لیے ہم تمہاری مدد نہیں کریں گے۔

اسی قسم کے دو واقعات اور ہو گئے جو شخصوں نے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا تو ان کی پاداش میں حکومت برطانیہ نے انکو ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ ان ہر دو واقعوں پر پیسہ اخبار لاہور کے شمارے ۵ فروری سنہ [illegible] میں تبصرہ ہوا ہے۔ عنوان ہے "اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا"

"قوم انگریزی کو بہت بڑا دعویٰ ہے اپنے آزاد اور بے تعصب ہونے کا ہے انگریز اپنی سلطنت کو آزادی کا گھر اور اپنی قوم کو انصاف پرور کہنے کی عادی ہیں مگر کئی ایک واقعات اس کے خلاف ثابت کرتے ہیں مسلمانوں پر "ٹالرینٹ" ہونے کا الزام لگایا جاتا ہے، مگر واقعات ثابت کرتے ہیں کہ یہ لوگ خود سب سے بڑے "ان ٹالرینٹ" ہیں کچھ عرصہ گذرا ہے ہندوستان کے محکمہ تار برقی میں ایک یورپین افسر نے اسلام قبول کرکے سراج الدین نام قبول کیا تھا۔ اس قصور پر اس غریب کو پبلک ملازمت سے علیحدہ کر دیا۔ حال میں مسٹر لی میشرلا ایک عالی خاندان انگریز عیسائی نے برضا و رغبت عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا۔ اور عبدالحمید نام رکھا تھا۔ شرع اسلام کے مطابق ایک دوسری بی بی سے شادی کی تھی جو ویسی ہی انگلستان کے ایک عالی خاندان کی لڑکی تھی۔ مسٹر عبدالحمید میشرلا گورنمنٹ سیلون کے ماتحت بیس سال سے اسسٹنٹ کلکٹر تھے۔ ان کے مذہب بدلنے پر گورنر سیلون نے سکریٹری آف سٹیٹ سے اجازت حاصل کرکے انھیں یک قلم ملازمت سے علیحدہ کر دیا اور ان کی بیس سال کی قابل تعریف خدمات کا کچھ خیال نہ کیا۔ قصور اس بیچارے کا صرف اتنا بتلایا گیا کہ اس نے دوسری شادی کی اور اپنا مذہب بدل دیا تھا

مثالیں موجود ہیں کہ انگریز افسروں نے ہندوستان میں ہندوستانی عورتوں کو گھروں میں ڈال رکھا ہے ان سے اولادیں پیدا ہوئیں مگر عیسائی گورنمنٹ کو خیال نہ آیا کہ اس بدمعاشی کی سزا ایسے عیسائی افسروں کو دیجائے واقعی گورنمنٹ انگریزی کی یہ تنگ نظری ہزار نفرین کے قابل ہے"۔

انگریز حاکموں نے طے کرلیا تھا کہ ہندوستانی معززین کی کسی نہ کسی صورت سے بے عزتی کرنی ہے چنانچہ وہ موقع کی تلاش میں رہتے تھے۔ اور جو بھی ذلت کا طریقہ ان کے سمجھ میں آتا وہ اس کو اختیار کرلیتے تھے۔ سنئے اودھ پنچ لکھنؤ کی زبانی ایک معزز ہندوستانی کی بے عزتی کی داستان ۲۰ فروری ۱۸۸۳ء کے شمارے میں۔

"منشی ابوالمظفر صاحب مختار عدالت ہائے پرتاب گڑھ ملک اودھ عشرہ محترم کو کربلا کی طرف جاتے تھے بدبختی کے مارے گھوڑے پر تھے جب ان کے پیچھے ایک سوار کی آہٹ معلوم ہوئی تو انھوں نے پیچھے پھر کر دیکھا کہ ضلع مذکور کے اسسٹنٹ کمشنر گینس صاحب بہادر پولیس کی ایک جماعت کے ساتھ آتے ہیں اس شریف اور مہذب مختار نے یہ سوچ کر کہ ایک حاکم کے آگے جانا بے ادبی ہے اپنے گھوڑے کو ٹھہرا لیا اور جب صاحب بہادر کا جلوس آیا تو اس نے ادب سے سلام کیا اس کا ارادہ تھا کہ سلام کرکے ان کے پیچھے پیچھے جاوے لیکن صاحب بہادر نے اس ادب اور سلام کے عوض میں یہ جواب دیا کہ گھوڑے سے نیچے اتر کر سلام کرو۔ بیچارے مختار نے ایسا ہی کیا۔"

"اودھ پنچ"۔ وہ حضرات جو ہندوستانیوں اور انگریزوں میں میل جول

نہونے کی وجوہ تلاش کرتے ہیں مہربانی فرما کر اس خبر کو اپنی پاکٹ بک پر لکھیں انگلینڈ میں ان صاحبوں کو کیوں ویسا موقع ملنے لگا کہ کوئی گھوڑے سے اتر کر جھک کر سلام کرلے۔ ہندوستان ہی میں ایسی ہوسیں نکل جانا چاہیئے۔"

انگریزی حاکم ہندوستان کے کالے آدمی سے اس قدر نفرت کرتے تھے کہ باوجود دوستانہ تعلقات کے ملاقات تک کرنی گوارا نہیں کرتے تھے بلکہ اگر وہ گھر میں پہنچ جاتا تو اس کو نکل جانے کا حکم دیتے تھے۔ اس کے برعکس اگر معزز ہندوستانی کی موجودگی میں کوئی گھٹیا قسم کا انگریز ملاقات کرنے آتا ہے تو ہندوستانی کے مقابلے میں اسکی ملاقات کو ترجیح دیتا تھا۔ انگریزوں کے ان متکبرانہ طور وطریقوں پر اخبار سینٹفک سوسائٹی علی گڑھ نے ایک مضمون بعنوان "ہندوستانیوں اور انگریزوں کی رسم وراہ" ۸ مئی ۱۸۶۶ء کے شمارے میں لکھا ہے اس میں ایک انگریزی حاکم سے ایک معزز ہندوستانی کی ملاقات، اردلی کے نخرے اس کی رشوت خوری، ملاقات میں ہندوستانی کی ذلت اور ہندوستانیوں کی مخلصانہ دوستی اور پایہ دار محبت پر روشنی ڈالی۔

" اگر یہ منزل بچارے بدنصیب ہندوستانی کی خیریت سے گذر گئی اور صاحب تک اطلاع ہوئی آیا تو وہ سنگریپ ہو رہے اور یا مہربانی سے جواب دیا کہ ذرا صبر کرو اور جو بہت خلیق اور نیک دل ہیں انہوں نے کہا کرسی ڈال دو، تو تم سمجھے کہ کہاں کرسی ڈالی گئی اسی جوتی چمار کے برانڈے میں۔ اب یہ غریب بیٹھا ہے اور انتظار کر رہا ہے کہ کب بلایا جاؤں.... غرض جوں توں اس کے نصیب نے مدد کیا اور

بُلایا گیا اور یوں ہی اندر گیا اس غریب نے جھک کر سلام کیا اگرچہ
بڑے مہربان ہوئے تو آنکھ سے اشارہ کر دیا اب اس کے بعد کوئی
دوستانہ کلام نہیں ہے یا تو یہ کلام ہے کہ ہاں کیا عرض کرتا ہے
اس نے کہا کچھ نہیں میں تو حضور کو سلام کو آیا تھا۔ اس پر بہت
زیادہ اخلاق ہوا تو پوچھا تم اچھا ہے تمہارے ہاں مینہ برسا،
فصل تو بہت اچھا ہے بس اور کچھ عرض کرنا نہیں اچھا رخصت۔
"ایک شریف ہندوستانی سے ایک نہایت عمدہ اور مشہور انگریز
کا معاملہ سُنئے ان ہندوستانی سے اور ان صاحب سے بہت ملاقات ہے
اور وہ صاحب بھی اس ہندوستانی پر بہت مہربانی فرماتے ہیں کئی مہینے
گذر گئے تھے کہ آپس میں ملاقات نہیں ہوئی تھی اتفاقاً یہ ہندوستانی
ایک ضروری کام کو چند گھنٹے کیلئے شہر میں وارد ہوا جہاں وہ صاحب تھے
اس کے دل میں بہت شوق آیا کہ ایک چند منٹ میں اپنے دوست
کو دیکھ آؤں اس نے ایک سوداگر کے ہاں سے چار روپیہ کرایہ
دیکر گاڑی منگائی اور انکی کوٹھی پر گیا اتفاق سے عین کوٹھی کے
برانڈے میں صاحب کھڑے تھے نہایت خوشی سے ملاقات ہوئی
دونوں نے ہاتھ ملائے اور ساتھ ساتھ کوٹھی کے اندر گئے اور کرسیوں
پر بیٹھے اتنے میں گھڑ بڑ گھڑ بگی کی آواز آئی اور چپراسی نے دوڑ کر صاحب
کو اطلاع کی کہ فلاں صاحب آتا ہے وہ ایک صاحب تھا کہ اس
ہندوستانی سے نہ عہدہ میں زیادہ تھا اور نہ خاندان میں اور نہ صاحب
سے محبت اور دوستی میں، صاحب نے اس ہندوستانی سے کہا ول
تم باہر ٹھہرو ہم صاحب سے باتیں کریں وہ باہر آیا اور وہیں بیٹھا

کہاں، اسی جوتیاں جھاڑنے کے برآمدے میں۔"

"اسی ہندوستانی کا دوسرا حال سنو ..... ایک دفعہ وہ ہندوستانی اپنے انگریز دوست سے ملنے گیا چپراسی سے کہا کہ صاحب کو اطلاع کردو چپراسی نے کہا صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے ہیں اور ان کا حکم ہے کہ ان کو ہمارے کمرے میں ہمیشہ آنے دیا کرو کچھ اطلاع کرنے کی ضرورت نہیں غرض کہ وہ ہندوستانی اندر گیا صاحب کچھ لکھ رہے تھے انھوں نے یقینی جانا کہ فلاں شخص آیا ہے وہ ہندوستانی چند منٹ ان کی میز کے پاس کھڑا رہا۔ اس انتظار میں کہ صاحب دیکھیں تو میں سلام کروں مگر انھوں نے نہ دیکھا نہ کچھ کہا لاچار اس ہندوستانی نے کہا آپ میرا سلام تو لے لیں۔ صاحب نے اسی طرح نیچی آنکھیں کیے ہوئے کہا کہ تم کیوں ہمارے کمرے میں گھس آیا، نکل جاؤ۔"

"ہندوستانیوں میں جو بھلائیاں یا برائیاں ہیں ان کو بھی ہندوستانی خوب جان سکتا ہے نہ کوئی انگلش مین بے ریا دوستی اور پھر اس کا نباہ اور اپنے دوستوں کے ساتھ وفاداری اور ان کی مشکلات کے وقت ساتھ دینا اور ان کے رنج وراحت میں شریک ہونا یہ خاص جوہر ہندوستانیوں کا ہے مگر انگریز اس بات کی قدر کیا جانیں انھوں نے نہ کسی ہندوستانی سے دوستی کی اور نہ اس کی قدر جانی اور جس نے اس کی قدر بھی جانی۔ سو برس انگریزوں کو ہندوستان میں ہوئے صرف ان کے غرور اور تکبر اور ہندوستانیوں کو بے قدر اور بے عزت سمجھنے کا باعث ہے کہ آج تک ان کو کسی ہندوستانی

سے دوستی اور محبت نہیں ہوئی بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ جو ہندوستانی شرفا اور ذی علم اور تربیت یافتہ ہیں ان سے آج تک انگریز سے ملاقات تک کی نوبت نہیں پہنچی ..... اب بھی بعض ہندوستانی ایسے ہیں کہ وہ اس طریقہ پر جس کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے ملاقات نہیں کرتے مگر وہ ہمیشہ اس بات پر نہایت مستحکم ہیں کہ ایک بے عزتی کے معاملہ میں جو اس طرح سے ملاقات کرنے میں ہوتی ہے۔ اپنی جان اور مال کی کچھ پروا نہیں"۔

مجرموں میں بھی امتیاز کیا جانے لگا تھا۔ چنانچہ جب گورے مجرموں پر گورے سپاہیوں کا پہرہ دینے کی تجویز آئی تو آگرہ اخبار مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۸۹۳ء میں اس تجویز کے خلاف یہ تبصرہ کیا۔

"ہم مدت سے جانتے تھے کہ قیصر ہند کے عہد آسائش میں گوروں اور کالوں میں کچھ تمیز نہیں ہے دونوں کے ساتھ ایک سا سلوک کیا جاتا ہے مگر افسوس اس خبر نے ہمارے اولڈ خیال کو یک لخت منتقل کر دیا۔ نہ صرف منتقل بلکہ آہ سرد ..... اے ناظرین وہ کیا خبر ہے سن لیجئے ایک معزز اخبار سے معلوم ہوا کہ گورنمنٹ تجویز کر رہی ہے کہ گورے مجرموں پر گورے سپاہیوں کا پہرہ ہو۔ ہائے تعصب جس نے ہماری دانا بینا گورنمنٹ کے خیالات کو پلٹ دیا۔ گورنمنٹ گوروں کے مزاج سے مل گئی۔ لیکن افسوس بہت سے دیسی گوروں کے ہاتھوں تباہ ہو گئے اکثروں نے گاجر مولی کی طرح کاٹا مگر کوئی نہیں اکثر عدالت سے بری ہوئے ہائے افسوس ہائے افسوس ہندوستان کمبخت تو اپنی تاریکی جہالت سے کب سر اٹھائے گا"۔

انگریزوں کے اس تعصب اور نفرت سے ہندوستانی متاثر تھے اسی طرح تقریباً ہر ایک اخبار اور اس عہد کی سوسائٹیاں انجمنیں اور ایسوسی ایشن اس نفرت اور غرور و تکبر کے خلاف لکھتے اور انجمنوں کی میٹنگوں میں مضامین پڑھے جاتے تھے جو انجمنوں کے رسالوں میں شائع ہوتے تھے وہاں سوسائٹی کے پہلے سکریٹری اور اس کے بانی ماسٹر پیارے لال صاحب نے اپنا ایک مضمون بعنوان "در باب راہ و رسم صاحبان انگریز و ہندوستانی" سوسائٹی کی میٹنگ میں پڑھا اور سوسائٹی کے رسالہ میں شائع ہوا۔ اس کے اقتباس ملاحظہ ہوں۔

"..... انگریزوں اور ہندوستانیوں میں محبت نہ ہونے کا سبب دریافت کرنا مشکل نہیں ہے گو اسباب مختلف لوگوں کی رائے مختلف ہے بعض کا قول یہ ہے کہ اگر کل ہندوستانی عیسائی ہو جائیں تو ان میں اور انگریزوں میں محبت کا ظہور ہوا اور آپس میں برابر کی ملاقاتیں ہونے لگیں میں کہتا ہوں غلط' کیا اب انگریز کرانیوں اور ہندوستانیوں سے جنہوں نے مذہب عیسائی قبول کیا ہے اسی طرح پیش آتے ہیں جس طرح انگریز انگریز کی مدارات کرتا ہے ..... انگریز اور ہندوستانیوں میں جو محبت نہیں ہوتی یہ ان دونوں میں سے کس کا قصور ہے میں نے اس بات پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ دونوں کا مگر زیادہ انگریزوں کا' یہ اگر چاہیں کہ ہندوستانی ان سے محبت کریں تو آج ہو سکتا ہے ..... اب دریافت کرنا چاہیئے کہ صاحبان انگریز کی طرف سے آج تک کوئی بات اس قسم کی ظہور میں آئی اور انھوں نے ہندوستانیوں سے مل جل جانے کی دل سے کوشش کی یا نہیں۔ میری رائے ناقص یہ ہے کہ نہیں ..... اگر انگریز

مسلمانوں کی طرح اس ملک کا رہنا اور ہندوستانیوں کی ایسی عادت جو ان کی شائستگی اور مذہب کے خلاف نہیں ہیں اختیار کریں قومی غرور کو چھوڑیں یہ نہ سمجھیں کہ ہم حاکم ہیں اور یہ محکوم ہیں کالے گورے کی تمیز جانے دیں تو بے شک دونوں قوموں میں محبت ہو جائے"

"پس صاحبان انگریز سے میری یہ عرض ہے کہ اس قومی غرور کو جو ان کے دلوں میں سمایا ہوا ہے اور جس کے سبب آپ کو ہم جنس دیگرے نیست کے سوا اور کچھ نہیں سوجھتا چھوڑ دیں آخر کو تو ہم تم آریہ نسل کے آدمی ہیں"[1]

انگریزی حکمراں طبقہ کا یہ ہتک آمیز طریقہ کافی عرصہ تک چلا اور ہر ایک طبقہ ان کے غرور کا شکار بنا۔ حتیٰ کہ ہندوستانی اخبارات بھی ان کی زد میں آئے اور اینگلو انڈین اخبارات عیش کرتے رہے۔ چنانچہ اخبار ہمدم لکھنؤ نے اپنے ۷ر جنوری ۱۹۱۷ء کے شمارے میں ایک "نوٹ" لکھا ہے، جس کا عنوان ہے "کارکنان اخبارات کی دقتیں"۔

"مسٹر ہارنیمن ایڈیٹر بمبئی کرانیکل نے گوشہ اجلاس کانگریس میں تنسیخ پریس ایکٹ کے ریزولیوشن کی تحریک کرتے ہوئے کارکنان اخبارات کی جن دقتوں کا حوالہ اور ہندوستانی اینگلو انڈین اخبارات کیساتھ گورنمنٹ کی طرز عمل کا جو فرق بتایا وہ یقیناً اس قابل ہے کہ اعلیٰ اراکین حکومت اس پر غور خوض کریں اور اگر پریس ایکٹ کو فوراً منسوخ کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو کم از کم ان شکایات کو فوراً رفع کر دیں۔ مسٹر ہارنیمن نے فرمایا کہ مالکان اخبارات کی عزت پولیس کے ہاتھ میں ہے اور میں بحیثیت ایک اخبار نویس ہونے کے کہتا ہوں کہ ہر وقت پولیس کا خطرہ رہتا ہے جو ذرا ذرا سی

---

[1] حیات آشوب صفحہ ۱۷۵

بات میں آموجود ہوتی ہے اور بے عزتی کرنے کا کوئی طریقہ اٹھا نہیں رکھتی یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ تمام اینگلو انڈین اخبارات کو (سوائے ایک کے یعنے خود کے اخبار کے) اس بات کی اجازت ہے کہ ان کا جو جی چاہے ہندوستانیوں پر تہمت دھریں اور گورنمنٹ ان کو کچھ نہ کہے مگر ایک ہندوستانی اخبار اگر اس قسم کا کوئی مضمون لکھے تو اس کو بند کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثالاً میں مسز اینی بسنٹ کے اخبار "نیو انڈیا" کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جس میں انھوں نے محض اسبات کی مخالفت کی تھی کہ یوربین کے لئے کیوں علیحدہ درجے لگائے جاتے ہیں۔ اور اسی پر ان سے ضمانت طلب کی گئی ایسی صدہا مثالیں ہیں کہ اخبارات کو بلاسبب لوکل افسران نے بند کردیا ہے میں ایک ناول کی مثال اور آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ جس میں ایک ہندوستانی نے اپنے بھائیوں کو اچھے مغربی طریقوں کے حصول اور برے طریقوں کے ترک کرنے کی صلاح دی تھی اور اس میں مغربی زندگی کے بعض واقعات ایسے دکھلائے تھے جن کا اہل مغرب ایک مشرقی ملک میں شائع ہونا برا سمجھتے تھے وہ ناول ضبط کرلیا گیا اس کے برخلاف ایک ایسی کتاب ایک یوربین نے لکھی جس میں اس نے ہندوستانیوں پر فضول تہمتیں لگائی تھیں مگر اس کی اشاعت بند نہیں کی گئی اور اس وقت تک وہ برابر شائع ہورہی ہے۔"

انگریزی حکمران طبقہ ہندوستانیوں سے ملاقات کرنے میں کسر شان سمجھتا تھا۔ علاوہ ازیں ہندوستانیوں کو انگریزوں کے مقابلہ میں ذلیل کرتی تھیں ہندوستانی اخبارات بھی عتاب کی نذر ہوتے تھے۔ بچارے ریل میں بیٹھنے والے ہندوستانی بھی نہیں بچے ان کو بھی انگریزوں کے غرور کا نشانہ بنایا گیا۔ ریلوں میں اس

قسم کے واقعات مسلسل ہوتے رہتے تھے۔ چنانچہ روح صحافت میں "قدیم علمی و صنعتی انجمنوں کے رسائل و اخبارات" والا مضمون چھپا ہے اس میں رسالہ گنجینہ علوم مراد آباد کا ذکر ہے جس میں انگریزوں کی ہندوستانیوں کے ساتھ زیادتیوں پر ایک مضمون چھپا ہے۔ جس کے اقتباس اس میں نقل ہوئے ہیں

اس قسم کی زیادتیوں پر ہندوستانی اخبارات حکومت کو متوجہ کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اخبار ہمدم لکھنؤ کو دو مرتبہ اس سلسلے کے نوٹس لکھنے پڑے پہلا نوٹ ۱۳ ار جنوری ۱۹۱۷ء کے شمارے میں چھپا ہے۔ جس کا عنوان ہے۔ "ریلوے کے مسافروں میں رنگت کا امتیاز"

"نہایت افسوس ہے کہ ریلوے میں رنگ کے ناگوار امتیاز کے واقعات آئے دن رونما ہوتے رہتے ہیں اور ان سے شریف ہندوستانیوں کے احساسات کو سخت صدمہ پہنچتا ہے ان دنوں ہمعصر نیو انڈیا میں مقام گڈلور کے ایک معزز وکیل نے اپنی مراسلت شائع کرائی ہے جس سے اس برتاؤ پر روشنی پڑتی ہے جو ریلوے کے بعض کارکن ہندوستانی مسافروں کے ساتھ روا رکھتے ہیں۔ وکیل موصوف لکھتے ہیں کہ وہ گڈلور سے ایک ٹرین میں مدراس جا رہے تھے اور ان کے پاس درجہ دوم کا ٹکٹ تھا۔ لیکن چونکہ دوسرے درجہ میں جگہ نہ تھی اس لئے گارڈ نے ان سے کہا کہ وہ اوّل درجہ میں بیٹھ جائیں اور ولیلو پورم پہنچکر وہاں کے اسٹیشن ماسٹر سے اس کی اجازت لے لیں۔ ولیلو پورم پہنچکر وہ اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے اور سارا معاملہ اس سے بیان کیا ابھی وہ بیان کر ہی رہے تھے کہ ریلوے کی ایک اینگلو انڈین ملازمہ دوسرے درجہ کا پاس لئے ہوئے آئیں اور جگہ چاہی اسٹیشن ماسٹر نے فوراً ان کو اسی اول درجہ میں جس میں وکیل موصوف

بیٹھکر آئے تھے جگہ دے دی اور ان کو حکم دیا کہ اپنا اسباب وہاں سے اٹھوالیں۔ وکیل نے اسٹیشن ماسٹر صاحب سے کہا کہ ان کا حق دو وجوہ سے اس درجہ میں سفر کرنے کا ہے اول تو وہ اس میں گوالیار سے سوار ہو کر آئے ہیں دوسرے انھوں نے دام دیکر ریلوے کا ٹکٹ خرید ا ہے اور مفت کا پاس نہیں لیا ہے مگر اسٹیشن ماسٹر نے ان کی باتوں پر کچھ التفات نہیں کیا اور ارشاد فرمایا کہ ان کو ایسا کرنے کے اختیارات حاصل ہیں وکیل موصوف نے اول درجہ میں بیٹھنے پر اصرار نہیں کیا اور کہا دوسرے درجہ میں ان کے ایک دوست بیٹھے ہیں اور ان کی بیوی بھی ان کے ساتھ ہی سفر کر رہی ہیں اگر وہ ان سے کہدیں گے تو اپنی بیوی کو وہ اس لیڈی کے ساتھ اول درجہ میں بھیجدیں گے۔ اور وہ ان کی جگہ وہاں بیٹھ جائیں گے۔ اس پر پہلے تو اسٹیشن ماسٹر نے فرمایا کہ وہ مسافروں کو تکلیف نہیں دے سکتے (اب تک تو گویا انھوں نے کسی کو کچھ تکلیف دی ہی نہیں تھی) لیکن وکیل کے اصرار پر راضی ہو گئے۔ اور ان کے دوست اور انکی بیوی نے بھی ان کے لیے یہ تکلیف گوارا کی مگر افسوس ہے کہ وہ بچاری ہندوستانی لیڈی جو ہنی اول درجہ میں داخل ہونے لگیں وہ اینگلوانڈین ملازمہ مشتعل ہو گئیں اور انھوں نے یہی بہتر سمجھا کہ اسی اسٹیشن پر اتریں اور دوسری گاڑی آنے پر اس میں سوار ہو جائیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ ایسے موقعہ پر حکام ریلوے کا یہ فرض تھا چونکہ درجہ دوم میں جگہ نہ تھی اس لئے انھیں چاہیئے تھا کہ وہ وکیل موصوف کو درجہ اول ہی میں رہنے دیتے اگر میم صاحبہ ان کے ساتھ سفر کرنے پر رضامند نہ تھیں تو ان کو کسی اور درجہ میں بھیجتے لیکن انھوں نے یہ کارروائی

نکی اور ایک معزز ہندوستانی وکیل کو اپنا ہرج کرنا پڑا۔ اور ایک ہندوستانی خاتون کو شرمندہ ہونا پڑا جس کا اثر ان کے دلوں پر عرصہ تک قائم رہے گا"۔

دوسرا نوٹ ۱۷ر فروری ۱۹۱۷ء کے پرچے میں شائع ہوا ہے جس کا عنوان ہے" ایک ہندوستانی ممبر کونسل سے ریلوے میں بدسلوکی"۔

" ریلوے میں کچھ درجے صرف یورپینوں کے لئے مخصوص کیے جانے کا سوال گزشتہ چند ماہ کے اندر ہندوستانی پریس میں بہت کچھ زیر بحث رہا ہے اور بعض معاملات میں مقدمہ بازی تک نوبت پہنچنے پر عدالتی فیصلوں میں یہ قرار دیا گیا ہے کہ قانون ریلوے میں کوئی دفعہ منتظمین کو ٹرینوں کے درجوں میں ایسی تفریق کی اجازت نہیں دیتی لیکن افسوس ہے کہ بعض اینگلو انڈین حکام رعونت کی وجہ سے ریلوے میں اپنا حق فائق سمجھتے ہیں اور جو درجے یورپینوں کے لئے مخصوص نہیں ہیں ان میں بھی ہندوستانیوں کے بیٹھنے کے روادار نہیں ہوتے اور اس کے متعلق معزز ترین ہندوستانیوں کی تکلیف دہی اور اہانت میں تامل نہیں کرتے چنانچہ ان دنوں ایک یورپین سب ڈویژنل افسر نے آنریبل نواب سید نواب علی چودھری صاحب رئیس اعظم مشرقی بنگال و ممبر امپیریل کونسل کے ساتھ اسی قسم کا اہانت آمیز برتاؤ کیا ہے جس کی کیفیت معزز ہمعصر صداقت کلکتہ میں شائع ہوئی ہے۔

نارائن گنج ۱۵ر فروری۔ جمعہ کے روز آنریبل سید نواب علی چودھری کے خاندان کے چند اشخاص میمن سنگھ کی ریل کے درجہ اول میں سوار ہوئے تھے کہ سب ڈویژنل افسر مسٹر لاس دو لیڈیوں سمیت آئے اور ان سے

درجے سے نکل جانے کو کہا نواب صاحب نے انکار کیا اور اپنی حالت بیان کی مگر مسٹر راس نے اس کی پرواہ نہ کی اور سب کو جبراً نکال باہر کیا۔
ہمعصر صداقت میں یہ بھی مذکور ہے کہ اسٹیشن ماسٹر نے مسٹر راس کو روکا مگر وہ نہ مانے اور اسٹیشن والوں کی طرف سے ٹریفک سپرنٹنڈنٹ صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع دے دی گئی۔ ظاہر ہے کہ آنریبل سید نواب علی چودھری کو مسٹر راس ہی کی برابر اس درجہ میں سفر کرنے کا حق حاصل تھا اور اگر مسٹر راس براہ غرور ان کے ساتھ بیٹھنے میں اپنا کوئی ہرج سمجھتے تھے تو انھیں کوئی اور جگہ تلاش کرلینی چاہیئے تھی نیز اسٹیشن والوں کو آنریبل سید نواب علی چودھری اس مسلمہ حق کی حفاظت کرنی چاہیئے تھی۔ افسوس ہے کہ اس حق کی اس وقت حفاظت نہیں کی گئی لیکن امید ہے کہ آنریبل سید نواب علی چودھری معاملہ کو اسی منزل پر نہ چھوڑیں گے اور عدالتی چارہ جوئی کے ذریعہ مسٹر راس کو یہ بتانے کی کوشش کریں گے کہ سیاہ فام ہندوستانی بھی انگریزی شہریت کے حقوق گوری رنگت والے یوروپینوں ہی کی برابر رکھتے ہیں۔ اور جب وہ ٹکٹ خرید کر کسی درجۂ ریلوے میں سوار ہوں تو کسی یورپین کو خواہ وہ کسی حصہ ضلع کا حاکم ہی ہو انھیں وہاں سے اتارنے کا حق نہیں پہنچتا۔"

اخبار مرقع تہذیب لکھنؤ نے بھی رہیل کھنڈ ریلوے کے بارے میں یکم نومبر ۱۸۷۳ء کے شمارے میں ایک واقعہ لکھا ہے۔ کہ ایک ہندوستانی رئیس کی کس طرح ایک انگریز بہادر کے ہاتھوں درگت بنی۔
"پندرہ تاریخ اکتوبر سنہ حال کو اودھ رہیل کھنڈ ریلوے پر

بیا اجرا پیش آیا۔ ایک ہندوستانی رئیس سکنڈ کلاس میں سوار ہوئے
تھے ایک صاحب بہادر بھی اسی گاڑی میں تشریف لائے اور ہندوستانی
صاحب کے اسباب کو پھینکنا شروع کر دیا آخر میں جب ہندوستانی
صاحب نے اپنی خطا دریافت کی تو صاحب بہادر اس کے درجواب
گھونسا اور لکڑی سے یہاں تک پیش آئے کہ اگر ٹرین روک کر کانسٹبل
اور لوگ بیچ بچاؤ نہ کرتے تو ہم کو اس کی جان بچنے میں کلام تھا۔
جزاک اللہ واہ کیا تہذیب ہے کیا علم کیا ادب کیا حکمت میشنگی کا
برتاؤ ہے شائستگی کا خوب نام روشن ہوا ..... اسی باعث سے
ہم جانتے ہیں کہ جو ہندوستانی فرسٹ کلاس میں بیٹھنے کی جانب توجہ نہیں
فرماتے اس کی وجہ صرف ایسے ہی ایسے خیالات ہیں ورنہ کیا ہندوستانی
ذی ہمت نہیں ہیں بلکہ ہم اپنے خیال بموجب کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس طرح
کی آبرو ریزی اور عیوب کا خوف نہ ہو تو بہ نسبت صاحبان یورپین
کے ہندوستانی اکثر فرسٹ کلاس ہی میں نشست کیا کریں"۔

ہر شعبہ میں تقریباً انگریز ملازم تھا ریلوے میں بھی ان کی اچھی خاصی
تعداد تھی۔ یہ جہاں ہوتے تھے شان کے ساتھ رہتے تھے ان کی کوئی غلطی
غلطی نہیں مانی جاتی تھی۔ ان کا بڑا سا بڑا جرم کوئی حیثیت نہیں رکھتا معمولی
سی سرزنش کر دی جاتی تھی چنانچہ ایک انجن ڈرائیور نے وہ طوفان بدتمیزی
برپا کی کہ سینکڑوں کی جانیں خطرہ میں ڈالدیں۔ اس خطرناک جرم کی ان
کو کیا سزا ملی وہ یکم ستمبر ۱۸۷۲ء کے مرقعہ تہذیب لکھنؤ کے پرچے میں
درج ہے۔

"اخبار دہلی گزٹ انگریزی میں ایک سخت اندوہناک خبر ہماری نظر سے

گذری اس کا مضمون یہ تھا کہ فی الحال صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور کے
اجلاس سے ایک انجن ڈرائیور از قوم انگریزی کو محض اس جرم میں
دو جیسے کی قید کی سزا دیگئی کہ وہ شراب کے نشہ میں اپنے انجن کو بیاس
کے سٹیشن سے کرتارپور کے اسٹیشن تک برابر ساڑھے چار گھنٹے مثل
کھلونے گاڑی کے آگے پیچھے دوڑاتا رہا اور طرفہ یہ کہ انجن مذکور کے
ساتھ مسافر گاڑی بندھی ہوئی تھی ہرچند اس مسافر گاڑی کا گارڈ (معمولی
اصطلاح سے ریل انجن ڈرائیور مذکور کو اس مہیب کھیل سے باز آنے کے
لیئے ہدایتیں کرتا تھا مگر وہ کچھ ایسا مدہوش نہ تھا کہ وہ دور کے
اشارات اس کو اس ہلاکت کی سے باز رکھ سکتے آخرکار یہ نوبت
پہنچی کہ ایک مرتبہ حضرت اپنے انجن کو کرتارپور کے اسٹیشن پر اس لائن
میں بڑھا لائے کہ جہاں ایک دوسرا انجن مال گاڑی لیئے ہوئے کھڑا
تھا مگر سبب سے کہ چند مسافروں کی اس وقت قضا نہ آئی تھی مال گاڑی
کے انجن ڈرائیور کا سرخ لالٹین جو ہلاکت کی علامت ہوتی ہے حضرت
کو دکھایا اور پھر بیاس کی طرف اپنے انجن کو لوٹا لیجانے کا سبب ہوا
غرض وہاں بہزار دشواری اس کا انجن روکا گیا اور اس کو انجن پر
سے اتارنے سے بیچارے مسافروں کو اس مخمصہ سے نجات دلائی گئی
نفس قوانین میں ہر فرقہ اور ہر صنف رعیت کا بحالت صدور جرائم سزا میں
مساوی رکھا جانا ہم کو اس طرف دلالت کرتا ہے گورنمنٹ بیجا قومی طرفداری
کی لوث سے بالکل پاک ہے۔ مگر ان قوانین کے عاملوں کے برتاؤ برٹش
گورنمنٹ کی جانب سے ہماری حسن عقیدت کو بدظنی سے بدل دینے کا
موجب ہوتے ہیں ہم اس تجربے کے مطابق جو ہم نے مدتوں میں انگریزی

اور اردو اخبارات کے مطالعہ کرنے سے حاصل کیا ہے یہ کہتے ہوئے خود کو خلاف گوئی کا ملزم نہیں سمجھتے کہ حکام انگریزی متعینہ ہند سے جہاں تک ممکن ہوتا ہے وہ اپنی ہم قوم مجرموں کو ہزاروں جا و بیجا قانونی حیلے نکال کر صاف بری کر دیتے ہیں علی الخصوص اس وقت کہ جب فریق مخالف بیچارہ ہندوستانی ہو۔ اور بدیہی ثبوتوں سے کہیں ایسے مجبور ہو گئے تو کسی قدر جرمانہ وغیرہ پر کفایت کرتے ہیں مگر انگریزی مدعی کے مقابلہ میں تو غریب ہندوستانی کے حق میں چنگیز خاں ہی ہو جاتے ہیں۔ ذرا سا بہانہ ہاتھ آجانے کی دیر ہے اس کی اچھی بیخکنی کرنے کے لئے ایسی تاویلیں گھڑتے ہیں کہ جس سے کوئی منتخب لنبی چوری کرنے والی دفعہ اس غریب کو ایک بڑے جنگی اژدھے کی طرح نگل جانے کو کافی ہیں اگر یہ جرم جو اس انگریز انجن ڈرائیور سے صادر ہوا کسی غریب ہندوستانی سے واقع ہوا ہوتا تو نیپٹ صاحب کم سے کم ضرور تعزیرات ہند کی دفعہ ۳۰۴ کو اپنی تاویلوں سے وسعت دینے کی کوشش کرتے جن سے مجرم سزائے حبس دوام کا مستوجب ہو جاتا ہے اور سشن میں سپرد کرنے کو بلا تامل حکم صادر فرماتے اور ظن غالب تھا کہ صاحب سشن جج یا کمشنر اگر عدالت کو بہت کام فرماتے تو دفعہ ۳۰۴ کے ترمیم دفعہ ۱۲۔ ایکٹ ۷ ۱۸۷۰ء کی سزا بالضرور اس کو دنیا پسند کرتے۔"

اس قسم کے واقعات اتنی تعداد میں ہیں اگر ایک کتاب مرتب کی جائے تو بہت آسانی سے مرتب ہو سکتی ہے۔ میں نے اس مضمون میں بہت اختصار سے کام لیا ہے

اینگلو انڈین اخبارات کی ہندوستانیوں اور ان کے اخبارات سے مخالفت

ہندوستان میں انگریزوں کے اقتدار میں آنے کے بعد انگریزی اخبارات پر زیادہ تر انگریزوں کا قبضہ و تسلط رہا۔ یہ طبقہ ہندوستانیوں کے خون کا پیاسا تھا۔ ان کے خلاف موقعہ بے موقعہ لکھتا رہتا تھا۔ اور ہندوستانیوں کے خلاف حکومت کو بھڑکاتا رہتا تھا۔ ہندوستانیوں کو انگریزوں کا باغی اور دشمن لکھتا۔ حکمران طبقہ جب کبھی ہندوستانیوں کو اختیارات و مراعات یا سہولتیں دینے کے لئے سوچتا تھا یا ان کی بھلائی کے لئے کوئی قانون بنانا چاہتا تو یہ اس کی سخت ترین مخالفت کرتا تھا۔ ہندوستانیوں کی کوئی بات کبھی اس کو اچھی نہیں لگتی تھی اور خاص طور پر ہندوستانی اخبارات کو مطعون کرتا۔ ان پر رکیک حملے کرتا اور ان کے خلاف حکومت کو برگشتہ کرتا تھا۔ ان کی تحریر پر پابندی لگانے اور سخت قانون نافذ کرانے کے لئے کوشش کرتا تھا۔ جس میں ان کو کامیابی حاصل ہو جاتی تھی اور حکومت کی طرف سے ہندوستانی اخبارات سے ضمانتیں لینے اور مقدمات دائر کرنے کا سلسلہ شروع ہو جاتا اور ان کے ایڈیٹروں اور مالکان کو جیلوں میں زندگی بتانی پڑتی تھی۔ اس قسم کے مختصر سے واقعات اس مضمون میں درج کئے گئے ہیں۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کو گزرے ہوئے تقریباً بیس سال گزر چکے تھے لیکن انگریزوں کے دل و دماغ میں ہر وقت یہ خیال لگا رہتا تھا کہ کہیں

پھر ہندوستانی انگریزی حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کردیں۔ چنانچہ انگریزی اخبارات حکومت ہند کو ہندوستان میں ہوشیار رہنے اور فوج بڑھانے کی تلقین کرتے رہتے تھے ۲۶ر جنوری ۱۸۷۵ء کے اودھ اخبار میں دو انگریزی اخبارات کی رائے نقل کی ہے۔

"اخبار پالمان گزٹ میں لکھا ہے کہ عجب نہیں کہ جو مرہٹے رئیس پھر جمع ہو کر سرکار سے منحرف ہو جائیں اور یہ غیر ممکن نہیں ہے آجکل سرکار کی حکمت عملی ہے وہ کچھ عمدہ نہیں ہے اخبار ٹائمس تحریر کرتا ہے کہ بہ نسبت زمانہ قبل از غدر کے اب سرکاری طاقت کم ہے اگر یکایک کوئی ضرورت پیش آجائے تو ۳۰ ہزار فوج بھی دفعتہً سرکار جمع نہیں کر سکتی۔ ہم گورنر جنرل کو جتائے دیتے ہیں کہ جب ۱۸۵۷ء کا غدر ہونے والا تھا تو چند ابتری کے حالات پائے جاتے تھے لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی نے اس کا کچھ خیال نہیں کیا۔ اپنی طاقت کے بھروسے پر خاموش رہی۔ اس بھروسے اور گھمنڈ کا جو نتیجہ ہوا اس کو سب جانتے ہیں۔ اب ہم کو اُمید ہے کہ ۱۸۵۷ء کے غدر سے جو سبق حاصل ہوا اس کو گورنمنٹ انڈیا نہ بھولے گی کیونکہ اب بھی ہندوستان جابجا سے محل تردّد بنا ہوا ہے۔ مہاراجہ سندھیا نے جو نانا کو گرفتار کیا تھا اس کا چرچہ عام پھیل گیا ہے اور لوگ طرح طرح کی گفتگو کرتے ہیں۔ بعدہ گنیکوار بڑودھ نے کرنیل فیر صاحب کو زہر دینے کا ارادہ کیا۔ پس ان باتوں سے دریافت ہوسکتا ہے کہ ہندوستان کے پولیٹیکل معاملات میں انگلستان کے لوگوں کا خیال رجوع نہیں تھا جیسا کہ دو تین مہینے سے ہے خصوصاً

مرہٹوں کی طرف سے بہت کچھ خیال ہے اس لئے گورنمنٹ کا خیال اس طرف رجوع کیا گیا ہے کہ مرہٹوں کی کارروائی پر بخوبی نگرانی کی جائے کیونکہ آجکل مرہٹے کچھ پولیٹیکل کارروائی کر رہے ہیں جو کہ دریائے نربدا کے کنارے پر رہتے ہیں وہ اپنی طاقت کو بڑھائے جاتے ہیں لیکن معلوم نہیں کہ یہ لوگ اپنی طاقت کہاں صرف کریں گے سوا اس کے ان دنوں مہاراجہ سندھیا اور ہولکر میں باہم خوب شوقیہ ملاقات ہوئی اور بڑی دیر تک ملاقات رہی۔ تین پشت سے سندھیا اور ہولکر میں ملاقات نہیں ہوئی تھی اور دونوں رئیسوں کی باہم دوستی و اتحاد سے کچھ شک نہ کرنا چاہیئے لیکن فوجی انتظام سے بھی غافل نہ رہنا چاہیئے۔"

اخبار دہلی نیوز نے بھی اسی خطرہ کا اظہار کیا ہے کہ ہندوستان کے رؤسا اور عوام اعتبار کے قابل نہیں ہیں اگر ہندوستان پر کسی دشمن نے حملہ کر دیا تو یہ اسی حملہ آور کا ساتھ دیں گے۔ اخبار دہلی نیوز کی یہ عبارت یکم مئی ۱۸۷۶ء کے نصرت الاخبار دہلی میں چھپی ہے جس پر اس نے حسب ذیل تبصرہ بھی کیا ہے۔

"اخبار دہلی نیوز کے ایک اسپیشل کارسپانڈنٹ نے ایک چٹھی لکھی ہے اس چٹھی کی تحریر اچھی نہیں ہے اگر کوئی شاہ باہر سے چڑھ کر آوے یا ہندوستان میں غدر ہو جائے تو ہندوستان کی ریاستوں میں باغی امن پا سکتے ہیں۔ پس سرکار کو مناسب ہے کہ گورنمنٹ تمام ہندوستان کو اپنی حکومت میں کر لے"۔ خیال کرنا چاہیئے کہ ایسی تحریریں بلا وجہ ہیں ہندوستانیوں کو کیسی بری معلوم ہوتی ہوں گی۔ جب غدر ہو گیا

تو ہندوستانی ریاستوں میں یورپین جاکر پناہ گزیں ہوئے تھے اور لوگ ان سے اچھی طرح پیش آئے تھے سرکار کو روساء ہندوستان کی فرمانبرداری میں شک نہیں ہے جو انتظام سرکاری ہے وہ بہت اچھا ہے اور رئیس بھی جانتے ہیں کہ بہ نسبت سابق کے اب ہمارے حقوق اور درجوں کا گورنمنٹ انگریزی زیادہ تر خیال کرتی ہے اور سرکار بھی ہر صورت رئیسوں کی مدد کرتی ہے اور اس کو ہرگز منظور نہیں ہے کہ ان ریاستوں کے معاملات میں مداخلت کرے"۔

جس وقت ہندوستان کی سوشل، مذہبی جماعتوں اور کانگریس نے مطالبہ کیا کہ ہندوستانیوں کو اونچی ملازمتوں میں جگہ ملنی چاہیئے تو اس سے متاثر ہو کر حکومت نے تحقیقات کے لیے کمیشن مقرر کیا جس کے خلاف اینگلو انڈین اخباروں اور انکی انجمنوں نے لکھنا اور اور درخواستیں بھیجنا شروع کر دی تھیں جس پر ۱۰ اپریل ۱۸۷۷ء کے اخبار دھرم جیون لاہور کے شمارے میں اس طبقہ کی تنگ نظری کو بے نقاب کیا۔

"پبلک سروس کمیشن نے جو کچھ تحقیقات کی ہے اس کی رپورٹ اب تک اس نے لکھنی بھی شروع نہیں کی کہ اس کی شہادتوں کو دیکھ کر ہمارے اینگلو انڈین لوگوں کو فکر پڑ گئی البرٹ کے وقت جن چائے کے کارخانے والے انگریزوں نے خاص کر بہت شور مچایا تھا۔ انہیں کے مجمع کے سکریٹری مسٹر ہڈسن نے جو کمیشن میں شامل کیے گئے تھے اب ناجائز شور برپا کرنا شروع کیا ہے ان کی چٹھی کے چھپنے اور پانیر اخبار کے آرٹیکل کے نکلنے سے جھوٹ کلکتہ کی چیمبرس آف کامرس

کے تجارت پیشہ اینگلو انڈین نے گورنمنٹ کی خدمت میں ایک بیہودہ عرضداشت روانہ کی ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ اگر کمیشن مذکور کی سفارش کے موافق ججی، مجسٹریٹی، ڈپٹی کمشنری یا کلکٹری کے عہدہ دلیسیوں کو دے گئے تو سول سروس میں ایک طوفان آجائے گا اور اصل حکومت کی باگ ان ہی کے ہاتھ میں آجائے گی پھر ہمارا ٹھکانا کہاں لگے گا۔ ہم لوگ اس سے بالکل اُجڑ جائیں گے اور اس سے گورنمنٹ انگریزی کی سلطنت کی بنیاد بھی کمزور ہو جائے گی۔ اس بیان کے ساتھ یہ دھمکی دی گئی کہ اگر ایسا ہوا تو پھر انگریزی کمپنیوں کا جو روپیہ اس ملک میں لگا ہوا ہے اور جس سے اس ملک کی تجارت کو اس قدر فروغ حاصل ہے وہ سب روپیہ ہم لوگ اس ملک کے کام میں نہیں لگا سکیں گے۔ کیونکہ اس میں خطرہ ہے اور ایسے ملک میں جائیں گے جہاں اس قسم کا خطرہ نہ ہو۔ خوب! اول تو مثل ریلوے وغیرہ کے کاموں میں جو سرمایہ لگ چکا ہے وہ ایسا نہیں ہے کہ پھر واپس جا سکے۔ دوئم اگر دیسیوں کی زندگی کی کنجی تمہارے ہی کارخانوں کے ہاتھ میں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جس قدر جلد تم اس تجارت سے ہاتھ دھوؤ اسی قدر ہمارے لئے بہتر ہے ایسی صورت میں کچھ دن کی تکلیف ضرور ہوگی مگر آخرکار ہماری ضرورتیں ہمیں اپنی قومی سستی اور بے پرواہی کی طرف سے باز آنے کے لئے مجبور کر دیں گے۔ اور ہم خود ہوش میں آکر اپنی ضروری چیزوں کی آپ فکر کریں گے۔ ہم ایسی بیہودہ دھمکی کو ہرگز برداشت کرنا نہیں چاہیے بلکہ اگر ہمارا بس ہو تو فوراً ہم یہ حکم جاری کر دیں کہ اچھا اگر تم لوگ اپنے غریب ہم جنسوں کے حقوق کے دشمن ہو اور

ان کے حقوق کو دبا دینے کی غرض سے اس قسم کی دھمکی دیتے ہو تو بس اب تم جہاں کل اپنا سرمایہ ملک سے اٹھا لے جانا چاہتے ہو وہاں آج لے جاؤ"۔

انیگلو انڈین اخبارات ہندوستانیوں کے اس قدر دشمن تھے کہ ہندوستانیوں کے قاتل یا ان کو مجروح و ذلیل کرتے والے انگریزوں کی اپنے اخبارات میں حمایت کرتے تھے اور انیگلو انڈین سوسائیٹیاں ان کے مقدمات کی پیروی کرنے کے لئے چندہ جمع کرتی تھیں تاکہ وہ بری ہو جائیں اور ان پر کسی قسم کی بھی ذرہ برابر آنچ نہ آنی پائے۔ لاہور کے ایک قوم پرست رسالہ آزاد نے ریلوں میں فرسٹ کلاس درجہ کے ہندوستانی مسافروں کی انگریزوں کے ہاتھ جو درگت بنتی تھی اور عدالتیں کس قدر ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں کے مقابلے میں انتقامی سلوک کرتی تھیں انکا ذکر کرنے کے بعد انگریزی اخبارات اور انیگلو انڈین سوسائیٹیوں کی ہندوستانی دشمن ذہنیت کا خاکہ مارچ ۱۹۰۷ء کے پرچے میں کھینچا ہے

• انگریز مہذب ہیں اور کبھی کبھی ہم پر مہربانی بھی کرتے تھے مگر ان کو اپنی تہذیب اور طاقت کا اتنا نشہ ہے کہ واقعی وہ اہل ہند کو مزدوروں سے بہتر نہیں سمجھتے یہ رعونت اس حد تک شدید بڑھ گئی ہے کہ وہ ریل گاڑی میں بھی ہندوستانی مسافروں کے ساتھ سفر کرنا گوارا نہیں کرتے اگر کوئی انگریز ریل کے کمرے میں پہلے سے موجود ہوتا ہے تو وہ اسمیں ہندوستانی مسافروں کو داخل ہونے نہیں دیتا۔ خود اس کمرے کو چھوڑ کر دوسری جگہ اکیلا جا بیٹھتا ہے اسوجہ سے کئی معزز ہندوستانی اول یا دوم درجہ میں سفر کرنے سے پرہیز کرتے ہیں انگریزی افسر اپنے آلا

کے مقابلہ میں رعایا کے آرام کی بہت کم پرواہ کرتے ہیں اور جو سلوک چاہتے ہیں ان سے کرتے ہیں۔ تجربہ سے رعایا کو اس بات کا یقین ہو گیا ہے کہ فوجداری مقامات میں انگریز کے مقابلہ میں ہندستانی کو انصاف ملنا مشکل ہے کیونکہ جن مقامات میں ہماری عدالتیں ہندوستانی ملزموں کو ہر روز جیل خانے میں بھیجتی ہیں یا پھانسی دیتی ہیں ان میں اگر ملزم انگریز ہوتا ہے تو وہ یا تو بری ہو جاتا ہے یا چند روپیہ جرمانہ کی یا خفیف قید کی اس کو سزا ہوتی ہے گورنمنٹ بھی جانتی ہے انگریزی جیوری انگریز ملزموں سے رعایت کرتی ہے اور جب کبھی کسی وجہ سے گورنمنٹ انگریز ملزم کو سزا دلانا چاہتی ہے تو تمام اینگلو انڈین اخبار گورنمنٹ کو کوسنے لگتا ہے اور اس پر ہندوستانیوں کی رعایت کا الزام لگاتے ہیں اور اینگلو انڈین سوسائٹی ملزم کی حفاظت کے لئے چندہ فراہم کرتی ہے بمقابلہ اس کے اگر مستغیث انگریز اور ملزم ہندوستانی ہو تو ملزم کو سزا سخت دی جاتی ہے تاکہ آئندہ کے لئے نظیر قائم ہو۔"

مہاراجہ سندھیا سے ایک شخص جمنا داس نے جاکر کہا کہ میں نانا راؤ ہوں حکومت نے اس کو گرفتار کر لیا اور گورنمنٹ آف انڈیا نے اس کی اعلیٰ پیمانے پر تحقیقات کرائی جس سے ثابت ہوا کہ یہ شخص نانا راؤ نہیں ہے بلکہ ایک مسلمان ہے جس کا نام جمنا خاں ہے۔ اس تحقیقات کے بعد انگریزی اخبار اس کو نانا راؤ کا خاص آدمی لکھتے رہے اور مطالبہ کرتے رہے کہ اس کو ضرور سزا ملنی چاہیئے چنانچہ اسی قسم کی رائے اخبار انڈین پبلک اوپی نین" نے دی ہے۔ جو ۲ جنوری ۱۸۸۸ء کے اودھ اخبار

میں درج ہوئی۔

"کانپور میں جو قیدی کی تحقیقات ہوئی وہ بخوبی طور سے نہیں ہوئی۔ جس قدر شہادت لی گئی اس میں ابتداء سے یہی خیال رہا کہ قیدی ناناراؤ نہیں ہے اگر یہ شہادت کسی جائداد پر قبضہ ثابت کرنے کے لئے ہوتی تو محض فضول سمجھی جاتی جو شہادت دوبارہ شناخت قیدی کے گذری اس سے ثابت ہے کہ گورنمنٹ کا ارادہ تھا کہ کچھ ہی ہو کسی طرح یہ ثابت ہو جائے کہ قیدی ناناراؤ نہیں ہے اس مقدمہ کی تحقیقات سے عمدہ نتائج حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ ناناراؤ ابتک زندہ ہے مگر وہ پوشیدہ رہتے رہتے تنگ آگیا ہے اور دریافت کرنا چاہتا ہے کہ اگر میں ظاہر ہوا تو میرے واسطے سرکار سے کیا سزا ہوگی۔ پس گو یہ قیدی ناناراؤ نہیں ہے لیکن اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ ناناراؤ کہاں ہے سرکار کو ہرگز رہا نہ کرنا چاہیئے۔ اگر ناناراؤ کا پتہ نہ بتائے تو اس کو بخوبی سزا دینی چاہیئے"۔

اینگلو انڈین اخبار ہندوستانی اخبارات کو کسی طرح برداشت نہیں کرتے تھے۔ ان کو ذراسی تحریری سہولت مل جاتی تو اس کی مخالفت کرتے تھے جس کی بنا پر ہندوستانی اخبارات ان کی بے بنیاد اور گمراہ کن باتوں کا جواب دیتے تھے اور ان کو خاطر میں نہیں لاتے تھے دل کھول کر سناتے تھے۔ چنانچہ ۱۸ اپریل ۱۸۷۵ء کے اودھ اخبار میں "انگریزی اخبار ہماری آزادی پر غلط کھاتے ہیں" کے عنوان کے تحت ایک طویل مقالہ چھپا ہے

"جہاں تک ہندوستانیوں کے خیالات کو توسیع و توقیر اور آزادی حاصل ہوتی جاتی ہے انگریزی اخباروں کی آنکھوں میں وہ مثل خار

کھٹکتے ہیں اس واسطے وہ زیادہ تمہاری حالت پر رشک کھاتے ہیں اور جہاں تک ہوتا ہے اس بات میں غل مچاتے ہیں کہ کسی طرح ان کی آزادی میں فرق آجائے یا گورنمنٹ کی طرف سے ان کو ممانعت ہو جائے کہ وہ اپنے خیالات صحیح آزادی کے ساتھ ظاہر نہ کیا کریں بلکہ جو کچھ اذیتیں ان کو واجب اور ناواجب طریقے سے پہنچیں ان کی نسبت کبھی کچھ لب شکایت نہ کھولا کریں اور جو کچھ صلواتیں انگریزی اخبار سنایا کریں ان کو بلا تامل سنا کریں وہ خیال کرتے ہیں کہ ہندوستانیوں کی آزادی خیالات کے باعث ایک نہ ایک روز غدر ہو جائے گا اس ہفتہ کے انڈین پبلک اوپینین میں بھی ایسا ہی ایک بیہودہ اور لچر آرٹیکل لکھا ہے .... (انگریزی اخبارات نے) گلہ وزاری اور نفسانیت اور طرفداری بیجا کو بھی آزادی خیال کیا۔ انتہا ہے اگر اپنی قوم کے آدمی سے خون بھی ہوگیا تو اس کا الزام متوفی ہی کی گردن پر رکھا مثلاً پنجاب میں فی الحال ایک صاحب نے غیظ و غضب میں آکر ایک ہندوستانی کو اتنا مارا کہ وہ مر گیا جب خونی صاحب گرفتار ہوئے تو انگریزی اخباروں نے ان کو صاف بچایا اور یہ کہا کہ اس شخص کو طحال کا عارضہ تھا۔ اس واسطے ایک گھونسے میں دم نکل گیا صاحب کا کچھ قصور نہیں.... انگریزی اخبار ہندوستان کے آستین کے سانپ ہیں جب [illegible] ہیں کاٹ کھاتے ہیں اور چونکہ حکام ان کے ہم قوم ہیں اس واسطے گو بوجہ ان کی دانشمندی کے ان پر اس کا اثر نہ ہوتا ہم تاہم [illegible] کے سرایت بعض بعض موقعوں پر ہندوستانیوں کی جان پر ہوتا ہے۔

انگریزی اخبارات اپنے آپ کو نہایت سیانا اور بہت ہی دانا مانتے ہیں اور ہندوستانی اخباروں کو نادان لڑکا سمجھتے ہیں اور ان کو گورنمنٹ سے تھپیوں کی سزا دلوانے کی تحریک کرتے ہیں مگر ہم نے اپنی تحریر میں خوبی اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ وہ نادان ہیں وہی شوخ لڑکے ہیں کہ باوجود نادانی لیعنی ناواقفیت کے ورق نادیدہ پڑھتے ہیں اس واسطے جس امر کا سزاوار وہ ہم کو بتلاتے ہیں اس کا موجب انہیں کو سمجھنا لازم ہے۔"

ہندوستانی اخبارات کو دبانے اور تحریر کی آزادی کو ختم کرنے کے لئے انگریزی اخبارات کے زور دینے پر حکومت ہند نے ایک قانون بنایا تھا جس کے بعد بابو سرندر ناتھ ایک بنگالی اخبار کے ایڈیٹر کو سزا ہوئی تھی اس قانون کی مذمت کرنے کے لئے اودھ پنچ لکھنؤ نے ۱۸۸۳ء کے شمارے میں ایک نوٹ لکھا ہے جس کا عنوان ہے "دمڑی کی ہانڈی گئی مگر کتے کی ذات پہچانی گئی"۔

"بابو سرندر ناتھ بنرجی ایڈیٹر بنگالی نے سخت سزا پائی ہے اس معاملہ میں یہ ضرور معلوم ہو گیا کہ انگریزی اخبار ایسے کمینے اور ذلیل خیالات کے ہندوستان میں ہیں جو اپنی خود غرضی اور ہٹ کے نشے میں بدمست ہو کر موثر طور سے ایسی خرابیاں اور ہنگامے پیدا کرنے کے حق میں سم قاتل سے زیادہ مضر ہیں اگر خدانخواستہ آئندہ ہماری سرکار کو کسی زمانہ نے انگریزوں اور ہندوستانیوں کے نفاق کے باعث کچھ فکر لاحق ہو گی تو انھیں دشمنان ملک و قوم و سلطنت کی شیطنت اور زہر آلود کارروائی سے .....
لارڈ ڈلہوزی نے جھوٹی افواہوں اور غلط بیانات کے دھوکے سے ڈر کر

دیسی اخبارات کا گلا گھونٹنے کا قانون نافذ کیا تھا۔ کیا آجکل انگریزی اخبارات کی زہریلی تحریر پر نظر کرتے مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ ان دریدہ دہن ..... فساد پسند فتنہ بپا کرنے والے غمازوں کی زبان میں لگام دی جائے۔"

لاہور میں ایک انگریز کے ہاتھوں نعمت علی کا قتل ہو گیا اخبار پنجابی لاہور نے یہ خبر اپنے اخبار میں شائع کی اور انگریز جو روز بروز ہندوستانیوں پر ظلم و زیادتی کرتے تھے اس پر بھی تبصرہ کیا جس کی وجہ سے اخبار پنجابی کے مالک لالہ جسونت رائے اور ایڈیٹر مسٹر اٹھاولے کے خلاف زیر دفعہ ۱۵۳ الف تعزیرات ہند مقدمہ دائر ہوا۔ دوران مقدمہ سرکار کی طرف سے اخبار کے اڈیٹر اور مالک پر زور ڈالا گیا کہ وہ اپنے قصور کی معافی مانگ لیں۔ مگر انھوں نے معافی مانگنے سے انکار کر دیا۔ مقدمہ کا فیصلہ ہوا تو ان کو دو دو سال کی سزا ہوئی۔

ہندوستانی اخبارات نے اس فیصلے کے خلاف اپنے اخباروں میں کافی تبصرے کیے اور رسالہ آزاد لاہور نے تو اسپیشل پنجابی نمبر نکالا جو مارچ سنہ ۱۹۰۷ء کا رسالہ تھا۔ یہ نمبر ۸۰ صفحات پر مشتمل تھا اور اس میں زیادہ تر مضامین پنجابی اخبار سے متعلق تھے مضمون نگاروں میں لالہ لاجپت رائے، لالہ کشن سہائے آزاد، پنڈت ماجورام بی اے وکیل، منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور تھے۔

اینگلو انڈین اخبارات نے پنجابی اخبار کے مالک و ایڈیٹر کی سزا یابی پر بس نہیں کیا بلکہ سول اینڈ ملٹری گزٹ نے مطالبہ کیا کہ ہندوستانی اخبارات کے لئے ایک پریس ایکٹ نافذ کیا جائے۔ جس کا جواب لالہ کشن سہائے آزاد نے اپنے مضمون بعنوان "اہل قلم کی طرف سے مبارکباد" میں دیا۔ وہ لکھتے ہیں۔

"اخبار پنجابی کی سزا یابی پر بغلیں بجاتے ہوئے سول اینڈ ملٹری گزٹ

سرکار کو مشورہ دیتا ہے کہ اس قسم کے اشتعال انگیز مضامین کی روک تھام کے لئے لارڈ لٹن کا پریس ایکٹ پھر جاری کر دیا جائے۔ اس ایکٹ کی رو سے اس قسم کے مضامین کی تردید جنھیں گورنمنٹ قابلِ اعتراض خیال کرے اس اخبار میں کی جاتی ہے جس میں وہ مضمون شائع ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ گوراہم عصر انگریزیت کی دھن یا دام کے نشہ میں بھول گیا ہے کہ وہ خود بھی رعایا اور گورنمنٹ کے باہمی رابطہ اتحاد میں رخنہ ڈالنے والے مضامین کی اشاعت کے جرم کا مرتکب ہو چکا ہے اور اگر ایسا کوئی قانون ہوتا جو وہ تجویز کرتا ہے تو اسے بھی اپنے کالموں میں اسکی تردید شائع کرنے کی ذلت گوارا کرنی پڑتی متعصب لوگوں کو دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی شہتیر معلوم ہوتا ہے مگر نہیں نہیں ہم غلط کہہ گئے گوری قوم کے لئے اپنے الفاظ کو واپس لے لینا کوئی بری بات نہیں وہ تردید کو ہرگز ذلت نہیں سمجھتے۔ ان کے قول کا کچھ بھروسہ نہیں اور ان کے تمام دعوے باطل ہیں کیونکہ وہ انکی تردید کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔ ہندستانی نہیں جو اپنے قول کی تائید میں جان کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ گوراہم عصر اپنی ہی عادت کے مطابق تردید کو آسان سمجھ کر ہندستانیوں کے خیالات کو روکنے کے لئے قانون تردید کا مشورہ دیتا ہے مگر اسے یہ معلوم نہیں کہ ہندوستانی اب اس قسم کے قانون کے پابند نہیں ہوسکتے۔ قانون ہمارے لئے ہے نہ کہ ہم قانون کے لئے اس لئے کسی ایسے قانون کی پابندی نہیں کی جاسکتی جو اصولِ راستی کے خلاف ہو۔

گوراہم عصر جب قومی کے جوش میں اپنی قوم کو اس کی بہتری کا مشورہ دیتا ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ جو تجویز وہ پیش کر رہا ہے وہ اس کی

قوم کو جاہل قوم کہوائے گی۔ دنیا کی کسی مہذب قوم میں اس قسم کے نفرت انگیز قانون موجود نہیں اور قومیں تہذیب کی راہ میں ترقی کر رہی ہیں اور اپنی رعایا کے لیے اس قسم کی آسانیاں پیدا کرتی ہیں جیسے وہ انسانی آزادی کے لیے ضروری خیال کرتی ہیں کیونکہ ہر ایک شخص قدرتاً آزاد پیدا کیا گیا ہے انگریزوں پر ابھی تک یہ دھبہ ہے کہ وہ مہذب قوم کہلاتے ہوئے ہندوستانی کو اس قدر عرصہ میں تعلیم یافتہ نہ بنا سکے۔ اب جب قومی میں سرشار دنیا و فیہا سے بے خبر گورا ہمعصر اپنی قوم کے ماتھے پر ایک اور کلنک کا ٹیکا لگانا چاہتا ہے جسے وہ اپنے خیال میں اپنی قوم کی بہبودی کا ذریعہ سمجھتا ہے مگر اس میں اس کا کچھ قصور نہیں۔

کنوئیں کا مینڈک اپنے کنوئیں ہی کو دنیا سمجھتا ہے گورنمنٹ لاکھ کوشش کرے کہ ہندوستانی دباؤ سے سچائی کے اظہار سے باز رہیں اور گورے ہمعصر اسی کے لیے تجاویز سوچے نئی زمین و آسمان کے قلابے ملائیں مگر ہندوستانیوں کا قول جان رکھتا ہے اور وہ اس سے نہیں رک سکتے۔

پنجابی رفعت علی کی ہلاکت کی خبر کو جھوٹا بتلایا جاتا ہے اور ہم خاطراً اسے مان بھی لیتے ہیں مگر یہ تعجب کی بات ہے کہ ایک عرصہ سے ہندوستانیوں پر ظلم ہو رہا ہے اور سینکڑوں غریب ہندوستانی گوروں نے ٹھوکروں سے اڑا دیے لیکن ایک خبر بھی کبھی سچ نہیں سمجھی گئی کسی کی تلی بڑھ جاتی ہے کوئی نمونیا کا مریض ہوتا ہے ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ مظلوم کو گوروں کی ٹھوکر کا مرض بتلایا جائے۔ آخر اس ظلم کی انتہا بھی ہے گورنمنٹ کو یہ بتلا دینا چاہیے کہ اتنے ہندوستانی جب تک گورے ان کی ٹھوکر سے نہ مریں اس وقت تک کوئی خبر سچ نہیں ہوگی یا موٹے الفاظ میں

یہ کہدینا چاہیئے کہ گوروں کو اتنے ہندستانیوں کا خون معاف ہے
اگر گورنمنٹ ایسا کرے تو شاید ہندوستانی اس ظلم کو گوارا کریں
کیونکہ وہ ایک زمانے سے ایسے ظلم کی برداشت کے عادی ہورہے ہیں مگر
سچائی کا حامی کہلاتے ہوئے اور انصاف کا دم بھرتے ہوئے گورنمنٹ
کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ ہندوستانیوں کو اس فریاد سے باز رکھے
جو وہ اپنے مظلوم بھائیوں کے لئے کرتے ہیں اور اس ظلم کو پبلک
میں لانے سے روکے جو ہندوستانیوں پر ہورہے ہیں گورنمنٹ کا یہ خیال
ہے کہ پنجابی کی سزایابی سے ہندوستانیوں کے حوصلے پست ہوجائینگے
اور وہ اس خوف سے گورنمنٹ کی ہر ایک جابرانہ طرز عمل کو نوشتہ
تقدیر سمجھکر خاموش ہورہیں گے بالکل غلط ہے اگر گورنمنٹ تجربہ سے
کام لیتی تو اسے معلوم ہوجاتا کہ پنجابی کی سزایابی وہی نتائج پیدا کریگی
جو مسٹر تلک اور مسٹر سریندرناتھ کے قید ہونے سے ہوئے۔ اور
وہ نتائج ملک میں جوش کا بڑھ جانا تھا اس سے یہ لازمی ہے کہ
مسٹر تلک اور مسٹر سریندرناتھ بنرجی کے قید ہونے کی نسبت مسٹر اودھاد
اور لالہ جسونت رائے کی قید ہندوستانیوں کے مظلوم دلوں میں حب
قومی کی جلائی ہوئی چنگاری کو زیادہ تندہی سے بھڑکادے جو اس
محبت کو جلاکر خاک کردے گی جو ہندوستانی ایسی فرمانبردار
اطاعت گذار قوم کے دل میں گورنمنٹ کی ہوسکتی ہے اور اس طرح
گورنمنٹ کا یہ مقصد فوت ہوجاتا ہے کہ پنجابی کی سزایابی اس محبت
کو پھر قائم کردے گی جسے پنجابی کو رخصت غسلی مظلوم کے قصے سے
صدمہ پہنچا ہے"۔ ص

شہید قوم ہو جانا ہی عمرِ جاودانی ہے
جو وقفِ ملک ہو بس وہ مبارک زندگی ہے

ہندوستانی اخبارات نے اس مہلک خطرناک قانون کے خلاف آواز اٹھائی تو ۲۱ جون ۱۹۰۷ء کے پارلیمنٹ کے اجلاس میں ولیسرائے نے ۱۴۴ الف میں ترمیم پر بولتے ہوئے جب یہ وضاحت کی۔

"میں ذاتی طور پر کبھی ایسے قانون کا جس سے دیسی پریس کی آزادی میں فرق آئے سخت مخالف ہوں۔ موجود قانون میں بھی یہ ترمیمیں گورمنٹ کی حفاظت کے لیے نہیں بلکہ نادانوں اور جہال کو چند مفسدہ انگیز طبیعتوں کے شر سے محفوظ رکھنے کے تجویز کی گئی ہے۔"

اس تقریر سے انگلو انڈین اخبار برانگیختہ ہو گئے اور اخبار پانیر الٰہ آباد نے ولیسرائے کی تقریر پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ہندوستانی اخباروں سے انگریزی اخباروں کا موازنہ بڑے بھونڈے اور گرے ہوئے انداز سے کیا۔

"اینگلو انڈین اخبار نویس پہلے انگریز ہے اور پھر دوسرے درجہ پر اخبار نویس، برخلاف اس کے دیسی اخبار نویس تو ایس نوّے صورتوں میں محض ایک اجیر منشی (کرایہ کا ٹٹو) ہوتا ہے جب تک اسے یہ خیال ہو کہ ایسا کرنے سے مجھے کوئی خطرہ نہیں اور ساتھ ہی اس سے مجھے کچھ مالی منفعت بھی ہو جائے گی تو وہ ہر ایک امر بیباکی سے لکھ دیتا اینگلو انڈین اخبارات نے پہلے اینگلو انڈین پرچہ فرینڈ آف انڈیا کے وقت سے لے کرتا ایں اپنی سود مندی ملک اور گورمنٹ دونوں

کے حق میں ثابت کر دی ہے برخلاف اس کے دیسی اخبارات نے سوائے معدودے چند معزز مستثنیات کے ثابت کر دیا ہے کہ جب کبھی اس کو آزادی ملی ہے وہ غلط بیانیوں کذب ، افترا اور جھوٹی تہمتوں کے پھیلانے اور لگانے کا آلہ رہا ہے اگر کوئی اینگلو انڈین اخبار بالفرض محال کبھی نقصان رساں بیانوں کو شائع کرنے لگ جائے تو اس کے خریدار اس کو فوراً چھوڑ دیں اس کے برخلاف دیسی اخبارات کے خریدار عموماً جاہل اور سادہ لوح ہوتے ہیں جو محض گورنمنٹ کی شکوہ شکایت اور انگریز حکام ضلع کی بدگوئی سننے سے خوش ہو سکتے ہیں۔ قصہ مختصر دیسی اور اینگلو انڈین اخبارات میں وہی فرق ہے جو آوارہ گرد ڈوموں یا چوری پیشہ سانسیوں اور رعایا کے دیانتدار اور معزز افراد میں ہے۔ پس جب ایسی صورت میں قانون پولیس کو نگرانی کے خاص اختیارات دے رہا ہے تو دوسری صورت میں ایسا ہی کیوں نہ کیا جائے"۔

اخبار پانیر کی اس عبارت کو اخبار وکیل امرتسر نے مورخہ ۲۷ دسمبر ۱۸۹۷ء میں نقل کر کے حسب ذیل جواب دیا۔

" اگر اینگلو انڈین اخبار نویس اولاً انگریز ہے تو ہندی اخبار نویس کو اسی طرح اپنے ملک اور سرکار کے اغراض و مفاد مقدم ہیں دوسرا اعتراض لکھتے وقت اگر مضمون نویس ایک منٹ کو اپنے گریبان میں منہ ڈال لیتا تو اسے اجرت کا ذکر کرنے کی کبھی جرأت نہ پڑتی کیا وہ کل ہندوستان میں اسوقت ایک بھی ایسا اینگلو انڈین اخبار نویس بتا سکتا ہے جو اجرت پر کام نہ کر رہا ہو۔ اور جس کے پاس

معاش کیلئے اور جائز وسائل موجود ہوں اور صرف قومی ملکی بہبود اور دلی شوق سے اخبار نویسی کو اختیار کئے ہوئے ہو۔ برعکس اس کے جن کو وہ کرایہ کا ٹٹو بتلاتا ہے ان میں ۹۰ فیصدی محض ملکی خیر خواہی اور دلی شوق سے اخبار نویسی کر رہے ہیں اور مینائل دہر ایسے خرچ کے لئے شاید ہی نکلتے ہیں۔"

ہاں ڈر ہی تشبیہ کے سے اخبار مذکور منصف نے جو کم ظرفی دکھائی ہے وہ اس کے مادے کی کمزوری کا ظاہر کی بردہ ڈوم وسانسی دوسروں کو جھڑا دیکھا کرے غالباً ابھی دفعہ کی منظوری ہو جانے پر اسے بھی اس کو گالش نویسی کی جرأت نہ رہ جائے گی اور شاید اس نے پہلے وہی دل کی جلن نکال لینی مناسب سمجھی ہے تھوڑا ہی عرصہ ہوا اس نے اہالی اسپانیہ و فرانس و ہالینڈ وغیرہ کی کبر و نخوت پر سخت اعتراض کر کے اپنی قوم کو دیسیوں سے دوستانہ ملاپ قائم کرنے اور سوشل ارتباط بڑھانے کی نصیحت کی تھی مگر خود ایسا متکبر و مغرور بنتا پسند کرتا ہے کہ اسے دیسی اخبارات کا صرف قانوناً اینگلو انڈین اخبارات کے برابر حقوق رکھنا بالکل گوارا نہیں ہے شاید اسی لئے ان ناصحوں کی تحریرات کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا۔"

انگریزی حکمران طبقہ ہندستانی اخبارات کیساتھ سوتیلی ماں کا سا سلوک کرتا تھا اور انگریزی اخبارات کو دل کھول کر نوازا جاتا تھا ہندستانی اخبارات پر بہت ہی کرم کرتے تھے تو اس کے کچھ پرچے خرید لیتے تھے اور انگریزی اخبارات کو بڑے بڑے ٹھیکے اور بڑے بڑے اشتہارات نامور اداروں کے دیے جاتے تھے چنانچہ ان مراعات کا ذکر ۲۴ جنوری سنہ ۱۸۹۶ء کے وکیل امرتسر نے کیا ہے۔

"ایک مٹھی بھر اہل یورپ ہمارے ملک میں بودوباش رکھتے ہیں لیکن ان کے اخبارات کی حالت ایسی اعلیٰ ہے کہ جیسے یورپ کے اچھے اچھے

اخبارات کی ان کے ہم قوم ان سے بڑی بڑی رعایتیں کرتے ہیں۔ گورنمنٹ پنجاب سول اینڈ ملٹری گزٹ لاہور کو تمام سرکاری کاغذات اور کتابوں کے چھاپنے کا ٹھیکہ دس پندرہ سال کے لئے دے رکھا ہے ہر سال میں لاکھوں روپیہ کا بل ہوتا ہے جس نرخ پر یہ سرکاری ٹھیکہ اس اخبار کے کارخانے کو دیا گیا ہے بہت لوگ اس سے نصف سے بھی کم نرخ پر اس ٹھیکہ لینے کی آرزو رکھتے ہوں گے مگر انھیں نہیں دیا۔ اخبار پانیر الہ آباد کے ساتھ چالیس چالیس صفحے اشتہارات کے اکثر چھپا کرتے ہیں۔ ان میں تمام بڑے بڑے انگریزی سوداگروں کے اشتہارات ہوتے اور سرکاری اشتہارات بھی ہوتے ہیں۔ یہ اخبار سرکاری اشتہارات کی اجرت پرائیویٹ اشتہارات سے دگنی لیتا ہے اور وہ ہمیشہ سرکار اس کو دیتی رہتی ہے امید نہیں کہ کسی ہندوستانی اخبار کو کبھی یہ رعایت حاصل ہوسکے۔ اخبار ٹائمز آف انڈیا بمبئی کو راجپوتانہ مالوہ ریلوے وغیرہ کی لائنوں کی چھپائی کا لاکھوں روپیہ سال کا ٹھیکہ ملا ہوا ہے۔ غرض انگریزوں کے اخبارات کی حالت بہت اچھی ہے۔"

اینگلو انڈین اخبارات کی ہندوستانیوں اور ہندوستانی اخبارات سے مخالفت و دشمنی عرصہ تک جاری رہی۔ چنانچہ اُردو پریس کانفرنس جو لاہور میں ۳۱ر دسمبر ۱۹۱۶ء کو ہوئی تھی جس کی صدارت بابو رچھپال سنگھ شیدا دہلوی ایڈیٹر ہندوستانی لاہور نے فرمائی تھی انھوں نے اپنے خطبہ صدارت میں ان کی اس دشمنی کا ذکر کیا ہے۔[۱] یہ خطبہ صدارت اخبار ہمدم لکھنؤ کے ۱۱ر جنوری ۱۹۱۷ء کے شمارے میں شائع ہوا تھا۔

"اہلِ ہند کی وفاداری پر نہ صرف تمام یورپ بلکہ اہلِ برطانیہ تک حیران ہیں کیونکہ باشندگانِ انگلینڈ نے تو اینگلو انڈین اخبارات کی وساطت سے ہمیشہ یہ سنا کہ ہندوستان میں غداری اور بغاوت کی آگ شعلہ زن ہے اور یہ ملک انارکسٹوں اور بم بازوں کا مسکن ہے لیکن بخلاف اپنی توقعات کے انھوں نے دیکھا کہ ۱۹۱۴ء کی پہلی جنگ شروع ہوتے ہی والیانِ ریاست سے لیکر ادنیٰ کاشتکار تک سلطنت کے لیے تن من سے سینہ سپر ہوگئے تو ان کے استعجاب کی کوئی حد نہ رہی لیکن یہ لنڈنی جذبہ وفاداری عامۃ الناس میں کس نے پیدا کیا کیا انگلش مین، اور سول اینڈ ملیٹری گزٹ نے کیا یا پائنیر اور اسٹیٹسمین اور مدراس میل نے؟ نہیں بلکہ ورنیکلر پریس نے اور اردو خوان دنیا میں ہندوستان اور جھنگ سیال، زمیندار اور ہمدرد اور دلیش اور بلٹس ہندوستانی اور اودھ اخبار اور نئی روشنی اور مساوات وغیرہ نے۔ لیکن ان قابلِ قدر خدمات کا صلہ اردو پریس کو یہ ملا ہے کہ وہ پہلے سے زیادہ مشتبہ نظر سے دیکھا جانے لگا۔ اور ان میں بعض کی ہستیاں پریس ایکٹ کے تصدق ہو چکی ہیں۔ اس لیے نہیں کہ ان میں مخویانہ مضامین درج ہوئے تھے بلکہ اس وجہ سے کہ ان کے مالک حکام کی نظر میں ان نامعلوم افعال کے جن کا پبلک کو کچھ علم نہیں مرتکب ہوئے تھے۔ یا ہونے والے تھے جو امن عامہ کے لیے خار راہ خیال کئے جا سکتے تھے"

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کی کہانی کوہ نور لاہور کی زبانی

جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے ایک سال کے بعد کوہ نور لاہور کے ۹ر فروری ۱۸۵۸ء ۸ر مئی ۱۵ر جون، ۲۹ر جون، ۱۷ر اگست اور ۲۴ر اگست ۱۸۵۸ء کے چھ پرچے میرے پیش نظر ہیں جس میں جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کے مختلف مقامات کے حالات درج ہیں۔ گرچہ یہ حالات کسی بھی مقام کے مسلسل ومربوط نہیں ہیں لیکن اس جنگ کی حیثیت تاریخی ہے اس لئے اس کے بارے میں جو کچھ ملتا ہے وہ کار آمد ہے اور خاص طور پر اس موضوع پر لکھنے والوں کے لئے اس سلسلہ کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک فقرہ قیمتی ہے۔ چنانچہ اس بنا پر ان پرچوں سے اہم اور ضروری واقعات نقل کئے گئے۔

اس جنگ میں تقریباً کوئی بھی طبقہ ایسا نہیں تھا جس نے اس میں حصہ نہ لیا ہو۔ چنانچہ قوم کول نے بھی اس جنگ میں انگریزوں کے خلاف بغاوت کی جس کی شہادت ۹ر فروری ۱۸۵۸ء کا شمارہ دیتا ہے۔

"ان دنوں قوم کول نے جادۂ مستقیم اطاعت سرکار قاہرہ انگریزی سے انحراف کیا ہے اور راہ راست متابعت صاحبان والا شان سے قدم باہر رکھا ہے خبر ہے کہ اس قوم کے لوگوں نے چار افسر تیروں سے زخمی کئے ہیں جس ذیل میں یہ صاحب بھی ہیں۔

مد صاحب کمشنر چھوٹا ناگپور۔ کپتان اے، ٹی ڈالٹن صاحب رجمنٹ ۳ گورہ۔ امید ہے کہ قوم مذکور کی سرکوبی کے لئے فوج ظفر موج سرکاری

فوج فوراً کوچ کر گئی ہوگی۔"

مہاراجہ جموں اور مہاراجہ پٹیالہ وغیرہ نے انگریزوں کی اس جنگ میں بہت خیر خواہی کی تھی چنانچہ قوم چب بھی اس جنگ میں دلچسپی لینے لگی تو راجہ جموں نے انگریزوں کی حمایت میں قدم اٹھایا اور اس قوم کو تباہ کرنے کی ٹھانی یہ واقعہ بھی ۹ر فروری ۱۸۵۸ء کے پرچے میں چھپا ہے۔

"کچھ مفسدان قوم چب مسلمان باشندگان و تالہ متعلقہ ریاست مہاراجہ جموں نے جو گجرات سے پندرہ سولہ کوس دامن کوہستان میں تھے۔ ازراہ شورہ کشی و بدنہادی چند دیہات رعایا سرکاری انگریزی ضلع گجرات پر دست درازی کی تھی جس کی مہاراجہ صاحب نے بہ نفسیاتی سیاہ کینہ خواہ ایسی سزا دی جس سے تمام مفسدہ فرو ہوگیا اور مفسدین کو عبرت کامل ہوئی یعنی گاؤں تالہ کو بالکل تاخت و تاراج کرکے پھونک دیا بہت سے مفسد قتل کئے اور بہت سے گرفتار ہو کر ریاست گاہ میں پہنچائے گئے جس کی تحقیقات در پیش ہے اور غالب ہے کہ ان کی سزا پھانسی اور قید دوامی سے حسب حیثیت جرم ہر ایک کی تجویز ہوگی۔ قوم چب بہت بڑی قوم ہے بہت سے مسلمان ہیں اور بہت ہندو ہیں اور اصل میں راجپوت کہلاتے ہیں۔"

اسی ۹ر فروری ۱۸۵۸ء شمارہ میں کوٹہ، فتح آباد، بندیل کھنڈ، لکھنؤ، گورکھپور اور اندور کے معرکوں کی کیفیت اور مجاہدین کے حالات، ان کی گرفتاری یا ان کے پھانسی پانے کی خبریں شائع ہوئی تھیں۔

" خط آمد نصیر آباد سے دریافت ہوا کہ فوج راجہ صاحب کا مفسدین سے مقابلہ ہوا۔ راجہ صاحب کے سپاہیوں نے چھ توپیں مفسدوں سے چھین لیں لیکن مفسدین آخر غالب آئے پس راجہ نے اپنے دارالخلافہ کو لوٹ سے محفوظ رکھنے

کے لیے رشیوڈیال سردار مفسدین سے صلح کرلی اور سنا ہے کہ انھوں نے ایک گاؤں ایک مالا جواہرات اور خلعت فاخرہ مفسد مذکور کو عطا کی ہے۔"

"۲۹ر تاریخ کو کرنل ہوس صاحب رجمنٹ معہ فوج مندرجہ ذیل آوا کے مقابل پہنچ گئے۔ ہیڈکوارٹرس رجمنٹ ۱۲ با تعداد پانچسو سپاہیان، ۳۰۰ سپاہیان رجمنٹ ۴۳۔ بازو ترک سواران سندھ، بازو رجمنٹ ۹۵ شاہی توپخانہ قلعہ شکن احمد آباد اور ہزار گز کے فاصلے پر ڈیرے بنا گئے۔"

"۲۰ر تاریخ ہنگام دوپہر بموجب آئین جنگ کے شہر پر حملہ کیا گیا۔ ہیٹ کوٹ صاحب و براوڈے صاحب بدمفسدوں نے فیر کئے۔ مفسدین جمعیت پانچسو سپاہ پیادہ اور پانچسو سواروں کے تھے اور ان میں کچھ مفسدین شامل تھے۔"

۲۳ر تاریخ تک مفسدین نے معرکہ برپا رکھا۔ ۲۴ر تاریخ کو سرکار کا یہ ارادہ تھا تو بھائی کلاں سے گولہ برسا کر دوپہر کے شہر پر یورش کی جائے کہ ۲۳ر تاریخ شب کو مینہ بڑے زور سے برسا گویا مفسدین مردم آزار کو غارت کرنے کے لیے طوفان نوح کا آسمان سے ٹوٹا۔ مفسدین موقع پاکر جگہ کو خالی کرگئے۔ کچھ گرفتار ہوئے لیکن اکثر خندقوں کی راہ اندھیری میں صاف نکل گئے۔ ٹھاکر معہ اپنی خوبصورت بیٹی کے چندوں آگے ہی بھاگ گیا تھا۔"

"فتح گڑھ۔ واضح ہو کہ ۲۷ر جنوری کو فوج سرکاری ہنگام ۱۰ بجے صبح کے مفسدوں کے سر پر جا پہنچے ابھی مفصل حال معرکہ کا دریافت نہیں ہوا پر اتنا معلوم ہوتا ہے کہ چار ضرب توپ برنجی مفسدین کی سرکار کے قبضہ میں آئیں سواران سرکار نے سو سو سے زیادہ آدمی ان کے تہ تیغ بیدریغ کیے، سرکار کی جانب نقصان خفیف ہوا پھر بہت سے افسران مجروح ہوئے۔ چنانچہ میکڈوگا صاحب رجمنٹ ۳ گورہ بنگال کی ٹانگ گولہ سے کٹ گئی اور ۳ بجے عالم فانی کو چلے

گئے۔ ہوڈسن صاحب کو دو زخم تلوار کے لگے۔ سٹیل صاحب رسالہ ترک سواران سوم و گف صاحب رسالہ سوم سواران بھی مجروح ہوئے۔ ڈاکٹر فیرووڈ صاحب جل کر مر گئے۔''

''بندیل کھنڈ۔ از روئے خط آمد بندیل کھنڈ کے مفہوم ہوا کہ مفسدین گوالیار نے ایک ہزار سپاہ مع ۷ توپوں کے کالپی میں متعین کیے ہیں۔ تاہنگام صحت ورود پہنچا ہیں اور دو ہزار مفسدین جو فوج ظفر موج زیر افسری صاحب کمانڈر انجیف بہادر سے شکست کھا کر بھاگ گئے، ان میں سے چند روز سے چار کمپنیاں رجمنٹ ۳۲ پیادگان ہندوستانی اور شامل ہو گئے ہیں۔ رشتہ دار نانا مفسد کے بھی اسی گروہ کے ساتھ ہیں وہ محاصل زمین کی ایصال میں سرگرم ہیں اور سنا ہے کہ وہ سرداران بندیل کھنڈ کو ترغیب مفسدہ کی دیتے ہیں اور طرح طرح کی افواہوں اور خبروں کو انھوں نے مشہور کر رکھا ہے۔ صرف ضلع ہمیر پور کا محاصل راجہ چرکھاری سرکار انگیزی کے لئے وصول کرتا ہے اور تین اضلاع کا محاصل مفسد وصول کر رہے ہیں۔ یقین ہے کہ فوج قلیل کے بھیجنے سے مفسدین اس حرکت ناشائستہ سے باز آجائیں گے۔''

''گورکھپور۔ از روئے خط آمد کیمپ گورکھپور کے خبر مندرجہ ذیل دریافت ہوتا ہے کہ مشرف خاں نائب ناظم گرفتار ہو کر کیمپ کو چلا آتا ہے محمد حسین مفسد مع پچاس ہمراہیوں کے فیض آباد پہنچ گیا۔ گیارہ تاریخ صبح کو چھ سپاہیان گورکھہ کو جنھوں نے معرکہ ۶ تاریخ میں شجاعت دکھلائی تھی پچاس پچاس روپیہ کا انعام ملا۔''

''اندور۔ اندور میں ہر روز کئی مفسدوں کو پھانسی ملتی ہے۔ جس فقیر نے جون گذشتہ میں سپاہیانِ مئو کو ترغیب مفسدہ دی تھی اور اس کو

رزیڈنٹ اندور نے قید کیا تھا پھر مفسدین اس کو جیل خانے سے چھڑا کر لے گئے تھے وہ پھر گرفتار ہو کر پھانسی دیا گیا۔ ۲ رتاریخ کو ہیرا سنگھ سرخیل مفسدین توپ سے اڑا دیا گیا۔ یہ سردار ہلکر سے نزدیک کا رشتہ رکھتا تھا۔"

دہلی اور لکھنؤ بغاوت کے مرکز تھے انگریز ان دونوں شہروں سے خار کھایا ہوا تھا۔ جب جنگ آزادی ناکام ہو گئی تو دہلی اور لکھنؤ کو تباہ کرنے کے منصوبے بنائے گئے۔ چنانچہ لکھنو کو برباد کرنے کی خبر ۹ر فروری ۱۸۵۸ء کے شمارے میں چھپی ہے۔

"صاحب ہرکارہ از روئے تحریر ایک صاحب معتبر کے لکھتے ہیں کہ گورنمنٹ سے قطعی حکم آگیا ہے کہ شہر لکھنو غارت کیا جائے۔ اور تمام محلات اور مکانات شاہی معہ دیگر عمارات کیا امیر کیا غریب مسمار کئے جائیں المختصر وہ ایسا برباد کیا جاوے کہ اینٹ پر اینٹ نہ رہنی پاوے اور پتہ و نشان آبادی کا معلوم نہ ہو۔"

انگریزی حکمراں طبقہ نانا راؤ کی گرفتاری میں بہت کوشاں رہا۔ ہر جتن کیے بڑے فوجی لگائے لیکن نانا راؤ گرفتار نہ ہو سکے اور اس طبقہ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اسی فروری ۱۸۵۸ء کے پرچے میں نانا راؤ کی تلاش کی خبر درج ہے اور ان کے اسلحات پر قبضہ کرنے کا ذکر ہے۔

"بیٹھور ۔۔ خط آمد بیٹھور سے معلوم ہوا کہ اس جگہ دو کمپنی رجمنٹ ۵۰ شاہی و دو ضرب توپ موجود ہیں سپاہیان سرکاری کی زبانی دریافت ہوا کہ وہ معہ دو رجمنٹوں کے مقابل فوج سامنے کنارہ دریا پر مقیم ہیں صاحب خبر لکھتے ہیں کہ ایک رجمنٹ سکھ قنوج میں ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ صاحب کمانڈر انچیف بہادر مفسد مذکور کی گرفتاری کی فکر میں ہیں کچھ برتن طلائی ازاں نانا مفسد قیمتی ۵ ہزار پونڈ ایک گاؤں کے کوئیں سے ہاتھ لگے ہیں۔ مفسد ... بہ تعداد

۳۵۰۰ پیادہ پائیں۔ ایک ہزار سوار دو ضرب توپ اٹھارہ اٹھارہ پونڈ، دو توپ بارہ بارہ پونڈ، دو توپ چھ چھ پونڈ ابھی کالپی میں موجود ہیں۔ فوج سرکاری زیر افسری وایٹ لوک صاحب ان کے پیچھے چلی آتی ہے۔"

۱۸ مئی ۱۸۵۸ء کے شمارے میں کوچ کالپی، کوٹہ، بریلی اور بہار کے میدان جنگ کے حالات درج ہیں اور ہندوستانیوں کا انگریزوں کو قتل کرنے کی سازش کا بھی واقعہ تحریر ہے۔

"۱۲ تاریخ مئی کو ایک سردار مفسد رحیم علی نام معہ ایک ہزار سپاہ اور تین ضرب توپ کے ضلع علی گڑھ میں گنگا پار اترا ہے۔ افسران مین پوری، فتح گڑھ، متھرا، بھرت پور اور اٹاوہ اس بات سے آگاہ کیے گئے ہیں۔"

"۷ تاریخ کو جو مقام کونچ میں معرکہ ہوا اس میں سرکار کی طرف سے تین افسر اور پچاس سپاہی مقتول اور مجروح ہوئے۔ رانی جھانسی اور رام راؤ گوبند شروع معرکہ میں بھاگ گئے تھے اور تانتیا ٹوپی مفسد بھی مثل ان کے بھاگ نکلا..... للیال مفسد جالون والا کمپ سرکاری میں آگیا ہے اور راجگان بان پور و شاہ گڑھ معہ دو ضرب توپ و کچھ رفیقان جو ڈرے جنگل میں پناہ گزیں ہیں جو اس طرف وشاہ گڑھ ندی کے ۷ کوس کے فاصلہ پر متورامپور سے واقع ہے۔

"۸ تاریخ مئی کو کوٹہ برگیڈ نے قلعہ برونی پر حملہ کر کے قبضہ کیا۔ اور راجہ پیرونی وجے دیال و مفسدین کوٹہ بھاگ گئے۔ ۷ تاریخ کو رانی پرولی مقام ماہا گڈھ میں گرفتار ہوئی۔"

"صاحب کلکٹر بہادر اٹاوہ نے چوراسی ہزار روپیہ خزانہ اٹاوہ کا اٹاوہ سے مین پوری کو روانہ کردیا۔ کنور ٹوپ سنگھ بھرسہ والا و تیز سنگھ

پسر راجہ جگر نگر والا مع اپنی سپاہیان تلنگ کے ابانہ کے بھیڑ میں مقیم ہیں اور ان کے ہمراہ گنگا سنگھ و ہم سنگھ نبکرت و لکھوا اہیر و بھیمن سنگھ ڈاکو بھی ان کے ہمراہ ہیں اور مفسد بخوف لشکر سرکار جوا ٹاوہ کے متصل مقام بکھی میں مقیم ہیں۔"

"بریلی :- ایک صاحب کار سپانڈنٹ اپنے خط میں مقام بریلی سے لکھتے ہیں کہ ۳ تاریخ ماہ رواں کو میں ہمراہ فوج سرکاری کے مراد آباد سے بریلی کو روانہ ہوا مقام میرگنج میں سپاہ کینہ خواہ انگریزی سے فوج خان بہادر خاں مفسد کا مقابلہ ہوا۔ اور کچھ مفسدین نمک حرام جہنم داخل ہوئے۔ تین ضرب توپ شجاعان انگریزی کے قبضہ میں آئیں یہاں سے کوچ کر کے فوج سرکاری نے ۵ تاریخ کو ندی دوجابرا میں مقام کیا۔ ۶ تاریخ صبح کو وہ شہر کے متصل پہونچے اور بدمعاشان شہر سے مقابلہ آرا ہوئے .... صاحب خبر لکھتے ہیں کہ ۷ تاریخ صبح کو میں خان بہادر خاں کے گھر پر گیا جہاں جمع ہونا کچھ سرکشوں کا سنا تھا پر وہاں پہونچکر میں نے کوئی مفسد نہ پایا اور صرف ۵ یا ۶ توپیں خورد و کلاں اور کچھ بارود پڑی تھی۔ میں نے اسی وقت ایک سوار کو خدمت میں صاحب کمشنر کے رپورٹ کرنے کو بھیجا صاحب ... بہادر سوار تو راستہ میں ملے اور سوار نے جو دیکھا تھا سب ... خدمت صاحب ممدوح کر دیا اور صاحب ممدوح نے بہت جلد خاں بہادر خاں مفسد ... شہر پر پہونچکر گار د سپاہیان گوادہ کا متعین فرمایا افواہ ہے کہ ... مفسد نانا و خان بہادر خاں و سو بھارام پیلی پور ضلع شاہجہانپور کو بھاگ گئے ہیں کوئی مفسد یا مسلمان شہر بریلی میں موجود نہیں۔"

"شاہجہاں پور :- تاریخ ۸ مئی کو گورنمنٹ الہ آباد سے بذریعہ تار

برقی آگرہ میں خبر پہنچی کہ خطوط آمد فتح گڈھ سے دریافت ہوتا ہے کہ جب فوج ظفر موج سرکاری زیر افسری سر کولن کمبل صاحب بہادر کمانڈر انچیف شاہجہاں پور سے کوچ کر گئے تو ایک گرد مفسدین نے مقام محمدی ملک اودھ سے فوج قلیل سرکاری متعینہ شاہجہاں پر حملہ کرکے کچھ سپاہیان سرکاری قتل کر ڈالے اور شہر کو لوٹ لیا باشندوں نے خونریزی بھی کی پھر قلعہ پر جو بیرون شہر واقع ہے تسلط کر لیا۔ باغیوں نے دریا پر پہرہ مضبوط متعین کیا ہے اس لئے آمد و رفت مشکل ہے مجسٹریٹ اپنے کل کے پیغام میں لکھتے ہیں کہ ۲۵ سپاہیوں میں سے جو دریافت حال کے لئے بھیجے گئے تھے ایک بھی واپس نہیں آیا۔"

"ہوشیار پور۔ ۵ رتاریخ مئی کو چھاؤنی ہوشیار پور میں سازش کچھ سپاہیان مفسد بازو چپ رجمنٹ ۴ پیادگان ہندوستانی کے دریافت ہوا کہ اس تاریخ کو پندرہ یا بیس سپاہیان بازو مذکور نے باہم متفق ہو کر یہ قصد کیا کہ اپنے افسروں کو قتل کرکے بھاگ جاویں پر فضل ربانی سے دو تین گھنٹے پیشتر ان کی سازش کا حال دریافت ہو گیا اور تدابیر احتیاطی عمل میں آئیں بازو مذکور پریٹ پر طلب ہوا اور اس سے سنگین ہتیار وغیرہ لئے گئے اور لین کی تلاشی ہوئی جو ہتیار ہاتھ لگا لیا گیا چھ مفسد پھانسی دئے گئے اور چار جلاوطن ہوئے تین حین حیات اور ایک دس برس کے واسطے۔ سنا جاتا ہے کچھ مفسد روپوش بھی ہو گئے۔"

۱۵ ر جون ۱۸۵۸ء کے شمارے میں ریاست جھجر کے قلعہ کو اڑانے اور رئیس وادری کے مقید ہونے اور ان کی جاگیر ضبط کرنے جھجر کے مال و اسباب کے نیلام ہونے کی خبر درج ہے۔

"جھجر۔ ایک دوست کے خط سے معلوم ہوا کہ ماہ اپریل میں جو قریب ستر آدمی کے قلعہ جھجر میں باروت سے اڑ گئے تھے حسب سفارش صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر کے سرکار سے ان کے وارثوں کے لئے ایک ہزار روپیہ منظور ہوا جو صاحب ممدوح نے تقسیم کر دیا فصیل اور بروج قلعہ جھجر بالکل اڑے گئے کچھ باقی ہے سو اڑایا جاویگا۔ صاحب ضلع بند وبست سرسری میں مصروف ہیں انتظام مالی و ملکی باستقلال تمام ہوتا جاتا ہے نواب بہادر جنگ خاں رئیس دادری باشتباہ شرکت باغیان سرکار دہلی میں گرفتار ہیں اور ان کی جاگیر ضبط سرکار ہوگئی ہے کچھ عرصہ ہوا کہ ان کے قرضخواہوں اور نوکروں نے استغاثہ اپنے قرض اور تنخواہ کا بحضور حاکم وقت دائر کیا تھا سو ستائیس ہزار روپیہ ان لوگو کو دینے کو سرکار سے عنایت ہوا ہے اور ۱۴ جون سے اس کا تقسیم ہونا بھی شروع ہوگیا ہے مال اور اسباب نواب صاحب جھجر عرصہ سے نیلام ہوتا تھا سو اب قریب الاختتام ہے یعنے درین دلہ نوبت چوب وغیرہ کی پہنچی۔"

پٹنہ کے ایک محب وطن کو توپ سے اڑانے کی خبر اسی ۱۵ جون ۱۸۵۸ء کے پرچہ میں چھپی ہے۔

• پٹنہ سے خبر پہنچی ہے کہ مسرم سنگھ مفسد گرفتار ہو کر توپ سے اڑا گیا۔ نرائن راؤ و مہادیو راؤ ترو ہان والہ نے خود اپنے تئیں سرکار انگریزی کے حوالے کر دیا ہے۔ مقام ترو ہان میں ۳۸ ضرب توپچی و ۸ سو بندوقین اور ایک کروڑ روپیہ ہاتھ لگا۔"

۲۹ جون ۱۸۵۸ء کے کوہ نور لاہور میں مولوی احمد اللہ شاہ کے آخری معرکہ کے حالات اور ان کے گولی لگ کر شہید ہونے اور ایک دوسرے علی گڑھ کے مجاہد کو پھانسی لگنے کی خبر شائع ہوئی ہے

"۱۵ر تاریخ جون کو مولوی مذکور معہ گروہ کثیر سواران وکچھ ضرب توپ مجری سے پوا میں پہنچ گیا جو قریب ۱۶ میل کے فاصلہ پر شمال مشرق کی طرف شاہجہانپور کے ہے اس نے وہاں پہنچتے ہی راجہ جگناتھ پون والا کی گڑھی کو گھیر لیا اور راجہ سے درخواست کی کہ وہ تھانیدار اور تحصیلدار کو جو اس کے پاس پناہ گزیں ہوئے ہیں حوالہ کردے راجہ موصوف نے یہ درخواست اس کی نامنظور کی اور مولوی نے حملہ شروع کر دیا راجہ اور اس کے بھائی بلدیو سنگھ اور کول سنگھ معہ اپنے لشکر کے مفسد مذکور سے صف آرائی کی۔ معرکہ قریب تین گھنٹے کے رہا۔ اور مولوی مذکور کو گولی لگی اور بجبر زمین پر گرنے کے سپاہیوں نے بموجب حکم بلدیو سنگھ اس کا سر کاٹ لیا اور اس کا سر اور دھڑ مسٹر گلبرٹ منی صاحب بہادر کمشنر کے پاس شاہجہانپور کو بھیجا گیا"۔

"علی گڑھ ۔ ۱۷ر تاریخ صبح کو محبوب خاں تحصیلدار علی گڑھ اور ایک رسالدار کو علی گڑھ میں پھانسی لگی"۔

مہاراجہ جموں اپنی وفاداری ظاہر کرنے کے لئے روزانہ دو تین آدمی اپنے علاقے سے گرفتار کرکے بھیجتے تھے جن کو انگریز پھانسی پر چڑھا دیتا تھا یہ خبر بھی ۲۹ر جون ۱۸۵۸ء کے شمارے میں چھپی ہے۔

"مہاراجہ صاحب والئے جموں ہر روز دو دو تین تین مفرورین اپنے علاقے سے گرفتار کرکے (گورداسپور) بھیجتے ہیں چھ ان میں سے منگل گزشتہ کو بموجب حکم کمشنر بہادر پھانسی لگی تھی"۔

انگریزوں کے ہندوستان میں پاؤں جمانے اور حکمران بنانے والے ہندوستانی ہی تھے۔ اگر مہاراجہ پٹیالہ، مہاراجہ جموں اور مہاراجہ سندھیا وغیرہ انگریزوں کا ساتھ نہ دیتے تو انگریز ہندوستان پر قابض نہ ہوتا۔ چنانچہ

مہاراجہ سندھیا کے سپاہیوں کی سازش سے ایک محب وطن کو گرفتار کرانے کی خبر ۲۹ جون ۱۸۵۸ء کے پرچے میں پڑھیے۔ دوسری طرف اسی خبر کے ساتھ نواب باندا اور تانتیا ٹوپی کی جنگ آزادی کو کامیاب کرنے کی جدوجہد کا بھی ذکر ہے۔ گرچہ دشمن ان کا تعاقب کر رہا ہے۔

" گوالیار۔ دھولپور سے خبر پہنچی ہے کہ جو سپاہیان مہاراجہ سندیہ نے جو وفادار رہے تھے مقام نورا میں امیر چند بٹائی خزانچی مہاراجہ صاحب کو گرفتار کیا۔ ٹانتیا ٹوپی و نواب باندا بیشتر اختتام معرکہ گوالیار سے بھاگ گئے تھے اور کہتے ہیں کہ وہ سادل گڑھ اور جے پور کی جانب کو جاتے ہیں۔ ان کے ہمراہ چار توپ کلاں اور تین توپ اسپی ہیں اور برگیڈیر جنرل پینیر صاحب ان کے تعاقب میں ہیں۔"

ناگپور کے محب وطن کی گرفتاری اور اٹاوہ کے محمد حسین کا انگریزی فوج سے مقابلہ کرنا اور جنگ آزادی ۱۸۵۷ء کی ناکامی کے بعد دہلی کے مکانوں کی قیمتوں کی تقرری کی خبریں اسی ۲۹ جون ۱۸۵۸ء کے پرچے میں طبع ہوئی ہیں۔

" حکام والا مقام مقیم الہ آباد نے لاہور میں خبر بھیجی کہ صاحب کمشنر بہادر ناگپور رپورٹ کرتے ہیں کہ ٹیکیٹ رائے زمیندار آرسیلی ضلع چاندی کو کچھ ملازمین تھجا بھوج زمیندار ہالسی نے گرفتار کیا۔"

" نواح اٹاوہ۔ مقام اٹاوہ میں مفسدین نے سواران رسالہ زیر حکم کپتان ملس صاحب پر حملہ کیا پر شکست فاش کھائی اور ۱۲ آدمی ان کے تہ تیغ ہوئے۔ سیاہ کینہ خواہ انگریزی نے اچھا کام کیا۔ کرنیل ریگ صاحب و کپتان شوٹلی نے جن کو برگیڈیر راکھ آنڈ نے بھیجا تھا۔ ۵ میل مغرب کی طرف کپتان گنج کے محمد حسین پر حملہ کیا۔ اور شکست دیکر حملہ کپ

اور اسباب وغیرہ چھین لیا"۔

دہلی ۔ وہاں سب طرح امن وامان ہے مسلمانوں کو ابھی آباد ہونے کا حکم نہیں ملا ۔ چوکیدارہ قیمت مکانوں پر مقرر ہوتا ہے یعنے جو مکان ایک ہزار روپے تک کا ہے اس پر چار آنے مہینہ اور دو ہزار تک پر آٹھ آنے اس سے زیادہ تین روپیہ تک ۔ خیر خواہ سرکار کی زیان کی تحقیقات کیواسطے دہلی میں حسب الحکم گورنمنٹ ایک محکمہ کونسل کا مقرر ہوا ہے جس میں تحقیقات مال مفرورین سکنائے دہلی و خیر خواہان سرکار ہوگی اور معاوضہ تجویز ہوگا اور چند آدمیوں کے واسطے جن کی رپورٹ پہلے ہو چکی تھی مثل راجہ امید سنگھ صاحب و لالہ نرائن داس و لالہ بدری داس صاحب وغیرہ منظوری معاوضہ کی حضور گورنر جنرل سے ہوگی"۔

جو مجاہد و محب وطن انگریزوں کے قبضہ میں نہیں آتے تھے ان کی گرفتاری پر انعام مقرر کیا جاتا تھا ۔ چنانچہ پونہ کے جانبازوں کو گرفتاری پر انعامات مقرر کیے گئے تھے ۔ جس کی اطلاع ۷ ار اگست ۱۸۵۸ء کے کوہ نور میں شائع ہوئی۔

" واسطے گرفتاری مفسدان دولت سنگھ ٹھاکر اور چاماجی ٹھاکر کے جو مفسدہ جھانسی میں شامل تھے ۔ سرکار انگریزی کی طرف انعام دو ہزار اور ایک ہزار روپیہ کا جداگانہ مقرر ہوا ہے یقین ہے کہ مفسدان جلد گرفتار ہو کر پاداش اعمال بد کو پہنچینگے "بدایوں کے ایک مجاہد کو توپ سے اڑانے اور انگریزوں کو قتل کرنے والے سرسہ کے محب وطن لوگوں کو پھانسی دینے کی خبر بھی ۷ ار اگست ۱۸۵۸ء کے شمارے میں چھپی۔

" احمد اللہ خاں ناظر نواب بدایوں کی نسبت جو کچھ عرصہ گزرا ملک جے پور میں گرفتار ہوا تھا ۔ جرم مفسدہ پردازی ثابت ہوا ۔ اور تیسری

تاریخ اس کو توپ سے اڑانے کی تجویز تھی۔"

"ضلع سرسہ۔ ۲۲ اشخاص مفسد جو ہنگام وقوع سرکشی کے ضلع سرسہ میں قتل لفٹنٹ ہلبرڈ صاحب بہادر و مسٹر تل صاحب بہادر میں شریک ہوئے اور بعد تحقیقات کامل و ثبوت جرم ۶ مفسد کو پھانسی دی گئی۔ اور باقی ۱۶ مفسد عین حیات جلا وطن ہوئے ہیں۔

سندولہ کے معرکے میں شاہزادہ فیروز شاہ مولوی احمد اللہ شاہ صاحب کی شجاعت اور بہادری کی خبر ۲۱ اگست ۱۸۵۸ء کے پرچے میں شائع ہوئی۔

"کچھ فوج پولیس اس غرض سے مقام سندولا کو گئی کہ اس جگہ کا چارج ایک خیر خواہ سرکار حشمت علی کو دیں۔ اس جگہ ایک گروہ مفسدان مع توپ بارادہ صف آرائی موجود تھا۔ فوج سرکاری تعداد میں تخمیناً ۴ سو پیادہ اور ۵ سو سوار تھے مفسدین نے شہر اور گلیوں میں خوب جنگ کی مگر آخر کار سپاہ کینہ خواہ انگریزی نے بڑی بہادری سے ان کو سب مقامات سے ہٹا دیا اور ایک ایک شہر سے نکالا گیا۔ ڈھائی گھنٹہ تک معرکہ برپا رہا اور کپتان داسن صاحب بہادر نے ایک توپ برنجی ۶ پونڈ مع اور ذخیرہ سامان رسد وغیرہ کے باغیوں سے چھین لی۔ مفسدین مقہور کا سردار فیروز شاہ مفسد تھا اور اس کے ہمراہ ملا شاہ مفسد اور سرداران مفسد بھی تھے۔"

مجاہدین انگریزوں کے بہی خواہ اور خوشامدیوں کو گرفتار کر کے ان سے روپیہ لے کے چھوڑ دیا کرتے تھے اور یہ روپیہ جنگ آزادی کے کاموں میں لگاتے تھے۔ اسی قسم کی ایک خبر ۲۴ اگست ۱۸۵۸ء کے اخبار میں طبع ہوئی ہے۔

"لکھنؤ۔ عبد الحلیم صاحب ڈپٹی کلکٹر جن کو کچھ عرصہ گذرا مفسدین نا عاقبت

اندلیش گرفتار کر کے ہمراہ اپنی بھونڈی میں لے گئے تھے کچھ روپیہ عوض امان جان ادا کر کے مفسدین بدکیش کے پنجہ سے چھوٹ آئے ہیں اور دو تین روز سے خاص لکھنؤ میں ہیں پہلے بحوالہ اخبارات انگریزی چھاپا گیا تھا کہ ڈپٹی صاحب موصوف باغیوں کے ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں۔ سو وہ بات غلط سمجھنی چاہیئے۔"

جنگِ آزادی کی ناکامی کے بعد انگریزوں نے جہاں ہندوستانیوں کو قتل کیا۔ وہاں دہلی کے کتب خانوں کو بھی لوٹا۔ ان کی کتابوں کو پھاڑا۔ نذر آتش کیا اور قبضہ میں کیں۔ قبضہ میں آنے والی کتابوں کی تعداد سترہ ہزار ہو گئی تھی۔ جس کے نیلام کا اشتہار ۲۴ر اگست ۱۸۵۸ء کے اخبار میں چھپا۔

"اشتہار نیلام پرایز ایجنسی دہلی۔ جو کتب خانہ پرایز ایجنسی تمام دہلی شہر کا مقام دہلی بیچ مکان بھوانی شنکر کے گذر چاندنی چوک میں جمع ہوا ہے اور کتب خانہ میں کتاب قریب سترہ ہزار کے ہے اور کتاب ہر قسم کی فارسی اور عربی بہت اچھی اچھی بیش قیمت ہیں۔ اس لئے یہ اشتہار واسطے اطلاع خاص و عام کے دیا جاتا ہے کہ وہ کتب خانہ تاریخ یکم ستمبر سنہ الیہ کو بمقام دہلی بیچ مکان مذکور گذر چاندنی چوک میں نیلام کیا جاوے گا جس کسی کو خریداری کتاب منظور ہو تاریخ معہودہ کو بمقام دہلی بیچ مکان بھوانی شنکر گذر چاندنی چوک میں حاضر ہو کر خریداری کرے اور نقد روپیہ داخل کرے تحریر تاریخ گیارھویں ماہ اگست ۱۸۵۸ء۔"

جن راجوں اور نوابوں نے اس جنگ آزادی میں انگریزوں کا ساتھ دیا

اس میں مہاراجہ فرید کوٹ بھی تھے انھوں نے بھی اپنے راج کو بچانے کیلئے ہندوستانیوں کے خون کو انگریزوں کے قدموں میں بہا دیا تھا۔ اس کا پھل ان کو کیا ملا اس کی تفصیل ۴ر اگست ۱۸۵۸ء کے پرچے میں دی گئی ہے۔

"چوں راجہ صاحب فرید کوٹ سے مفسدہ گذشتہ میں خدمات نمایاں ظہور میں آئیں اسواسطے ان کے جلدو میں سپریم گورنمنٹ سے ازراہ قدردانی حکم ہوا کہ اسوار جو راجہ صاحب ممدوح کو دیا کرتے تھے وہ معاف کئے جائیں اور آئندہ ان کو بجائے خلعت ۷ پارچہ کے ۱۱ پارچہ کا خلعت ملا کرے اور ان کا القاب راجہ صاحب فرید کوٹ کے یہ سمجھا جائیگا۔ برانش راجہ صاحب بہادر فرید کوٹ صاحب اخبار لاہور کرانکل لکھتا ہے کہ گو راجہ صاحب [illegible] کار نمایاں ظہور میں نہیں آئیں مگر وہ ایام غدر میں خیرخواہ اور مددگار رہے جب انھوں نے خبر مفسدہ فیروزپور کی سنی تو وہ بذات خود فوراً اس جگہ پہنچے اور ان [illegible] نے گھاٹوں ندی کا پہرہ دیا۔ انھوں نے کچھ سپاہی مسٹر جنرل [illegible] ور ٹلنڈ کے ساتھ بھی روانہ کئے اور جو کوئی مفسدہ ان کے ضلع [illegible] پناہ گزیں ہوئے وہ گرفتار کئے اور جب ایک متعصب گروہ نے مقام جے نوٹلی واقع ملک ناہر میں سر اٹھایا تھا فوج راجہ صاحب ہمراہ میجر مارسڈن کے گئے تھے اور مفسد مذکور کو قتل کرنے میں شریک ہوئے تھے قطع نظر ازاں راجہ صاحب نے ۳۵ ہزار روپیہ خزانہ سرکار میں داخل کیا تھا"۔

انگریزوں یا انگریزوں کے حامیوں کا اس جنگ میں جو نقصان ہوا تھا اس کو پورا کرنے کے لئے ایک اشتہار مورخہ ۲۳ جون، ۲۹ جون ۱۸۵۸ء کے شمارے میں شائع ہوا۔

"از پیشگاہ صاحب والاشان چیف کمشنر بہادر پنجاب نے اضلاع پنجاب کے

اندر (جن میں اضلاع دہلی وآن روئے ستلج وغیرہ شامل ہیں) سرکشی اور مفسدہ گذشتہ میں نقصان مال کا اٹھایا ہے اور جو چاہتے ہیں کہ ان کے دعوے بابت معاوضہ کے تحقیق کئے جاویں لازم ہے کہ اپنے اپنے مقدمات کیفیت مفصل (اگر دعوے ۵۰ ہزار روپیہ سے کم کا ہو) تین مہینے کے اندر اس قسمت کے صاحب کمشنر کے پاس رجوع کریں۔ جہاں نقصان وقوع میں آیا۔ مثلاً اگر نقصان دہلی یا گوڑگانوہ میں ہوا تو مدعی صاحب کمشنر دہلی کو درخواست دیگا۔ اگر حصار یا ہانسی یا سرسہ میں، تو صاحب کمشنر حصار کو اگر سیالکوٹ میں تو صاحب کمشنر بہادر لاہور کو وقس علی ہذا" بعد گذرنے تین مہینے کی تاریخ اطلاع ہذا سے کوئی سماعت نہ ہوگا لیکن اگر دعوے ۵۰ ہزار روپیہ سے زیادہ کا ہو تو درخواست کنندہ کو اپنی درخواست تین مہینہ مذکور بالا کے اندر پیش کرے گا۔ پر اس کو واسطے گزارش مفصل حال کے تین مہینہ کی اور مہلت بھی مل سکتی ہے یہ حد عرصہ کی ان اشخاص کے واسطے معین ہوئی ہے جو ہند میں رہتے ہیں اگر اشخاص یورپ میں یا کہیں باہر ہند کے ہوں تو وہ اپنے دعوے مع کیفیت مفصل چھ مہینے کے اندر رجوع کریں۔ وہ اشخاص جن کے دعوے دفتر ہذا میں پیش ہیں از روئے تحریر ہذا آگاہ کئے جاتے ہیں کہ ان کے مقدمات اب اس قسمت کے صاحب کمشنر بہادر کے پاس رجوع کئے جاویں گے جہاں نقصان وقوع میں آیا۔ دعوے اس قسم کے عموماً اہل ولایت زاد عیسائیوں اور نیز باشندگان ہند کی جانب سے جنھوں نے سرکار انگریزی کی وفاداری میں زیان سہا سماعت ہوگی"۔

مظفر نگر میں جن لوگوں نے انگریزی فوج کی رجمنٹ کو مجاہدین کے پنجے

سے بچا لیا تھا اور اپنے ملک سے غداری کی تھی ان کو انگریز سرکار نے انعامات دیئے۔ اس کی تفصیل ۱۵ر جون ۱۸۵۸ء کے گزٹ میں چھپی ہے

"کئی زمیندار اور ساکنان ضلع فتح پور نے جو حسن خدمت کی۔ بورن صاحب لفٹنٹ ۵۶ ہندوستانی رجمنٹ کو پناہ دینے میں جس وقت کہ باغی سپاہ اُن کے درپے تھے اور ان کو اس ہتلکہ سے خلاص کرانے میں اس کے عوض امیر کبیر جناب نواب گورنر جنرل اظہار خوشنودی کیواسطے انعام مفصلہ ذیل عطا فرماتے ہیں۔

۱۔ گنگا سنگھ صوبہ دار دوسری رجمنٹ پیادہ بنبئی کو حقیقت زمینداری جس کی مالگذاری دو ہزار روپیہ سالانہ سے کم نہ ہو علاوہ اس ترقی فوجی کے جو اس کے لئے بنبئی کی گورنمنٹ کریں"۔

۲۔ اجگر سنگھ انگلستی حولدار اور بھائی گنگا سنگھ کو ایک ہزار روپیہ نقد۔

۳۔ پرشادی سنگھ ساکن موضع کرنی کھیر کو ایک ہزار روپیہ نقد اور حقیقت زمینداری جس کی مالگذاری پانچسو روپیہ سالانہ ہو۔

(۴) الیشری سنگھ اور بال گوبند اور گنج بہاری ساکنان موضع شاہ کو تین تین سو روپیہ نقد۔

(۵) سوکھن اور ادسان اور جواہر نرائن ساکنان موضع کرنی کھیر کو دو دو سو روپیہ نقد۔

۶۔ بھولا سنگھ ساکن موضع سلطان پور کو ایک ہزار روپیہ نقد اور حقیقت زمینداری جس کی مالگذاری پانچ سو روپیہ سالانہ ہو۔

۷۔ لالہ رام دچیت کو پانچ سو روپیہ نقد۔

ان سبھوں کو خلعت بھی واسطے عزت کے دیجائے۔ موضع سلطان پور کے ہر ایک کاشتکار کو مالک ہوں یا غیر مالک انعام دیا جاوے بقدر زر لگان ایک سال کے "

ہندوستانی اخبارات قانونی شکنجہ میں

اپنا ہو یا پرایا، دیسی ہو یا بدیسی حکمراں طبقہ اپنی من مانی باتوں کو منوانے کے لئے ہر چھوٹے بڑے طریقہ اختیار کرتا ہے ہندوستان میں ہندؤں کی حکومت ہونے کے بعد مسلمان بادشاہوں نے حکومت کی اس کے بعد حکومت برطانیہ نے حکمرانی کی اب کانگریس حکومت کر رہی ہے لیکن کوئی صحیح بات سننے کے لئے تیار ہوا اور نہ ہے۔ چنانچہ جب انگریز ہندوستان پر مسلط ہوا تو اس نے تحریر و تقریر کی آزادی کو سلب کیا اور موقع بے موقع تحریر و تقریر کی آزادی میں رکاوٹیں ڈالیں پابندیاں لگائیں اور قانون بنائے۔

ہندوستان میں صحافت کا آغاز ۱۷۸۰ء میں ہوا۔ اس وقت اخبارات کو گرفت میں لانے کے لئے کوئی قانون نہیں تھا۔ انگریزی اخبارات کے بیباک ایڈیٹر و مالک جیمز آگسٹس ہکی اور ولیم ڈوان کے خلاف جو کارروائی کی گئی اس کو ضابطہ کی کارروائی کہا نہیں جا سکتا اخبارات نے جہاں حکومت کو پریشان کر رکھا تھا۔ وہاں ٹیپو سلطان کی شخصیت ایک خطرہ بنی ہوئی تھی۔ انگریزوں میں آپس میں اختلاف تھا۔ کلائیو کا انگریزوں کا طبقہ ولزلی کے خلاف تھا اور اخبارات اس کی پشت پناہی کر رہے تھے چودہ سال کے بعد ان تمام سازشوں کو ختم کرنے کے لئے اخبارات پر پابندیاں لگانے پر حکومت نے غور کرنا شروع کیا۔

چنانچہ مسٹر فریزر نے ستمبر ۱۷۹۴ء کو جب انڈیا ہیرلڈ کے نام سے ایک ہفتہ وار

اخبار مدراس سے جاری کرنے اجازت مانگی تو اس کو اجازت نہیں ملی۔ اس نے بغیر اجازت کے اخبار جاری کر دیا جس کے جرم میں اور پرنس آف ویلز کی شدید ہتک کے الزام میں حکومت نے اخبار کے مالک و ایڈیٹر کو ہندوستان بدر کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ لیکن انہیں جس جہاز پر انگلستان بھیجا جا رہا تھا وہ اس جہاز سے فرار ہو گئے۔

جنوری ۱۷۹۵ء میں مدراس گزٹ مسٹر ولیم سن نے نکالا۔ جب اس گزٹ میں کچھ ایسی خبریں شائع ہوئیں جن کی اشاعت مدراس گورنمنٹ کو سخت ناگوار گذری۔ چنانچہ وہاں کی حکومت نے یہ حکم دیا کہ مدراس گزٹ کی اشاعت سے قبل اس کے پروف ملٹری سکریٹری کے سامنے معائنہ کے لئے پیش کئے جایا کریں۔ اب تک ہندوستان میں سنسر کا یہ طریقہ کسی اخبار کے ساتھ روا نہیں رکھا گیا تھا۔ ساتھ ہی حکومت نے ایک اور حکم بھی جاری کیا جس کی زد میں مدراس کے اور اخبارات بھی آ گئے یعنی محصول ڈاک اخباروں کی بجائے خریداروں سے وصول کیا جائے۔ اس نے حکم کا اثر براہ راست خریدار پر پڑا۔ یا بالفاظ دیگر اخباروں کی قیمت میں اضافہ ہوا۔

بمبئی کا تیسرا اخبار بمبئی گزٹ تھا۔ جو ۱۷۹۰ء میں نمودار ہوا۔ اس اخبار نے پولیس کے محکمہ پر نکتہ چینی کی تو یہ بات حکومت نے پسند نہیں کی اور اس اخبار پر سنسر کی پابندی لگا دی بمبئی گزٹ کے مالکوں نے اجراء کے وقت حکومت سے وعدہ کر لیا تھا کہ یہ اخبار سرکار کے حکموں کا پابند رہے گا اس لئے اس غلطی کے بعد مالکان اخبار اس بات پر تیار ہو گئے کہ چھپنے سے پہلے اخبار کے پروف حکومت کے سکریٹری کی خدمت میں پیش کئے جایا کریں گے۔

مدراس اور بمبئی کے اخبارات کے بعد کلکتہ کے اخبار بھی قانون کی زد میں آئے چنانچہ ۱۷۹۵ء میں کلکتہ سے بنگال ہرکارہ نکلا اس کے ایڈیٹر ڈاکٹر میکلین تھے۔ ان کو حکومت مشتبہ نظروں سے دیکھتی تھی ان کے بھی خطوط سنسر ہونے

لگے تھے ۱۷۹۷ء میں ڈاک خانہ نے ان کے کچھ خطوط روک لئے اس سلسلے میں میک لین کا پوسٹ ماسٹر سے جھگڑا ہو گیا۔

کلکتہ سے ۱۷۹۹ء میں ایشیاٹک میرر ایک ہفتہ وار انگریزی اخبار ظہور پذیر ہوا۔ اس اخبار میں ایک مضمون چھپا جس میں کمپنی کی فوجی طاقت اور دیسی جوانوں کی فوجی قوت کا مقابلہ کرتے ہوئے ثبوت میں کچھ اعداد و شمار بھی پیش کیے۔ یہ مضمون اس وقت شائع ہوا جب ویلزلی دکن میں ٹیپو سلطان کے خلاف آخری لڑائی لڑ رہا تھا۔ اس مضمون سے متاثر ہو کر ویلزلی نے وہیں سے اپریل ۱۷۹۹ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو لکھا۔

"ایڈیٹروں کی پوری قوم کے لئے میں جلدی ایک قانون مرتب کرنے والا ہوں فی الحال آپ اس اخبار (ایشیاٹک میرر) کے ایڈیٹر اور اس قسم کے دوسرے اخباروں کے ایڈیٹروں کی روک تھام اگر نہیں کر سکتے تو ان اخباروں کا خاتمہ کرکے ان کے ایڈیٹروں کو یورپ روانہ کر دیجیے۔"

اس دور میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا کاروباری و تجارتی مرکز کلکتہ تھا اور کلکتہ ہی انگریزی اخباروں کا مرکز تھا۔ ان کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے راز بڑی آسانی کے ساتھ معلوم ہو جاتے تھے اس خطرناک صورت حال کے پیش نظر اخبارات کو باضابطہ طور پر قانونی شکنجہ میں کسنے کی ضرورت سب سے پہلے بنگال گورنمنٹ نے محسوس کی۔ اور مئی ۱۷۹۹ء میں گورنر باجلاس کونسل میں اخبارات پر چار پابندیاں عائد ہوئیں

۱۔ ہر اخبار کا مدیر اور مالک اپنے پتے سے حکومت کے سکریٹری کو مطلع کرے۔

۲۔ اخبار کے آخری صفحہ پر ناشر کا نام چھاپا جائے۔

---

[1] ہندوستانی اخبار ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہد میں مؤلفہ عتیق صدیقی صفحہ ۹

۳۔ حکومت کا سکریٹری یا کوئی افسر جس کو اس کام کے لیے مقرر کیا جائے جب تک اخبار کے پروف کا معائنہ نہ کر لے اس وقت تک اخبار نہ چھاپا جائے۔

۴۔ اتوار کے دن کوئی اخبار شائع نہ کیا جائے۔

۵۔ ان قاعدوں کے خلاف ورزی کرنے والے کو یورپ بھیجدیا جائیگا۔

مندرجہ بالا ضابطوں کے عائد کرنے کا مقصد بنگال میں باضابطہ سنسر کا محکمہ قائم کرنا تھا۔ ان ضابطوں کی نقلیں کلکتہ کے تمام اخباروں کے مدیروں مالکوں کو بھیجدی گئیں جنھوں نے ان نئے قاعدوں کی پہلی دفعہ کی پابندی کرتے ہوئے اپنے نام اور پتے حکومت کے سکریٹری کو روانہ کر دیے۔

سنسر کے اس نئے محکمہ کے لئے جو افسر مقرر کیا گیا تھا۔ اس کے لئے حسب ذیل اصول وضع کیے گئے۔

۱۔ قرضہ عامہ کمپنی کے مالیات اور سرکاری خزانے کے متعلق نہ تو کوئی خبر شائع ہو اور نہ ان معاملات پر کسی قسم کی رائے زنی کی جائے۔

۲۔ فوج، فوجی ذخیروں، رو کڑ کی آمد بحری و بری فوجی تیاریوں کی کوئی خبر نہ شائع کی جائے۔

۳۔ جہاز، خواہ وہ کمپنی کے ہوں یا کسی کے نجی ان کے آنے جانے کی خبریں نہ شائع ہوں۔

۴۔ کسی سرکاری افسر کے طرز عمل پر اظہار خیال نہ کیا جاوے۔

۵۔ لوگوں کے نجی معاملات کا کوئی ذکر نہ آنے پائے اور نہ کوئی ایسی بات چھاپی جائے جس سے کسی کی ہتک ہو۔

۶۔ کسی دیسی ریاست کے ساتھ کمپنی کی صلح یا جنگ کی خبریں نہ شائع ہوں۔

۷۔ کوئی ایسی خبر نہ چھپے جس سے دشمن کو کسی خبر کے ملنے کا امکان ہو یا جس سے

کمپنی کے حدود حکومت میں گھبراہٹ یا بدامنی پھیلنے کا احتمال ہو۔

۸۔ یورپ کے کسی اخبار کا کوئی ایسا اقتباس نہ شائع ہو جس سے برطانیہ کے اس اقتدار پر آنچ آنے کا احتمال ہو جو دیسی حکمرانوں پر قائم ہے۔

ان دکٹیٹرانہ ضابطوں کو حق بجانب قرار دینے کے لئے سرجان الکم نے یہ بیان دیا تھا۔

"ان قیود کے عائد کرنے کی غرض یہ تھی کہ جب تک سرکاری احکام مسلمہ شکل اختیار نہ کرلیں اس وقت تک ان کی اشاعت نہ ہونی چاہیئے۔ اور تجارت و سلطنت کے فوائد دشمنوں سے محفوظ رکھنے کی غرض ہے۔ جہازوں کی آمدورفت کی اشاعت ممنوع قرار دی گئی۔"

معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ پابندیوں پر ایڈیٹروں نے عمل نہیں کیا اور فوجی نقل وحرکت کی خبریں جن کی اشاعت ممنوع تھی انھوں نے چھاپیں چنانچہ سنہ ۱۸۰۱ء میں کلکتہ کے ایک اخبار کو خاص طور سے توجہ دلائی گئی کہ فوجی نقل و حرکت کی خبریں شائع کرنا ممنوع ہیں اس ایڈیٹر کے علاوہ اور تمام اخباروں کے ایڈیٹروں کو اسی قسم کی ہدایت کی گئی۔ اور جب سنہ ۱۸۰۲ء سنہ ۱۸۰۴ء میں مرہٹوں سے جنگ ہوئی تو دوران جنگ لڑائی کی خبریں اور جہازوں کی آمد ورفت کی خبریں چھاپنے کی سختی کے ساتھ ممانعت کی گئی۔ ۸ راکتوبر سنہ ۱۸۰۳ء کو اخبار کے ایڈیٹروں کو تحریر کیا۔

"امید کی جاتی ہے کہ اخباروں کے اڈیٹر جنگ کے دوران میں کسی حصے سے بھی جہازوں کی روانگی کی اطلاعیں یا ایسی خبریں نہ چھاپیں گے۔ جس سے دشمن کو صورت حال کا یا ملک معظم کی فوجی طاقت کا اندازہ ہو سکے"۔

گورنر جنرل کے اس سرکلر پر اڈیٹروں نے توجہ نہیں دی اور نظر انداز کردیا۔

جس کے بعد ۵ ار فروری ۱۸۰۴ء کو اسی مضمون کا باضابطہ حکم اخبار کے ایڈیٹروں کے نام روانہ کیا۔ پھر ۱۸۰۷ء میں ملک معظم کے جہازی بیڑے کی تقسیم کے متعلق خبریں شائع کرنے کی پاداش میں ایڈیٹران کو سرزنش کی گئی کیونکہ سرکاری احکام کی خلاف ورزی کی گئی تھی۔ سات اخباروں میں چھ اخبار کے نام امتناعی احکام جاری کیے گئے اور اخباروں اور چھاپے خانوں پر مزید پابندیاں لگا دی گئیں گورنر جنرل باجلاس کونسل کے حکم مورخہ ۷ اپریل ۱۸۰۸ء کے مطابق پبلک جلسے بھی ممنوع قرار دیئے گئے۔

یہ عہد لارڈ منٹو کا تھا۔ جس وقت اخبار تو کجا پریس کی بھی شکل ہندوستان میں دیکھنا انگریز پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ نصرت الاخبار دہلی مورخہ یکم اگست ۱۸۴۹ء میں زیر عنوان "واہ زمانہ کیا رنگ بدلتا ہے" ایک نوٹ لکھا ہے جس میں سر جان کئی کی کتاب سے اس عہد کے گورنروں کی اخبارات کے کیا پالیسی تھی اس پر روشنی ڈالی ہے اور نظام حیدر آباد کا ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

" اخیر نمبر کلکتہ ریویو میں ایک صاحب نے ایک نہایت پر لطف مضمون چھاپنے کی آزادی کی دقتیں اور مشکلوں کی نسبت تحریر کیا ہے جو اس کے اجراء میں اس ملک میں پیش آئیں ہیں وہ شروع سلطنت انگلشیہ سے ہر گورنر جنرل کے خیالات بابت تعلیم باشندگان وآزادی اخبار کے سرکاری پرانے کاغذات کا حوالہ دیکر لکھتا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ بجز جناب لارڈ ہشٹنگ ولارڈ بینٹنگ کے جن کی روشن ضمیری اور ہمدردی کی بدولت ہندوستان والوں کی آج یہ تعلیم اور اور بہتری ہے سب سے پیشتر کے حکام کی یہی ایک رائے تھی ان کو صرف تلوار کے زور سے دبائے رکھنا واجب ہے اور ان کو .... تعلیم دینا مثل سانپ کو دودھ پلانے کے ہے" وہ انگریز جو ہندوستانیوں کو علم و ہنر سکھلانے کا نام لیتا تھا اپنی قوم کا بدخواہ اور دشمن سمجھا جاتا تھا۔ عبارت ذیل میں جناب

مسر چاپان کئی صاحب کی تواریخ سے ترجمہ کرکے خدمت ناظرین میں پیش کرتا ہوں۔ اس کے ملاحظہ سے انھیں خیال ہوگا کہ شروع میں انگریز کس قدر تنگدل تھے اور چھاپے کی آزادی سے کس درجہ ڈرتے تھے۔

"ایک مرتبہ نظام حیدرآباد نے کپتان سیڈہم صاحب جو اس وقت وہاں کے رزیڈنٹ تھے یورپ کی علمی آلات صنعت و دستکاری کے نمونے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔ چنانچہ صاحب مذکور نے نواب صاحب کو ایک جنگی جہاز ایک آلہ ہوا اور ایک چھاپے کی کل بطور تحفہ منگوائی۔ جب لارڈ منٹو کو جو اس وقت گورنر جنرل ہند تھے اس امر کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے سخت ناراضی ظاہر کرکے رزیڈنٹ سے کیفیت طلب کی انھوں نے کس کی اجازت سے چھاپے کی کل ایسی خطرناک چیز ایک دیسی رئیس کے دربار میں داخل کردی اس کے جواب میں کپتان صاحب نے اپنی غلطی کا اقرار کیا اور یہ لکھا کہ میں آپ کو بڑی خوشی سے اطلاع دیتا ہوں کہ نواب صاحب نے چھاپے کی کل پر مطلق توجہ نہیں کی انھوں نے وہ کاریگری و صنعت کی چیزیں دکھلونے جو میں نے اور علمی آلوں کے ساتھ نذر کیں صرف پسند کیں اب کسی طرح کا اندیشہ نہیں ہے اگر اس پر بھی آپ کو خطرہ کا خوف ہو تو میں نواب صاحب کے توشہ خانہ میں جاکر جہاں وہ کل رکھی ہوئی ہے اور جہاں جانے کی مجھے بآسانی اجازت مل سکتی ہے اس کے پینچ ایسے بگاڑ آؤں کہ وہ پھر کام کے لائق نہ رہے۔"

سنہ ۱۸۱۱ء میں حکومت نے سنسر کے نئے ضابطے نافذ کیے۔ اب تک سنسر کے اختیار صرف اخباروں تک محدود تھے لیکن نئے ضابطوں کے تحت اخبار کے علاوہ تمام مطبوعات کو بھی سنسر نے اپنے دائرے میں لے لیا تھا۔ جس کے مطابق یہ ضروری قرار پایا کہ اخبار، کتاب یا اشتہار میں چھاپنے والے کا نام ضرور ہونا چاہیے کچھ دنوں کے بعد یہ بھی اضافہ کردیا گیا کہ جو کچھ بھی چھپے اس کے

چھپنے سے پہلے اس کا عنوان سرکاری افسر کے معائنہ کے لئے پیش کیا جائے۔
اس آخری اضافہ کے ساتھ سنسر کے محکمہ کو مکمل اختیارات حاصل ہو گئے۔
اس محکمہ کا افسر اعلیٰ مسٹر ایڈم کو مقرر کیا گیا۔ جو اخباروں کی آزادی کا سخت مخالف تھا چنانچہ ایڈم نے پوری قوت سے اخبارات کو جکڑا اور اخباروں کے لئے قاعدے وضع کئے جس پر سختی کے ساتھ عمل کرایا۔

ان پابندیوں کے خلاف برطانوی پارلیمنٹ کے ایک مخالف ممبر نے ۲۱ مارچ ۱۸۱۱ء کو پارلیمنٹ میں سوالات اٹھائے جس کا جواب حکومت کی طرف سے یہ دیا گیا۔

"معزز لارڈ کی یہ خواہش معلوم ہوتی ہے کہ ہندوستان کے اخبارات پر کسی قسم کی پابندی عائد نہ کی جائے اگر واقعی ان کا یہی مطلب ہے، تو کہنا پڑے گا کہ اس سے زیادہ وحشیانہ منصوبہ کسی انسان کے ذہن میں نہ آیا ہوگا۔ کہ انگلستان اور ہندوستان کے اخباروں کے ساتھ یکساں قاعدے برتے جائیں۔ بر عظیم ہندوستان میں اگر بلا اجازت اخبار نکالنے کی اجازت دیدی جائے تو سلطنت کی اینٹ سے اینٹ بج جائے گی"۔

۱۸۱۳ء میں جب لارڈ ہیسٹنگز نے لارڈ منٹو سے چارج لیا تو اس وقت کلکتہ بمبئی اور مدراس کے تمام اخبارات قانونی شکنجے میں کسے ہوئے تھے ان میں پہلا نمبر مدراس کا تھا۔ لارڈ ہیسٹنگز اخبارات کی آزادی کے حامی تھے۔ انھوں نے اپنے حکم سے سنسر کا محکمہ توڑ دیا۔ اور چھ سال کے بعد ۱۸۱۵ء میں حسب ذیل پابندیاں لگائیں۔ کہ اس قسم کے مضامین اخبارات میں چھپنے نہ چاہئیں۔

"کورٹ کے ڈائرکٹروں، دیگر افسران جن کا حکومت ہند سے تعلق ہو یا کونسل کے ممبران، یا ہائیکورٹ کے ججوں اور لارڈ بشپ پادری کے خلاف لکھنا۔

ہندستان کے دلوں میں دہشت یا خوف پھیلانا، یا کسی شخص کے خلاف توہین آمیز جملے لکھنا یا سوسائٹی میں نفرت پھیلانا۔"

یہاں تک جو پابندیاں عائد کی گئیں یہ ان اخبارات پر تھیں جو ہندستانی نہیں تھے بلکہ ان کے ایڈیٹر انگریز تھے اور یہ طبقہ بھی وہ تھا جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا مخالف تھا۔

ہندوستانی اخبارات یعنی بنگالی اور فارسی اخبارات کی ابتدا ۱۸۲۲ء سے ہوئی۔ یہ وہ دور تھا جب ٹامس منرو نے ۱۸۲۲ء میں ہندوستانی اخبارات کے بارے میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا تھا۔

" ہم نے اپنی سلطنت کی بنیادیں جن اصولوں پر استوار کی ہیں ان کی رو سے رعایا کو اخباروں کی آزادی نہ تو کبھی دی گئی ہے اور نہ کبھی دیجائیگی۔ اگر ساری رعایا ہماری ہم وطن ہوتی تو میں اخباروں کی انتہائی آزادی کو ترجیح دیتا۔ لیکن چونکہ وہ ہمارے ہم وطن نہیں ہے اس لیے اس سے زیادہ خطرناک اور کوئی چیز نہیں ہوسکتی .... اخباروں کی آزادی اور اجنبیوں کی حکومت ایسی چیزیں ہیں جو نہ تو ایک جگہ جمع ہوسکتی ہیں اور نہ مل کر ایک ساتھ چل سکتی ہیں۔"

تھامس منرو کے بیان کے ایک سال بعد ۱۸۲۳ء میں سر موگھم جج سپریم کورٹ نے بھی ہندوستانی اخبارات کے بارے میں اسی قسم کی رائے کا اظہار کیا۔

" ہندوستان میں (اخباروں کی) آزادی کا نفاذ بدترین قسم کا جرم ہوگا۔ مجھے مسرت ہوئی اگر کوئی صاحب میرے اس سوال کا جواب دے سکیں کہ ہندوستان میں ایک آزاد دستور کا ہم اگر نفاذ کردیں تو پھر اس ملک میں

خود ہمارے حقوق کن اصولوں کی بنیاد پر قائم رہ سکیں گے"۔

یہ وہ زمانہ تھا جب کہ لارڈ ہیسٹنگز گورنری سے علیحدہ ہو چکے تھے جو تھوڑی بہت اخبارات کی آزادی کے حامی تھے اور مسٹر ایڈم لارڈ ہیسٹنگز کی وجہ سے اخبارات پر ظلم نہیں کر رہا تھا۔ اب اس کو موقع ملا اور اس نے ہندوستانی اخبارات کے خلاف قانون بنانے کے لئے حسب ذیل مسودہ مرتب کیا۔

"چونکہ کلکتہ سے شائع ہونے والے اخباروں اور دوسری مطبوعات میں ایسے مضامین شائع کئے جاتے ہیں جو امن و آشتی اور سماجی زندگی کے اعلیٰ نظام کو درہم برہم کرنے والے اور اس حکومت کے خلاف جو قانوناً اس ملک میں قائم ہے نفرت وعداوت پیدا کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا تدارک کرنے کے لئے ضروری ہے کہ بنگال کے علاقہ فورٹ ولیم سے کسی زبان یا کسی رسم الخط میں شائع ہونے والے اخبارات رجسٹر، رسائل، پمفلٹ، کتابیں یا کاغذات جن میں عام خبریں یا خفیہ اطلاعات شائع ہوتی ہیں یا جن میں احکام و قوانین یا حکومت کی کارروائیوں پر نکتہ چینی کی جاتی ہے یا جس میں کسی سیاسی واقعے کا بیان ہوتا ہے یا اس کا ترجمہ شائع کیا جاتا ہے ان کے لئے باضابطہ قانون و قاعدے مرتب کر دیئے جائیں"۔

یہ مسودہ اپیلوں اور قانونی اعتراضوں کی منزلیں طے کرنے کے بعد دسمبر ۱۸۲۳ء میں آرڈیننس کی شکل میں نافذ کر دیا گیا جس کی اہم دفعات یہ تھیں۔

گورنر جنرل باجلاس کونسل سے لائسنس حاصل کئے بغیر کوئی شخص نہ تو کوئی کتاب یا اخبار شائع کریگا اور نہ چھاپہ خانہ یا ٹائپ چھاپنے کا کوئی اپنے قبضہ میں رکھیگا۔ اگر کوئی شخص بغیر لائسنس حاصل کئے ہوئے کتاب یا اخبار شائع

کرے گا یا بلا لائسنس کے چھاپے خانے کا ٹائپ یا چھاپنے کا کوئی سامان رکھیگا تو جس علاقہ میں یہ جرم عمل میں آیا ہوگا۔ اس علاقے کے مجسٹریٹ یا جوائنٹ مجسٹریٹ کی عدالت میں اس پر مقدمہ چلایا جائے گا اور اس جرم کی سزا ایک ہزار روپے جرمانہ یا عدم ادائیگی کی صورت میں چھ مہینے تک قید محض کی سزا دی جائے گی۔

لائسنس کی منسوخی کے بعد کسی شخص نے اس چھاپے خانہ، ٹائپ یا چھاپنے کے اور دوسرے سامان سے کچھ چھاپا یا چھاپنے دیا تو اس کو وہی سزا دیجائے گی جو اس قانون کی دفعہ میں بیان کی گئی ہے اور اسی قانون کی دفعہ ۳ کے مطابق چھاپہ خانے ٹائپ اور چھاپنے کا دوسرا سامان معہ مطبوعہ اخبارات اور کتابوں کے جو وہاں موجود ہوں گی ضبط کرکے سب سامان قرق کرلیا جائے گا۔

لائسنس یافتہ چھاپے خانہ میں جو کتاب یا اخبار شائع ہوا اس کا ایک نسخہ قیمتاً مجسٹریٹ کو بھیجا جائے جو اس کو فوراً گورنمنٹ کو روانہ کرے گا۔ باضابطہ لائسنس یافتہ چھاپے خانے میں جو کتاب یا اخبار شائع ہو اس کے پہلے اور آخری صفحہ پر صاف حرفوں میں پرنٹر کا نام درج کیا جائے۔ جہاں کتاب یا اخبار چھاپا گیا ہو۔

اس آرڈیننس کے بارے میں پبلک سے اعتراضات بھی طلب کیے گئے۔ چنانچہ راجہ رام موہن رائے نے پانچ اور معزز ہندوستانیوں کے دستخطوں سے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی۔ ان کا اعتراض یہ تھا۔

"علم کا نفوذ مسدود ہو جائے گا مشرق کی علمی زبانوں کے جو تراجم زبانوں میں آرہے ہیں اور غیر ملکی مطبوعات کی وساطت سے علم کی جو اشاعت ہو رہی ہے اس کا بھی سد باب ہو جائے گا۔ اور ذہنی اصلاح کے جس نئے دور کا آغاز ہوا ہے اس کا بھی اس قانون کے بعد خاتمہ ہو جائیگا"۔

راجہ موہن رائے کی یہ اپیل سپریم کورٹ نے خارج کردی اور یہ فیصلے

میں لکھا "ان کے علم میں کوئی جگہ دنیا میں ایسی نہیں ہے جہاں کلکتہ سے زیادہ علمی آزادی لوگوں کو حاصل ہو"۔

سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف راجہ رام موہن رائے نے ملک معظم کی خدمت میں اپیل روانہ کی جس کی عبارت کے یہ آخری الفاظ ہیں "ملک معظم کی وفادار رعایا عاجزی کے ساتھ مستدعی ہے کہ متذکرہ بالا قاعدے آرڈیننس اور رگولیشن جن کی ملک معظم کی عدالت کے جج نے تصدیق بھی کر دی ہے ان کا نفاذ روک دیا جائے اور اس ملک کے حکام کے نام امتناعی حکم جاری فرمایا جائے کہ ملک معظم کی وفادار رعایا کو جو رعایتیں حاصل ہیں ان میں تخفیف کرنے اور ان کے حقوق کو پامال کرنے کے لئے وہ قانونی اختیارات حاصل کرنے سے احتراز کریں اور حضور کو اور حضور کے وزرار کو جو شاہی اختیارات حاصل ہیں ان کو ہندوستان کے عمال استعمال نکریں"۔

آخر اس اپیل کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلی اپیل کا ہوا تھا یہ بھی خارج ہوئی۔

اس آرڈیننس کے خلاف کلکتہ جنرل کے مالک مسٹر فرگوسن نے بھی سپریم کورٹ میں اپیل کی تھی عدالت نے اس اپیل کو بھی خارج کیا لیکن سر موتھم صدر جج نے جن خیالات کا اظہار اپنے فیصلہ میں کیا ہے اس سے برطانوی ذہن اور انداز فکر کا پتہ چلتا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"میں جانتا ہوں کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ہندوستان اس قابل ہے کہ یہاں بھی وہی آزادی دی جائے جو انگلستان میں لوگوں کو حاصل ہے لیکن مجھے اس کا بھی علم ہے کہ بہتوں کی رائے اس کے برعکس ہے انھیں

لوگوں میں سر ولیم جولنس (سپریم کورٹ کے چیف جسٹس) بھی ہیں جو آزادی کے پر جوش اور پر زور شیدائی ہیں لیکن ان کا خیال ہے کہ ہندوستان میں آزادی کا نفاذ بدترین قسم کا ظلم ہوگا ...... میں کہوں گا کہ آزاد اخبار نویسی اور اس طرز کی حکومت جیسی یہاں قائم ہے متضاد چیزیں ہیں جو نہ تو یکجا ہو سکتی ہیں اور نہ مل کر ایک ساتھ چل سکتی ہیں۔ مسٹر بکنگھم کو ملک بدر کرنے کا نتیجہ کیا نکلا ایک دوسرے صاحب نے اخبار کی ادارت کے فرائض سنبھال لیے اور فرماتے ہیں کہ ان کو ہندوستان سے نکالا نہیں جاسکتا کیا اس طرح کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے قانون نہ بنایا جائے۔ میں پھر کہوں گا کہ یہ حکومت اور آزاد اخبار نویسی ایک جگہ پر جمع نہیں ہو سکتی اور ایک ساتھ نہیں چل سکتی۔"

۱۸۲۸ء میں لارڈ ولیم بنٹک ہندوستان کے گورنر جنرل مقرر ہوئے۔ ان سے قبل کے حکمرانوں کا دور مسٹر ایڈیم کے آرڈیننس کی وجہ سے اخباروں کے لیے بڑی تکلیف اور پریشانیوں کا باعث بنا لیکن ایڈم کے جانشیں لارڈ امہرسٹ نے شروع میں ایڈم کے طریق کار پر عمل کیا مگر وہ جلد ہی حکومت سے اخباروں کے جھگڑے ہوتے تھے اس سے اکتا گئے تھے۔ اور انھوں نے اپنی پالیسی نرم کر دی تھی اور ایڈم کا قانون نیم جاں ہوگیا تھا اور نظر انداز کرنے کے طریقہ پر عمل درآمد ہونا شروع ہوگیا تھا چنانچہ ۱۸۳۵ء میں یہ قانون مٹکاف نے منسوخ کر دیا۔

اس قانون کے منسوخ ہونے کے بعد ہندوستانی اخبارات موقع پاکر غلامی کے خلاف لکھتے رہتے تھے جس کی بنا پر ایک انگریزی اخبار دی پنجابی لاہور نے ۲۸ مارچ ۱۸۵۷ء کے شمارے میں یہ شکایت کی۔

لہ ہندوستانی اخبار نویسی صفحہ ۲۵۸

"ہمیں معلوم ہوا ہے کہ بہت سے دیسی اخبار ہماری فوج کے دیسی سپاہیوں میں تقسیم ہوتے ہیں .... لیکن جب کوئی دیسی اخبار مذہبی جذبے سے سرشار ہوتا ہے تو اس کی نوعیت بدتر ہو جاتی ہے ..... ہم ایسا لکھنے پر اس لئے مجبور ہوئے ہیں کہ ہماری توجہ لکھنؤ کے ایک دیسی اخبار کی کی طرف دلائی گئی ہے جو ہماری فوج میں پڑھا جاتا ہے اور اس نے بیرک پور کے ہنگاموں کی خبریں اس انداز سے پیش کیں جن سے شرارت کا امکان ہے"

اس کے بعد اینگلو انڈین اخبارات نے ہندوستانی اخباروں پر پابندی لگانے کا مطالبہ کیا۔ لیکن اتفاق کی بات ہے کہ ۱۸۳۵ء سے ۱۸۵۷ء تک بائیس سال کے عرصہ میں اخباروں اور حکومت کے مابین کوئی تصادم نہیں ہوا۔ مگر جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء کے شروع ہونے کے بعد ۱۲ رجون ۱۸۵۷ء کو اخباروں پر پابندی لگا دی گئی۔ جو نیا قانون نافذ ہوا تھا وہ ۱۸۲۳ء کے قانون سے ملتا جلتا تھا۔ جس کو ۱۸۳۵ء میں مٹکاف نے ختم کر دیا تھا۔ اس قانون کو قانونِ زباں بندی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اس کے ماتحت ہر چھاپے خانے کیلئے لائسنس لینا ضروری تھا حکومت کو اختیار مل گیا تھا کہ وہ جس اخبار کو چاہے بند کر دے اور جس اخبار پر چاہے سنسرشپ کی پابندی لگا دے اور یہ قانون دیسی اور انگریزی دونوں قسم کے اخباروں پر جاری تھا۔

لارڈ کیننگ نے اپنی کونسل میں اس قانون کے جواز میں جو تقریر کی اسمیں بتایا کہ پچھلے چند ہفتوں میں دیسی اخباروں نے خبریں مہیا کرنے کی آڑ میں دیسی باشندوں میں بغاوت کے جذبات پیدا کر دئے ہیں اور یہ کام نہایت ستعدی چالاکی اور عیاری کے ساتھ کیا گیا ہے۔ انھوں نے یورپی صحافت کی وفاداری کا

کو بہت سراہا۔ لیکن یہ بھی کہا کہ ہم نے دیسی اور یورپی صحافت دونوں کے لئے اس غرض سے قانون نافذ کیا ہے کہ بعض اوقات انگریزی اخباروں میں ظاہراً بے ضرر چیزیں چھپتی ہیں لیکن جب ان کا ترجمہ دیسی اخبار میں چھپتا ہے تو وہ خطرناک نوعیت کا حامل ہو جاتا ہے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں دہلی اردو اخبار دہلی، صادق الاخبار دہلی، سراج الاخبار دہلی، دوربین کلکتہ، سلطان الاخبار کلکتہ، گلشنِ نوبہار کلکتہ، حبیب الاخبار بدایوں، اور عمدۃ الاخبار بریلی نے علی الاعلان حصہ لیا۔ جنگ کی خبریں انگریزوں کے خلاف چھاپیں اور ہر وہ جتن کئے جس سے انگریزوں کو شکست ہو اور ہندوستانی فوج فتح پائے۔

جنگ آزادی کی ناکامی کے بعد مذکورہ اخباروں سے دل کھول کر حکومت نے بدلہ لیا۔ پھانسی پر چڑھایا، جیل میں زندگی بتوائی۔ عدالتوں میں چکر لگوائے۔ لائسنس منسوخ کیا، سامان ضبط کیا اور اخبار کو موت کے منہ میں پہنچایا اور بند کرایا۔

اس انتقامی کارروائی کرنے پر اینگلو انڈین اخبارات نے شادیانے بجائے اور دل کھول ہندوستانی اخبارات کو مطعون کیا اور حکومت کو یہ مشورہ دیا کہ ان پر کبھی بھی پابندی نہ اٹھائی جائے۔ چنانچہ پنجابی لاہور نے اپنے پرچے ۱۱ر جولائی ۱۸۵۸ء میں اسی قسم کا مشورہ حکومت کو دیا۔

"دیسی صحافت نے عوام میں مقبولیت کے لئے نہ اعتدال پسندی کو بنیاد بنایا نہ سچائی کو۔ اب اسے اپنے کئے کی سزا مل گئی ہے کیونکہ وہ زنجیروں میں اور بیڑیوں میں جکڑ دئے گئے ہیں اور شرارت کے دروازے بند ہو گئے ہیں۔ ہم نے تو کبھی یہ پالیسی پسند نہیں کی کہ ان اخبارات کو آزادی دے دی جائے جن کے چلانے والے ایک عظیم

جہالت کی وجہ سے زمانہ بھر میں رسوا ہیں اور پہلے درجے کے ناشکرے ہیں ہمیں یقین ہے کہ آج کی لگائی ہوئی پابندی کبھی نہیں اٹھائی جائے گی۔ کم از کم یہ ایک سو سال تک تو ضرور قائم رہے گی"

چنانچہ گارسان دتاسی نے بھی ہندوستانی اخبارات کی آزادی کا گلہ کیا۔ اور اسی کو باعث جنگ قرار دیا۔ وہ لکھتا ہے۔

"ان منحوس کارتوسوں کی تقسیم کے موقع پر ہندوستانی اخبارات نے جو بددلی پھیلانے میں پہلے ہی سے مستعدی دکھا رہے تھے اپنی غیر محدود آزادی سے فائدہ اٹھا لیا اور اہل ہند کو کارتوسوں کو ہاتھ لگانے سے انکار کرنے پر آمادہ کر دیا اور یہ باور کرایا کہ اس حیلے سے انگریز ہندوستانیوں کو عیسائی بنانا چاہتے تھے"

ہندوستانی اخبارات کی آزادی کو کچلنے والے قانون کی مدت ایک سال سے زیادہ نہیں ہوئی یہ ایک سال ہی میں ختم ہوگیا اور اینگلو انڈین اخبارات ہاتھ مسلتے رہ گئے۔

اخبارات کی گردن پر جو قانون کی چھری چلتی رہتی تھی وہ تو ختم ہوگئی۔ لیکن انگریزوں نے ہندوستانی سرمایہ کی لوٹ کھسوٹ شروع کر دی انگلستان دھڑا دھڑ پہنچایا جانے لگا اور ہندوستانیوں کے ساتھ انگریزوں نے ذلت آمیز سلوک بھی شروع کر دیا۔ ذرا ذرا سی بات پر ان کی تذلیل کرتے تھے انگریز ہندوستانیوں کو قتل کرتے تو عدالتیں انگریز قاتلوں کو بلا سزا دیے رہا کر دیتی تھیں۔ اگر سزا بھی دیتی تو بہت معمولی سی قتل و غارت گری اور بے عزتی کا سلسلہ ختم ہونے کو نہ آتا تھا۔ تقریباً روزانہ اس قسم کے واقعات ظہور میں آنے لگے تھے۔ ہندوستانی اخبارات اس توہین کو برداشت نہیں کرتے

تھے اور نہ ہی یہ چاہتے تھے کہ ہندوستانی سرمایہ غیر ملک میں جائے۔ یا انگریزی فوج خواہ وہ مصر و انگلستان یا روس جائے اس پر خرچ ہو۔ چنانچہ ان حرکتوں کے خلاف لکھتے رہتے تھے۔

انگریزی حکمران طبقہ اس قسم کی تحریروں اور نکتہ چینی سے چوکنا ہو گیا۔ اور اس نے سوچا اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہا تو ہماری حکومت کی خیر نہیں ہے۔ اس طرح انگریزی راج کی جڑیں کھوکھلی ہو جائیں گی۔ چنانچہ طے ہوا کہ دیسی اخبارات پر پابندیاں عائد کی جائیں اور اس کام کے لئے وائسرائے کونسل کے ایک ممبر سر جے اے ارسکنہ ٹامٹ کو مقرر کیا گیا۔ انھوں نے دیسی اخباروں کی تحریروں کے مذکورہ نکتہ چینیوں کے اقتباس جمع کیے اور وائسرائے کی خدمت میں پیش کیے جس کی بنا پر ۱۸۷۸ء میں لارڈ لٹن نے ورنیکلر پریس ایکٹ نافذ کیا اور یہ بیان دیا۔

" دیسی اخباروں کی باغیانہ روش نے حکومت کو مجبور کر دیا کہ وہ غیر معمولی رواداری میں کمی کرے آزادی صحافت ایک عنایت ہے جسے نہایت عقل و دانش کے ساتھ استعمال کرنا ضروری ہے یہ کوئی مقدس مجسمہ نہیں جس کی پرستش کو ہر حال میں مذہبی فریضہ سمجھا جائے۔

اس قانون کی رو سے صرف دیسی زبانوں میں چھپنے والے اخبار پابند کیے گئے تھے اس کے تحت پر دیسی اخبار کے پرنٹر اور ناشر کو اس امر کی ضمانت دینے پر مجبور کیا جا سکتا تھا کہ وہ کوئی ایسا مواد نہ چھاپے گا جس سے حکومت کے خلاف نفرت کے جذبات پیدا ہوں۔ یا برطانوی رعایا کے مختلف طبقات میں باہمی مخالفت و حقارت روز بکڑے اگر اخبار ایسا مضمون چھاپتا تو پہلے اس کو متنبہ کیا جاتا تھا اگر دوسری مرتبہ ایسی حرکت کرتا تو اس کا

چھاپہ خانہ ضبط کر لیا جاتا تھا۔

اس قانون کی حمایت سرکاری نوکروں اور انیگلو انڈین اخبارات کے علاوہ کسی اور نے نہیں کی۔ ہر طرف سے اس کی مخالفت کی گئی۔ حتیٰ کہ برطانوی پارلیمنٹ میں اس کو "سخت گیر" کہا گیا۔ اور اس امتیازی پہلو کو بھی بری نگاہ سے دیکھا گیا کہ اس قانون کا اطلاق صرف دیسی اخبارات پر ہوتا تھا اور انیگلو انڈین اخبارات کو اس سے مستثنیٰ کیا گیا تھا۔ عام طور پر اس قانون کے بارے میں یہ خیال تھا کہ یہ قابلِ عمل نہیں ہوگا چنانچہ ہوا بھی یہی کہ چار سال کے بعد ۱۸۸۲ء میں لارڈ درپن نے اس قانون کو منسوخ کر دیا۔ اور دیسی صحافت کو آزادی کا سانس لینے کا موقع ملا۔

۱۸۹۱ء میں پولیس کے ذریعہ اخبارات کو پریشان کیا جانے لگا تھا۔ اور پولیس کے ملازم ہر سال کے بعد اخبار کے مالکوں سے اخبارات کے متعلق دریافت کرتے تھے جس کے خلاف ہندوستانی اخبار اور انیگلو انڈین اخباروں نے متفق ہو کر حکومت سے احتجاج کیا۔ اس احتجاج میں منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور پیش پیش تھے۔ چنانچہ اس معاملہ پر ۳۰ جنوری ۱۸۹۳ء کے پیسہ اخبار نے روشنی ڈالی ہے۔

"۱۸۹۱ء کے شروع میں پیسہ اخبار نے محکمہ پولیس اور دیسی اخبارات کے تعلقات پر کئی مدلل آرٹیکلوں پر بحث کی تھی ..... منشی محبوب عالم اڈیٹر پیسہ اخبار نے جو امور پیش کئے مسٹر رابنسن ایڈیٹر سول ملٹری گزٹ اور پریسیڈنٹ پنجاب پریس ایسوسی ایشن نے ان کا مسودہ مرتب کیا تھا۔ ان میں علاوہ دیگر امور کے اس بات کی بھی شکایت کی گئی تھی کہ پولیس ملازم اہلِ اخبارات سے ہر سال کے بعد اخبارات کے متعلق دریافت کرتے ہیں اور یہ امر اہلِ اخبارات کی شان کے خلاف

ہے اور اخبارات کی عزت پر بُرا اثر ڈالتا ہے چنانچہ اس ہفتہ میں ہی حالات جو اخبارات کی نسبت سرکار میں دریافت کیے جاتے ہیں بجائے پولیس کے ایک کانسٹبل یا سارجنٹ کے صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور کی ایک پولانٹ چٹھی کے ساتھ محکمہ تعلیم کے ایک اہلکار کی معرفت مناسب و معقولیت کے ساتھ دریافت کیے گئے ہیں"۔

پولیس کے بعد ڈاکخانہ کو اختیار دینے پر غور کیا جانے لگا تھا کہ جس اخبار میں باغیانہ مضمون یا عبارت ہو اس کو ڈاک خانہ میں روک دیں اور مقررہ مقامات پر نہ جانے دیں۔ اس قانون کے خلاف ۳۱ جنوری ۱۸۹۸ء کے دکیل میں ایک تبصرہ شائع ہوا ہے۔

"سرکار چاہتی ہے کہ ڈاک خانہ کے ذریعہ مغویانہ مضامین کی اشاعت نہ ہو اس وجہ سے ڈاک خانہ کے افسران کو اختیار دے گی کہ جس تحریر کو باغیانہ سمجھیں بذریعہ ڈاک جانے سے روک دیں سوال یہ ہے کہ یہ فیصلہ کون کرے گا کہ کوئی تحریر باغیانہ ہے یا نہیں؟ ڈاکخانہ میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں ہے جو اپنے اہلِ ملک کے حقوق پامال کرنے کے خواہاں نہ ہوتے ہوں کہ سرکار ان کے ساتھ رعایت کرے۔ کیا ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ملک کی آزادی چھوڑ دی جائے گی۔ جدید قانون ڈاکخانے میں جو اس وقت کونسل وائسرائے میں پیش ہے علاوہ متذکرہ بالا دفعہ کے یہ بھی ایک دفعہ بڑھائی جائے گی کہ جس وقت ملک میں عام شورش دیکھی جائے اس وقت افسران ڈاک خانہ کو اختیارات حاصل ہونگے کہ وہ جس تحریر یا مطبوعہ کاغذ کو چاہیں گے روک دیں گے اس امر کے فیصلے کے لئے کہ آیا اس کا وقت آگیا ہے یا نہیں کہ کاغذات کی اشاعت

روکی جائے صرف ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ سکریٹری آف اسٹیٹ اکانومبر نے انڈیا آفس کی خواہش سے حکم دیا ہے کہ کوئی کاغذ کینیڈا سے ہندوستان کو ایسا نہ بھیجا جائے جس سے بغاوت پیدا ہو جاوے۔ سرکار کو معلوم ہوا ہے کہ کینیڈا کی آزاد سوسائٹی جو اس غرض سے قائم ہوئی ہے کہ بجائے انگلستان کے تعلق رکھنے کے امریکہ سے بھی تعلق پیدا کرے۔ ہندوستانیوں سے خط و کتابت شروع کی ہے شاید آزادی حاصل کرنے کے لئے خط و کتابت کی ہے اس خط و کتابت کو روکنا چاہیئے مگر بجائے اس کے کہ گورنمنٹ اشارہ و کنایہ سے مطلب ظاہر کرے بہتر ہوگا اگر وہ ظاہر کرے کہ کون ہندوستانی ہیں جو چاہتے ہیں کہ کینیڈا کے مفسدین سے شرکت کریں۔ ملک اور گورنمنٹ کے لئے بہتر ہے کہ ایسے لوگوں کے نام ظاہر کئے جائیں تاکہ ایسی حرکات کا بہ آسانی تدارک ہو سکے"۔

۱۸۹۷ء میں بمبئی میں طاعون پھیلا جس کی روک تھام کے لئے حکومت نے یہ قدم اٹھایا کہ جو شخص مر جائے اس کے ورثا اس کے بارے میں یا تو ڈاکٹری سرٹیفکٹ پیش کریں کہ وہ طاعون یا مرض وبائی سے مرا ہے اگر وہ سرٹیفکٹ پیش نہیں کریں گے تو اس کا معائنہ قبرستان یا مرگھٹ میں کیا جائے گا۔

اس سلسلے میں حکومت نے مریضوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کیلئے فوجیوں کے ذریعہ مکانوں کی تلاشی لوائی جس سے ہندوستانیوں کے دلوں میں طرح طرح کے شکوک پیدا ہوئے اور یہ شکوک و شبہات ملک بھر میں پھیل گئے جسکی وجہ سے ملک بھر میں ہنگامے ہونے شروع ہو گئے اور ان ہنگاموں میں اس لئے بھی تیزی پیدا ہوئی کہ حکومت اخبارات اور ہندوستانی لوگوں کے خلاف ان کے خیالات و جذبات اور حرکات کو کچلنے کے لئے قانون نافذ کرنا چاہتی تھی۔

معلوم ہوتا ہے کہ ان ہنگاموں کا سلسلہ آٹھ نو مہینے تک چلا۔ اس تحریک کی قیادت مسٹر تلک کر رہے تھے۔

یہ ہنگامے بالکل ایسے ہی تھے جیسے کہ جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں ہوئے تھے کہ منظم ہو کر انگریزوں کے قتل کی سازشیں بنتی تھیں۔ اور سرِ عام انگریزوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ۹ مارچ ۱۸۹۸ء میں جو ہنگامہ ہوا۔ اس میں اسی قسم کی باغیانہ حرکتیں عمل میں آئیں جس کی تفصیل وکیل امرتسر نے ۱۴ مارچ ۱۸۹۸ء کے شمارے میں شائع ہوئی ہے۔

"بمبئی میں طاعون کی تیزی میں روزافزوں ترقی ہو جانے پر مجلس انتظام نے قاعدہ جاری کر دیا تھا کہ جو شخص مرے اس کی نسبت یا تو ڈاکٹری سارٹیفکٹ پیش کیا جائے کہ وہ طاعون یا کسی مرض وبائی میں نہیں مرا ہے یا متوفی کے جسم کا مرگھٹ یا مدفن پر معائنہ کیا جائیگا۔ اس پر عام ناراضگی پھیل گئی اور چونکہ جہالت یا حمیت جاہلیہ کا مادہ مسلمانوں میں، نسبتاً زیادہ موجود ہے ان کی ناراضی نے جلد عملی صورت اختیار کر لی ۵ مارچ کو چند بوہروں نے نل بازار کے قریب ایک تفتیش کنندہ جماعت پر حملہ کیا مگر فساد زیادہ بڑھنے نہ پایا اور کئی مفسد گرفتار کر لئے گئے۔ دوسرے دن مسلمانوں نے اسی نئے قاعدے کے برخلاف گورنمنٹ کی خدمت میں میموریل بھیجنے کے لئے عام جلسہ کیا اس عام ناراضگی کو دیکھ کر نواب گورنر بہادر نے مختلف قوموں کی معززین کے ڈیپوٹیشنوں سے ملاقات کرنے کے لئے بدھ (۹ مارچ) کا دن مقرر کیا۔ جس دن بدقسمتی سے بمبئی میں ایسا طوفان بے تمیزی برپا ہو گیا جس کی نظیر ایک طرح سے بمبئی کی گذشتہ تاریخ میں نہیں مل سکتی۔ اس طوفان کی ابتدا پہلے مدن پورہ محلہ سے شروع ہوئی

جہاں اہل محلہ نے ایک تفتیش کنندہ جماعت پر حملہ کیا اور پولیس پر پتھر برسانے شروع کر دئے حتیٰ کہ پولیس ایسے زغہ میں مبتلا ہوگئی کہ مسٹر دستور چہارم پریسیڈنسی مجسٹریٹ نے اسے باڑھ مارنے کی اجازت دے دی جن سے کئی حملہ آور سخت مجروح ہوکر گر پڑے۔ دریں اثنا فساد کی خبر دوسرے محلوں میں پہنچ گئی اور جا بجا ہنگامہ و بلوہ برپا ہوگیا گرانٹ روڈ پر دو گورہ سپاہی جان سے مارے گئے۔ پولیس کے یورپین افسروں کی بڑی گت بنائی گئی۔ مسٹر ڈاسن انسپکٹر حفظان صحت نے دو دیسیوں کو پستول سے گرایا اور تیسرے کو نشانہ بنانے ہی لگے تھے کہ اس نے پستول کی نالی مسٹر مذکور کی طرف کر دی اور وہ گولی لگتے ہی ہلاک ہوگئے۔ آخر فوج کے پہنچ جانے پر شام کو کسی قدر امن قائم ہوگیا اگر فوج وقت پر نہ پہنچتی تو بمبئی میں کچھ عرصہ کے لئے بدمعاشوں کی حکومت ہوجاتی۔ جو اس قلیل عرصہ میں بھی چند بلوائی ہسپتالوں کو جلانے اور دیگر نقصان پہنچانے میں کامیاب ہوگئے ۔ ۔ ۔ ۔ بمبئی میں پہلے بھی اکثر فساد ہوتے رہے ہیں مگر وہ صرف ہندو مسلمانوں میں ہوتے تھے یورپینوں سے کوئی تعرض نہیں کرتا تھا اس فساد میں کل دیسی بلا تمیز مذہب یورپینوں پر حملہ آور ہوئے اس سے گورنمنٹ پر واضح ہوگیا ہوگا کہ طاعونی قواعد نے گو وہ سراسر بنانے ملک کی بہتری اور سلامتی کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ دیسیوں کی رسم و رواج کے نقیض ہونے کی وجہ سے یہاں کی متضاد عناصر کو بھی ان کی مخالفت پر کیسا متفق کر دیا۔ ۹ر مارچ کے بلوہ میں چار آدمی قتل، تین نہایت سخت زخمی اور تین پولیس افسر مجروح ہوئے مسٹر دستور بھی زخمی ہوا بعد میں معلوم ہوا کہ تین یورپین اور سات بلوائی

ہلاک ہوئے اور ساٹھ ملزم اسی دن گرفتار کیے گئے۔ ۹ر مارچ کے بعد کوئی بلوہ نہیں ہوا۔ فوج دن رات بازار میں گشت کرتی رہتی ہے۔ تلاشی پر اکثر گھروں سے لاٹھیوں کی مقدار کثیر برآمد ہوئی ہے ایک مسلمان قلی کا بیان ہے کہ جمعہ کی صبح کو اچانک حملہ آور ہو کر ہم فرنگیوں کو جو بازاروں میں ملیں قتل کر دینے کی صلاح کی گئی تھی۔ ۱۱ر مارچ کو ۱۵ ہزار قلیوں اور ۵ ہزار گاڑی بانوں نے جو بندرگاہ میں کام کرتے تھے کام چھوڑ دیا تھا کہ ہماری عدم موجودگی میں ہمارے گھروں کی تلاشی لیجا کر گھر والوں کو کمپوں میں بھیجا دیا جاتا ہے اور مکان کھلے چھوڑ دیے جاتے ہیں۔ مگر حکام کی جدوجہد سے یہ لوگ سیدھے ہو گئے ۱۱ر مارچ تک ۱۰۹ آدمی گرفتار ہو چکے تھے۔ ہر روز اور بھی پکڑے جا رہے ہیں۔ چار مجروحین کے مرجانے سے دیسی مقتولین کی تعداد ۱۲ر مارچ تک ۱۱ ہو گئی تھی مزید بلوہ کا اندیشہ باقی ہے،

اس قسم کے ہنگاموں کو دیکھ کر جو ملک بھر میں ہو رہے تھے حکمران طبقہ نے اخبارات اور عوام کو کنٹرول کرنے کے لیے تعزیرات ہند کی دفعہ ۱۲۴ الف اور دفعہ ۵۰۵ میں ترمیم کرنا ضروری سمجھا۔ چنانچہ یہ ترمیمیں لجیلیٹو کونسل کے اجلاس میں مسٹر چامرز قانونی ممبر نے پیش کیں اور ان پر ایک طویل تقریر کی۔ جس کا حسب ذیل خلاصہ ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۷ء کے وکیل امرت سر میں شائع ہوا۔

"پہلے چند مہینوں کے واقعات اسبات کے متقاضی ہیں کہ مفویانہ وفتنہ انگیز تحریروں اور تقریروں کے متعلقہ قانون کی طرف خاص توجہ کی جائے .... پہلا سوال یہ تھا کہ ہم کو دفعہ ۱۲۴ الف کی ترمیم کی ضرورت ہے۔ میری

رائے ہے کہ اس کی عبارت صاف اور واضح نہیں یہ دفعہ فتنہ انگیزی کے جرم کے لئے ۱۸۷۰ء میں سر جیمز سٹیفن کی تحریک پر تعزیرات ہند میں ایزاد کی گئی تھی اور اس نے مسودہ کو پیش کرتے وقت کہا تھا کہ اس ایزادی کا مدعا یہ ہے کہ ہند کے قانون کو انگلستان کے قانون کے مشابہ بنایا جائے۔ کلکتہ الہ آباد اور بمبئی ہائیکورٹوں نے فیصلہ کر دیا ہے کہ گورنمنٹ کے برخلاف نفرت یا بغض کے خیالات رعایا میں پیدا کرنا مستوجب تعزیر جرم ہے خواہ لوگوں کو سرکار کی عملی مخالفت کرنے پر نہ اکسایا جائے اور یہی انگریزی قانون کا منشا ہے تاہم مجموعہ ضوابط میں قانون کی عبارت مبہم نہیں ہونی چاہیئے اور علاوہ بریں گو تین متذکرہ بالا کورٹوں نے قانون کی تعبیر یکساں کی ہے لیکن چونکہ دوسرے ہائی کورٹ اور چیف کورٹ ان کے فیصلوں کے پابند نہیں ہیں اس لئے دفعہ ۱۲۴ الف کی عبارت بدل کر واضح و مفصل کر دیجاتی ہے انگلستان میں خواہ بدنیت سے جو تقریر یا تحریر ہو۔ وہ مجرمانہ ہے اور نیت کا قیاس الفاظ سے کیا جاتا ہے ان الفاظ کے استعمال کرنے والے کی واقعی نیت کا کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا۔ پس گورنمنٹ تجویز کرتی ہے کہ موجودہ دفعہ منسوخ ہوکر اس کی جگہ مندرجہ ذیل دفعہ ایزاد کی جائے۔

"جو کوئی شخص الفاظ یا تحریر یا اشارہ و کنایہ یا کسی اور طرح سے ملکہ معظمہ یا گورنمنٹ کے خلاف لوگوں کے دلوں میں نفرت یا حقارت پیدا کرے یا پیدا کرنے کی کوشش کرے یا ان کے برخلاف خیالات بدخواہی کو پیدا یا پیدا کرنے کی کوشش کرے یا ملکہ معظمہ کی رعایا کے مختلف گروہوں میں عناد اور رنجیدگی بڑھانے کی کوشش کرے وہ حبس دوام بعبور

دریائے شور یا کسی کم میعاد کے لئے جس کے ساتھ جرمانہ بھی ایزاد کیا جاسکتا ہے یا سزا قید کی جس کی میعاد دس برس تک ہوسکتی ہے اور جس کے ساتھ جرمانہ بھی ایزاد کیا جاسکتا ہے یا جرمانہ کی سزا کا مستوجب ہوگا۔ بدخواہی کے خیالات پیدا کرنے میں نمک حرامی اور ہر قسم کی دشمنی یا مخالفت شامل ہے گورنمنٹ کے افعال و احکام پر جایز وسائل سے ان میں تغیر و تبدل کرانے کی نیت سے اس طرح نکتہ چینی کرنا کہ بغض یا نفرت یا بدخواہی پر آمادہ نہ کیا جائے اور نہ آمادہ کرنے کی کوشش کی جائے اس دفعہ کی رو سے جرم نہیں ہے"۔

" اس کے بعد صاحب موصوف نے تعزیرات ہند کی دفعہ ۵۰۵ (بغاوت یا جرائم مخالف امن خلایق کرانے کی نیت سے جھوٹا بیان یا جھوٹی افواہ وغیرہ پھیلانا جس کی سزا دو برس تک کی قید ہے) کی ترمیم پیش کی موجودہ دفعہ میں جھوٹ شرط لازمی تھی اب اس کو اڑا دینے کی تجویز ہے اور یہ ملزم کا فرض ہوگا کہ اپنے بیان کو سچا ثابت کرنے کے ساتھ ہی یہ یقین دلائے کہ وہ بغاوت یا بدامنی پھیلانے کی نیت سے نہیں کیا گیا تھا۔ یعنے اگر بیان یا افواہ سچ بھی ہو مگر وہ نیت کی درستی ثابت نہ کرسکے تو بھی مجرم ہے نئی دفعہ کی رو سے ہر قسم کی فوجی سپاہی یا افسر کو کسی بیان یا افواہ یا اطلاع سے بغاوت یا عدول حکمی پر مائل کرنا یا اس بیان یا افواہ سے عامہ خلائق یا اس کے کسی حصہ کو سرکار یا امن عامہ کے برخلاف ارتکاب جرم پر مایل کرنا۔ یا رعایا کے ایک فریق کو دوسرے فریق کے برخلاف جرم کا مرتکب بنانا اس کی ترغیب دینا جرم ہے جس کی سزا دو برس تک یا جرمانہ یا دونوں قسم کی سزا ہے"۔

قانون کتنا ہی سخت ہو لیکن اس کے نقائص سے فائدہ اٹھانے والے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ چنانچہ ذکی اور ذہین صحافیوں نے اس قانون سے فائدہ اُٹھا کر ہندوستانی عوام میں بیداری پیدا کرنے اور غلامی کی لعنت کو ختم کرنے کی جدوجہد کو جاری رکھا۔

بیسویں صدی کی ابتدا میں کافی سیاسی مسئلے اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ تقسیم بنگال کا مسئلہ، پنجاب میں نوآبادیاتی قانون کے خلاف کافی ہنگامے ہوئے۔ نیز بمبئی اور مہاراشٹر کی تحریکوں میں تشدد کے واقعات بھی ہوئے۔ اخبار اور رسائل بھی خاموش نہیں بیٹھے کافی تیز مضامین لکھے گئے۔ جس کو حکومت نے برداشت نہیں کیا اور ان کو بغاوت پر محمول کیا۔ چنانچہ ۱۹۰۸ء میں حکومت نے قانون اخبارات اشتعال جرائم نافذ کیا۔ جس میں حکام کو اختیار دیا گیا کہ جو اخبار رسالہ اس قسم کے مضامین لکھیں جن سے تلقین بغاوت ہوتی ہو اس کے ایڈیٹر کے خلاف قانونی کارروائی کی جائے۔ چنانچہ اس قانون کے ماتحت نو مقدمے چلائے گئے اور مولانا حسرت موہانی بھی اس قانون کی زد میں آئے رسالہ اردوئے معلی علیگڈھ میں ایک مضمون "مصر میں انگریزوں کی پالیسی" شائع کرنے کے جرم میں ان پر بغاوت کا مقدمہ دائر ہوا۔ ۴ر اگست ۱۹۰۸ء کو دو برس کی قید اور پانچ سو روپیہ جرمانہ ہوا۔ جرمانہ وصول کرنے کے لئے مولانا حسرت کا کتب خانہ برباد کر ڈالا۔ یہ کتب خانہ تقریباً چار ہزار روپیہ کا تھا۔ اس میں نہایت نادر علمی کتابیں تھیں۔ ایسا قیمتی اور لاجواب کتب خانہ صرف ساٹھ روپیہ میں نیلام کر دیا گیا۔ اس حرکت سے مولانا حسرت کو جس قدر تکلیف ہوئی ہوگی اس کا اندازہ اہل علم ہی لگا سکتے ہیں۔ مولانا نے اس زیادتی کے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا۔ وہ یہ ہیں۔

"اس جرمانہ کی بدولت کتب خانہ اردوئے معلیٰ کی جو حالت ہوئی اس کا بیان نہایت دردناک ہے۔ جن کتابوں کو راقم حروف نے معلوم نہیں کن کن کوششوں اور دقتوں سے بہم پہنچایا تھا۔ جن کتابوں میں بہت سے ایسے نایاب اور قلمی نسخے دواوین شعراء وغیرہ کے تھے جن کی نقل بھی کسی دوسری جگہ نہیں مل سکتی ان سب کو پولیس کے جاہل جوان ٹھیلوں میں اس طرح بھر بھر کے لے گئے جس طرح لوگ لکڑی اور بھُس لیجاتے ہیں۔ ان کتابوں کی فہرست بنانا تو درکنار کسی نے ان کو شمار تک نہ کیا۔ اس کے بعد ان کتابوں پر کیا گذری۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے ہمارا دل دُکھتا ہے اس لئے اس سے قطع نظر ہی مناسب ہے اس جز ظلم کا انصاف خدا کے ہاتھ ہے"۔

اس قانون کا زور شور ایک سال تک رہا۔ بعد میں سسکتا رہا۔ اور گیارہ سال کے بعد منسوخ ہوا۔

۱۹۱۰ء کا پریس ایکٹ سب سے زیادہ خطرناک تھا۔ اس کے تحت ہر نئے اخبار کے جاری ہونے سے پہلے ضمانت مانگ لی جاتی تھی اور یہ اس قدر ہمہ گیر تھا کہ کوئی اخبار کتنا ہی محتاط ہو کر لکھتا وہ اس کی زد سے محفوظ نہیں رہ سکتا تھا۔ دفعہ ۴ کا مطلب یہ تھا کہ اگر کسی اخبار یا رسالہ میں ایسا مضمون چھپ گیا کہ جس کے لفظوں، معنوں اشاروں اور کنایوں یا کسی اور طریقے سے یہ پایا جائے کہ ان سے حکومت کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات برانگیختہ کیے گئے ہیں اور ملک معظم کی رعایا کے دو طبقوں میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے تو انتظامیہ اس قسم کے

اخبار یا رسالے سے دس دن کے اندر اندر ایکہزار روپے سے لیکر دس ہزار روپے تک ضمانت لے سکتی ہے اگر دوبارہ قابل اعتراض مضمون شائع ہوا تو ضمانت ہی قابل ضبطی نہ ہوگی بلکہ اس کا پریس بھی قابل ضبطی قرار دیا جاسکتا ہے غرض اس ایکٹ کا مقصد یہ تھا کہ کوئی اخبار آزادی کے ساتھ حکومت کے خلاف نہ لکھ سکے۔

اس ایکٹ کے خلاف اخباروں نے سخت مقالے لکھے مولانا ابوالکلام آزاد اور سید وزیر حسن خاں سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ۔ اور دوسرے ملک کے لیڈروں نے اس کے خلاف تحریک چلائی اور خاص طور پر مولانا محمد علی اور مولانا ظفر علی خاں اس کی مخالفت کے لئے انگلینڈ گئے۔ وہاں جلسوں میں بولے اخبارات میں اس ایکٹ کے خلاف بیانات دئے چنانچہ اخبار مسلمان امرتسر نے اپنے شمارے ۷ر جنوری ۱۹۱۴ء میں ان حضرات کے انگلینڈ جانے کا ذکر کیا ہے۔ عنوان ہے "مولوی ظفر علی خاں اور پریس ایکٹ" "مسٹر محمد علی ایڈیٹر کامریڈ اور سید وزیر حسن سکریٹری مسلم لیگ ہندولایت سے واپس آئے ہیں لیکن ان کے دوست مولوی ظفر علی خاں ایڈیٹر زمیندار ابھی تک وہیں مقیم ہیں معلوم ہوا ہے کہ ولایت میں ٹھہرنے سے ان کی غرض پریس ایکٹ کی منسوخی کے لئے کوشش کرنا ہے۔ مسٹر محمد علی نے بھی اپنے قیام انگلستان کے دوران میں پریس ایکٹ کی منسوخی کی کوشش کی تھی لیکن حالات سے مجبور ہو کر انھیں ہندوستان آنا پڑا اور اس کام کی تکمیل ان کے دوست مولوی ظفر علی خاں نے اپنے ذمہ لی ہے۔ ولایتی اخبارات میں پریس ایکٹ کے خلاف مولوی صاحب کے مضمون نکلنے شروع ہوگئے ہیں اور پہلے مضمون

میں انھوں نے اپنی داستان غم بنا کر کہ کس طرح ان کے پریس کی ضمانت دو ہزار روپے ضبط کیے گئے اور دس ہزار روپے نئی ضمانت کے طور پر طلب کیے گئے۔ ولایتی اخبار اور ولایتی پریس سے پر زور اپیل کی ہے کہ وہ ہندوستانی اخبارات کو اس قانون سے نجات دلوائیں۔ نیشنل کانگریس کراچی اور مسلم لیگ آگرہ کے جلسوں میں بھی اس ایکٹ کی سختیوں کے خلاف ناراضگی کی آواز بلند ہو چکی ہے"۔

اگست ۱۹۱۴ء میں جنگ عظیم کے شروع ہوتے ہی حکومت ہندوستان نے ہندوستان کے تمام اخبارات کی خبروں کی اشاعت پر سنسر کی پابندی لگا دی تھی اور ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ بھی لاگو کر دیا۔ جس کے ذریعہ عوام کے جذبات اور خیالات کو بری طرح سے کچلا اور آزادی تحریر و تقریر کا خاتمہ کر دیا۔

ہندوستانی عوام اور ہندوستانی اخباروں نے اس جنگ عظیم میں خواہ وہ مصلحتاً ہو۔ مخالفت نہیں کی بلکہ حمایت میں ہی قدم اٹھائے لیکن اس کے باوجود اخبارات سے ضمانت طلب کی جاتی رہی اور ایسے اخباروں سے جو پرانے تھے۔ لیکن اخبار کی ملکیت کی تبدیلی چاہتے تھے۔ چنانچہ اسی بنا پر "کسان" لاہور سے ضمانت طلب ہوئی۔ جس پر اخبار ہمدم لکھنؤ نے اپنے شمارے ۱۸ر فروری ۱۹۱۷ء میں یہ تبصرہ کیا۔

"نہایت افسوس ہے کہ ہمعصر کسان لاہور سے جس کو ہمارے مخدوم مکرم مولانا عبد اللہ العماری بڑی قابلیت و احتیاط کے ساتھ چلا رہے ہیں صاحب ڈپٹی کمشنر لاہور نے ایک ہزار روپے کی ضمانت طلب کی ہے اور تاریخ مقررہ تک اس مطالبہ سے عہدہ بر آنہ ہو سکے منتظمین کو عارضی

طور پر اخبار کی اشاعت روک دینی پڑی ہے خدا کرے یہ "جبریہ تعطیل" چند روز سے زیادہ کی ثابت نہ ہو اور اگر دو جرنلزم کو کسان جیسے لائق ہمدم کی کمی سے ایک شدید نقصان نہ اٹھانا پڑے طلبی ضمانت کی وجہ کسان کو اس کے سوا کچھ معلوم نہیں ہوئی کہ حال میں اس کی ملکیت سردار عبدالرحمن صاحب پنشنر ڈپٹی کلکٹر ڈیرہ سے سردار حبیب اللہ صاحب بیرسٹر لاہور و مولوی غلام محی الدین صاحب بی اے وکیل قصور پر منتقل ہو لی اور اس کی وجہ سے دوسرا ڈیکلریشن دینے کی نوبت آئی۔ وہ ڈیکلریشن اگرچہ پہلے بلا طلبی ضمانت لے لیا گیا تھا لیکن اب صاحب ضلع نے اسی سلسلہ میں ایک ہزار کی ضمانت داخل کرنے کا حکم دیا۔ بیشک پریس ایکٹ کی رو سے صاحب ضلع کو اس کا اختیار حاصل ہے کہ کسی نئے مطبع کو خواہ شروع میں ضمانت سے مستثنیٰ کر دیں مگر بعد میں جب چاہیں اس سے ضمانت مانگ لیں لیکن ایسا اختیار استعمال کرنے کے لئے کچھ وجوہ ضرور محرک ہونی چاہئیں اور کسان لکھتا ہے کہ صاحب موصوف نے اس کے رویہ کی بابت گورنمنٹ کو شکایت نہ ہونے کا اظہار کیا۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ ضمانت مانگنے کی ضرورت کس بنا پر محسوس ہوئی یہ درحقیقت پریس ایکٹ کی سخت ناگوار خصوصیت یہی ہے کہ وہ ارتکاب قصور سے پہلے ہی لوگوں سے مجرمانہ ارادے منسوب کر دیتا ہے۔"

اس ایکٹ سے انگریز جو فائدہ حاصل کرنا چاہتا تھا وہ اس نے حاصل کر لیا۔ ایڈیٹر دنیہ قانون کا خوف چھا گیا وہ محتاط ہو گئے۔ اور نئے اخبارات کے جاری ہونے کا دروازہ بند ہو گیا۔ چنانچہ ۱۷۳ نئے چھاپے خانوں

اور ۱۲۹ نئے اخباروں کی جاری ہونے کی درخواستیں منظور نہیں ہوئیں۔
یہی بات جالب دہلوی ایڈیٹر اخبار ہمدم لکھنؤ نے ۱۶ر جنوری ۱۹۱۷ء کے پرچے میں لکھی۔

"تھوڑے عرصہ قبل تک یہ بات نئے سال کی خوشگوار خصوصیات میں خیال سمجھی جاتی تھی کہ اس کے ساتھ ملک کے ورنیکلر پریس کی طاقت میں کچھ کچھ اضافہ ہوتا تھا اور دو چار جدید موقت الیشوع پرچے عموماً ہر سال ۱۰ جنوری میں نکلتے تھے جن میں سے بعض تو اپنی ہستی کو قائم رکھنے میں کامیاب ہوتے تھے۔ اور بعض اپنی خلقت کی کمزوری سے کافی نشو ونما حاصل کرنے کا موقع پاکر یا کسی حادثہ کے شکار ہو کر چند ہی ہفتہ بعد ملکِ عدم کی راہ لیتے تھے لیکن بحیثیت مجموعی ہر ایک نیا سال ملکی پریس کی حالت میں کچھ نہ کچھ ترقی و اصلاح ضرور کرتا تھا اور یہی تمنا سے پبلک کو اپنے جذبات کی ترجمانی اور حقوق کی حمایت اور گورنمنٹ کو رعایا کی ضروریات سے آگاہی اور عوام کے خیالات سے واقفیت ہونے کا فائدہ پہنچتا تھا لیکن آجکل ایک طرف پریس ایکٹ کی ہمہ گیری اور دوسری جانب کاغذ و سامان مطبع کی غیر معمولی گرانی نے خود پرانے اخبارات کی زندگی کو خطرہ میں ڈال رکھا ہے پھر کوئی شخص نیا پرچہ نکالنے کی بھلا کیا جرأت کر سکتا ہے چنانچہ آج نئے سال کا اوّل مہینہ نصف کے قریب طے ہو چکا ہے لیکن ابھی تک ایک مختصر ماہانہ مذہبی رسالہ الفرقان کے سوا جو جنوبی ہند کے دور افتادہ مقام بنگلور سے نکلا ہے۔"

ڈپٹی کمشنر امرتسر نے اخبار المعین امرتسر سے ضمانت طلب کی جس کی خبر اخبار مسلمان امرتسر مورخہ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۱۲ء نے چھاپی اور اس کے

ایڈیٹر مولانا ثناء اللہ صاحب نے اس اخبار کے فنڈ میں چندہ دینے کی اپیل کی
"۲/ اکتوبر ۱۹۱۲ء کو ڈپٹی کمشنر امرتسر نے المعین اخبار سے پندرہ
سو روپیہ کی ضمانت طلب کی اور تا ادخال ضمانت اخبار بند کردیا۔
اخبار کے دوبارہ جاری کرنے کو المعین کا امدادی فنڈ کھولا گیا۔
اگر المعین جاری رکھنا قومی پہلو سے مفید سمجھتے ہو تو دل کھول کر
اس کی اعانت کریں، فنڈ کے اعلان سے پیشتر عملی طور پر امداد مولوی
ظفر علی خاں بی اے ایڈیٹر زمیندار نے مبلغ پچاس روپے دیے"
اس ایکٹ نے تمام ہندوستان کے اخباروں کو چوکنا کردیا تھا
اور ان کو اپنے اخباروں اور رسالوں کا وجود خطرے میں نظر
آنے لگا تھا اس لئے انھوں نے اپنی تنظیم ضروری سمجھی اور
تمام ہندوستان کے اخبار نویسوں نے دسمبر ۱۹۱۵ء میں انڈین پریس
ایسوسی ایشن قائم کی اُردو اخبارات جن پر زیادہ تر لہ گرتا تھا انھوں نے
بھی اپنی آل انڈیا اُردو کانفرنس کی دسمبر ۱۹۱۶ء میں تشکیل کی اور گنگا پرشاد
ہال لکھنؤ میں اس کا پہلا اجلاس بصدارت منشی رام رچپال سنگھ شیدا دہلوی ایڈیٹر
ہندوستان لاہور ہوا۔ صدارتی خطبہ کا بڑا حصہ پریس ایکٹ کے خلاف
تھا۔ جو بڑی دلچسپی کے ساتھ حاضرین نے سنا۔ اس ایکٹ کے ذریعہ اخبارات
کو کن کن پریشانیوں کا شکار ہونا پڑا اور کیا کیا زیادتیاں ہوئیں اس میں ان پر
روشنی ڈالی گئی تھی۔

یہ خطبہ ۱۱/ جنوری ۱۹۱۷ء کے اخبار ہمدم لکھنؤ میں چھپا جس کے
ضروری اقتباس نقل کئے جاتے ہیں۔
"نئے پریس ایکٹ کا یہ کہنا ہے کہ اگر لفظاً یا معناً اشارتاً یا کنایتاً یا اور کسی

طریقے سے کوئی ایسا خیال ظاہر کیا جائے جس سے گورنمنٹ قائم کردہ
از روئے قانون کی اہانت یا تحقیر کا پہلو نکلتا ہو یا اس کے خلاف نفرت
کا جذبہ پھیلتا ہو تو وہ سڈلیشن ہے اب کوئی ضمانت ورسے زیادہ
دی جس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کہہ سکتا ہے کہ چونکہ ہندوستانیوں کے لئے
کمیشنڈ عہدے مانگتے ہیں جواب تک نہیں دیے جاتے لہذا اخبار نے یہ خیال
پبلک کے سامنے پیش کیا ہے کہ گورنمنٹ ہندوستانیوں کو کمیشنڈ عہدے فوج میں
نہیں دیتی اور یہ خیال گورنمنٹ کی غیر فیاضانہ پالیسی اور ہندوستانیوں
کے ساتھ اس پہلو میں انصاف نہ کرنے کا عملدرآمد کو یاد دلاتا ہے اور
اس سے پبلک میں گورنمنٹ کے خلاف یا انصاف کرنے کا خیال پیدا ہوتا
ہے لہذا اسے سڈلیشن کا ارتکاب لیا ہے اور یہ بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ
کے اختیار میں ہے کہ وہ اس اخبار سے اسی ارتکاب جرم کے بہانے سے
ضمانت طلب کرلے فی الحقیقت ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کے اختیارات
پریس کے متعلق اس قدر وسیع ہیں کہ اس کو وجہ بتلانے کی بھی ضرورت
نہیں ....." جس وقت دہلی میں جب وہ ناگوار واقعہ گزرا جس پر تمام
ملک کو افسوس ہے یعنے کسی انارکسٹ نے ہندوستان کے سب سے نیک دل
اور ہر دلعزیز وائسرائے کا قصد جان کیا تو لاہور کے اخبار جھنگ سیال
نے اپنے جوش وفاداری کا اظہار کھلا چٹھیوں کے ذریعہ کیا اور اس
اس انارکسٹ کے نام جس سے یہ فعل ناسزا کا ارتکاب ہوا تھا۔ اپیل
کی کہ وہ مردوں کی طرح اپنے تئیں حوالہ پولیس کردے تاکہ تمام
ہندوستانیوں کے دامن سے یہ داغ دھل جائے۔ لیکن اس چٹھی میں
ایک فقرہ ایسا تھا جس کو چغل خور لوگوں نے ایسے معنے پہنا دئے جو چٹھی

کے باقی تمام خیالات سے لگا نہیں کھاتے تھے اور آپ یہ سنکر حیران ہوں گے کہ محض اس فقرے کی بنا پر اخبار مذکور کی دو ہزار کی ضمانت ضبط ہو گئی اور یہ لالہ بانکے دیال کے لئے ایسی زبردست مالی ضرب تھی کہ آج تک ان کی حالت نہ سنبھل سکی۔ تاہم چونکہ اس شخص کو اس فن شریف کا عشق ہے وہ سخت سے سخت تکلیفیں اٹھا کر بھی اخبار نکالتا رہا ہے اگر بعض اوقات مالی مشکلات کی وجہ سے درمیان میں بند بھی کرنا پڑا۔ ایسا ہی ہندوستان کے ساتھ ہوا کہ نہایت وفادارانہ ایڈیٹوریل آرٹیکل جس میں اہل ہند کو ترغیب دی گئی تھی کہ گورنمنٹ کے لئے اس جنگ میں اپنی جانیں نثار کریں۔ چار لفظوں کا ایک جملہ قابل اعتراض سمجھا گیا اور اس پر گورنمنٹ کو یہ ضرور محسوس ہوئی کہ اخبار کو تنبیہ کی جائے اور محض ایڈیٹر کے ۲۵ سالہ گذشتہ رویہ کے خیال سے کوئی سخت سٹیپ لینا مناسب نہیں سمجھا گیا۔ ورنہ عجب نہ تھا کہ ضمانت طلب کرلی جاتی یا مقدمہ چلایا جاتا۔"

انڈین پریس ایسوسی ایشن کی بھی کوششیں جاری تھیں کہ یہ خطرناک پریس ایکٹ ختم ہو۔ چنانچہ اس ایسوسی ایشن کا ایک وفد ۵ رمارچ ۱۹۱۷ء کو دہلی میں وئیسرائے سے ملا۔ اور ایک میمورنڈم پیش کیا جو ۷ رمارچ ۱۹۱۷ء کے اخبار ہمدم لکھنؤ میں چھپا۔ یہ میمورنڈم تاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت کا حامل ہے اس لئے اس کے بھی ضروری اقتباس نقل کئے جاتے ہیں۔

"اس جماعت کے ممبروں کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ ۱۹۱۰ء کے قانون مطابع نے اس کی آزادی کو خطرہ میں ڈال دیا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ عام ملکی اخبارات سے پبلک کو کوئی خاطر خواہ فائدہ نہیں پہنچا۔ اور اس پر

بھی مالکان اخبارات کو بلا سبب طرح طرح کی دقتوں کا سامنا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم حضور والا کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں تاکہ ہم آپ کے سامنے درد دل بیان کر سکیں، ہم سمجھتے ہیں کہ حضور والا کے سامنے اس کی ضرورت نہیں کہ آزادی اخبارات کے اصول کی تائید میں کوئی طویل دلیل و ثبوت پیش کریں کیونکہ یہ اصول عرصہ ہوا کہ گورنمنٹ ہند نے خود تسلیم کر لیا ہے جو برطانیہ کی آزادی پسند روایات کے بالکل مطابق ہے اور جن کی برطانوی مدبرین برابر تعلیم و توسیع کرتے رہے ہیں یعنی "زندگی کے ہر شعبہ میں آزادی کے اصول کو برقرار رکھا جائے" (یہ وہ جملہ ہے جو حال میں آنریبل مسٹر اے، جی بالفور وزیر خارجہ نے استعمال کیا تھا) اور اسی کو انھوں نے برطانوی سیاست کا سب سے بڑا مقصد بتایا تھا اب سے بہت عرصہ قبل یعنی ۱۸۳۵ء میں سر چارلس مٹکاف نے جو اس وقت گورنر جنرل تھے اخبارات کو بالکل آزاد کر دیا تھا۔ بجز اس کے مطابع کی قانوناً رجسٹری کرانا ضروری تھا جو ۱۸۶۷ء کے قانون کے مطابق ہر مالک مطبع کے لئے لازمی قرار دیا گیا تھا اور اس کے متعلق ہمیں کوئی شکایت نہیں یہ آزادی ۱۹۱۰ء تک قائم رہی بجز اس کے کہ اس طویل عرصہ میں دو مرتبہ کسی قدر ترمیم مناسب سمجھی گئی یعنی ۱۸۵۷ء کے قانون سے جو ایک سال جاری رہا اور بعد لارڈ لٹن کے عہد میں یعنی ۱۸۷۸ء میں مگر یہ قانون بھی تین برس کے بعد بالکل منسوخ کر دیا گیا۔ لیکن اس وقت جس قانون کی ہم شکایت کر رہے ہیں وہ اب تک نافذ ہے اور جس کے متعلق ہم کہہ سکتے ہیں کہ گذشتہ سات سال کے عرصہ میں قریب قریب تمام ہندوستانی اس کی مخالفت کرتے رہے۔ ۔ ۔ اس وقت

اس قانون کے بیجا استعمال کی ہم صرف دو مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور ان مثالوں سے اس کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس طرح حکام اس پر عمل درآمد کرتے وقت ان قانون کے بنانے والوں کے اصل مقصد کو فراموش کر دیتے ہیں ان کے علاوہ بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں لیکن ان دو صورتوں میں چونکہ معاملہ ہائی کورٹ میں مقدمات دائر کئے گئے تھے اور اگر وہ اس بریت نہ حاصل کر سکے تاہم اعلیٰ ججان ہائیکورٹ سے انھوں نے اپنی غیر مشتبہ وفاداری اور نیک نیتی کی تصدیق کرائی اور یہ کہ ان کے خلاف قانون سختی سے استعمال کیا گیا۔ پہلی مثال مسٹر محمد علی ہیں۔ جنھوں نے وہ مشہور رسالہ شائع کیا تھا۔ کہ مقدونیہ میں آؤ اور ہماری مدد کرو۔" اس رسالہ کا مقصود یہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں سے مقدونیہ کے ان مسلمانوں کے لئے امداد کی اپیل کی جائے جو بلغاریوں اور دیگر بلقانی قوموں کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے تھے واقعات بالکل صحیح تھے رسالہ میں کوئی مغویانہ بات نہ تھی اور نہ شائع کنندہ کے نیک ارادہ میں کسی قسم کا شک وشبہ کیا جا سکتا تھا لیکن پھر بھی انھیں اس دفعہ کی بدولت نقصان اٹھانا پڑا جس کے معنی کی وسعت پر رائے زنی کرتے ہوئے سر لارنس جنکنس چیف جسٹس نے لکھا تھا۔

"اس کے معنی بہت ہی پر پیچ ہیں اور اس کے الفاظ کی گرفت اسی قدر وسیع ہے جس قدر کہ انسان کی دماغی قابلیت کام دے سکتی ہے بیشک مجھے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ اس میں یقین کے درجہ سے لیکر ناممکنات کی انتہائی حد تک ہر چیز سما سکتی ہے یہ اندازہ کرنا مشکل ہے کہ ایک ذہین اور اور ہوشیار شخص اس کے مفہوم کے دائرہ عمل کو کہاں تک پھیلا سکتا ہے

اس میں یقیناً وہ تحریریں بھی شامل ہیں جو عام طور پر پسند کی جائیں۔ اس دفعہ کا عمل درآمد ان پر بھی ہوسکتا ہے جو عام پبلک کے اس بدترین فرقہ پر حملہ کریں جو دوسروں کی تکلیف اور ذلت سے اپنی زندگی بسر کرتا ہے اور صرف اسی بناء پر یہ لوگ بھی اس کے وسیع جال میں پھنس سکتے ہیں کسی خاص فرقہ کی تعریف کرنا بھی خطرے سے خالی نہیں"۔

دوسرا واقعہ مسٹر بیسنٹ کا ہے جو اخبار" نیو انڈیا" کی مالک اور ایڈیٹر ہیں۔ ان کی ضمانت اس بناء پر ضبط کی گئی کہ انھوں نے چند ایسے مضامین لکھے تھے جو ہماری رائے میں روس و آسٹریا کے سوا، باقی تمام مہذب سلطنتوں میں قانون کی گرفت سے باہر سمجھے جاتے ہیں اور یہ مضامین ان مجرمانہ مقاصد سے بھی بہت بعید تھے جن کے استیصال کے لئے یہ قانون بنایا گیا تھا۔ اس موقعہ پر بھی جس شخص کے خلاف کارروائی کی گئی اس کی وفاداری اور نیک ارادہ کی رجحان ہائیکورٹ نے خود تصدیق کی۔ مدراس کے چیف جسٹس نے سر لارنس جنکنس اور مسٹر جسٹس اسٹیفن کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے لکھا:

" اس قانون نے صرف مالکان اخبارات ہی کو نقصان نہیں پہنچایا بلکہ مصنفین اور مالکان مطابع ایسی مصیبت میں گرفتار ہیں ایسے بہت سے واقعات پیش آچکے ہیں کہ مالک مطبع کی قیمت سے بھی زر ضمانت طلب کیا گیا ہے جس نے اس مطبع کا فوراً ہی خاتمہ کر دیا بہت سی کتابیں ممنوع قرار دی گئیں لیکن مصنف کو یہ نہیں معلوم کہ کس بناء پر یہ کارروائی کی گئی تاکہ وہ آئندہ زیادہ احتیاط مدنظر رکھے۔ مطابع اگر ایک مقام سے نقل وحرکت کریں تو بھی ان سے ضمانت طلب کی جاتی ہے اور پولیس کے اثر سے بھی آمیں

کام لیا جاتا ہے حالانکہ اس قانون کی تیاری کے وقت اس کا یقین دیدیا گیا تھا کہ اس سے پولیس کو کوئی سروکار نہ ہوگا لیکن اب یہ روزمرہ کے واقعات ہیں، کہ مجسٹریٹ سپرنٹنڈنٹ پولیس یا خفیہ پولیس کے ذریعے مالک مطابع کے حالات تحقیق کرتا ہے۔

اس ہندوستانی صحافیوں کی وفد کا ویسرائے سے ملاقات کرنے کا کوئی اچھا نتیجہ نہیں نکلا۔ بلکہ ویسرائے نے اس پریس ایکٹ کی حمایت کی اور پریس ایکٹ کو منسوخ کرنے کے بارے میں صاف انکار کر دیا۔ ملاقات کی اس خبر نے ۸ مارچ ۱۹۱۷ء کے اخبار ہمدم لکھنؤ میں زینت پائی۔

"آل انڈیا پریس ایسوسی ایشن کا وفد دوشنبہ گذشتہ کو وائسرائیکل لاج دہلی میں لارڈ چیمسفورڈ کی خدمت میں باریاب ہوا۔

"مسٹر ہارنیمن پریسیڈنٹ کی استدعا پر ہز اکسلنسی نے ایڈریس کو جو پہلے ہی چھپوا کر بھیجا جا چکا تھا پڑھا ہوا سمجھ لینا منظور فرمایا۔ اور بعد ازاں ایک طویل تقریر میں اس کا جواب دیا جس میں ایڈریس کی شکایا غیر اہم اور پریس ایکٹ کی ضرورت کو ہنوز قائم بتایا گیا تھا۔ البتہ اس کا وعدہ کیا گیا کہ پریس ایکٹ کو ناواجب سختی کے ساتھ استعمال کرنے کی شکایات پر غور کیا جائے گا۔ ہز اکسلنسی نے اعداد سے دکھایا کہ اجرائے پریس ایکٹ کے بعد ملک میں چھاپے خانوں، اخباروں اور رسالوں کی تعداد بڑھ گئی ہے آپ نے پریس ایکٹ کی تنسیخ کی درخواست قبول نہیں کی اور فرمایا کچھ عرصہ کے بعد اخبارات قانو کی حدود میں رہنا سیکھ لیں گے۔ اس وقت ایکٹ کی ضرورت نہ رہے گی۔ آل انڈیا پریس ایسوسی ایشن کے وفد کے ممبروں نے

ہزاکسلنسی وائسرائے کی خدمت میں باریاب ہونے کے بعد ایسوسی ایٹڈ پریس کے ایک قائمقام سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ وائسرائے کا جواب نہایت یاس انگیز تھا اور انھیں ایسی طرز عمل کی ہزاکسلنسی سے توقع نہیں تھی۔"

یہ عنوان بہت ہی وسیع ہے۔ مختصر سے حالات سرسری طور پر تحریر کردئے۔ اگر زندگی نے ساتھ دیا تو اس عنوان پر انشاءاللہ تعالیٰ ایک مستقل کتاب مرتب کی جائے گی۔

حجاز کی صحافت

حیرت کی بات ہے کہ وہ عرب جس نے دنیا میں اپنی علمیت لیاقت، ذہانت اور طاقت لسانی کا سکہ جمایا تھا اور بہت سے علوم فنون کا موجد قرار دیا گیا تھا وہ خود عربی کا اخبار جاری کرنے میں پیچھے رہ گیا اور یورپ والوں (فرانسیسی لوگوں) نے اس زمین پر جس کا نام قاہرہ (مصر) ہے نے سنہ ۱۷۹۹ء میں سب سے پہلا عربی کا اخبار جاری کیا۔ اور حجاز کی مقدس سرزمین کو جہاں سے انسانیت کو رشد وہدایت کا سبق ملا تھا۔ عربی کا پہلا اخبار جاری کرنے کا فخر اور اولیت کا درجہ حاصل نہیں ہوا اور یہ سرزمین قاہرہ کے مقابلہ میں ایک نئنوسالہ صحافت کے میدان میں پیچھے رہ گئی۔

یہ تو امر مسلمہ ہے کہ عربی کا پہلا اخبار قاہرہ سے جاری ہوا۔ لیکن کس نے جاری کیا اور کس نام سے جاری ہوا۔ اس میں اختلاف ہے۔ صاحب من تاریخیا تحریر کرتے ہیں۔

"عربی کے ماہرین صحافت کا خیال ہے کہ پہلا عربی کا اخبار "الحوادث الیومیہ" تھا جس کو نپولین بونا پارٹ نے سنہ ۱۷۹۹ء میں قاہرہ سے جاری کیا تھا۔" (۹۴)

لیکن "الادب العربی وتاریخہ" کے مؤلف عبدالعزیز بحر لکھتے ہیں۔

"عرب دنیا میں کوئی اخبار نہیں نکلتا تھا۔ جب سنہ ۱۲۱۳ھ میں فرانسیسیوں نے مصر پر حملہ کرکے مصر کو اپنے قبضہ میں لے لیا۔ تو اس وقت فرانسیسیوں نے

ایک اخبار نکالا جس میں مصری خبروں کے ساتھ سرکاری احکامات شائع ہوتے تھے۔ بعض مورخین نے اس اخبار کا نام "کبتنیہ" لکھا ہے اور اس اخبار کی کتابت کی ذمہ داری اس زمانے کے ادیب "سید اسماعیل الخشاب کے سپرد ہوئی"۔ (۳۵)

"من تاریخنا" کے مؤلف نے مذکورہ اخبار کا سن اجراء انگریزی دیا ہے اور "الادب العربی و تاریخہ" کے مصنف نے سن ہجری تحریر کیا ہے۔ جس میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ غالباً سن ہجری اور سن عیسوی میں مطابقت ہے۔

محمد علی کے عہد میں جب مصریوں نے آزادی حاصل کی تو "الوقائع المصریۃ" ۱۸۲۸ء میں جاری ہوا۔ یہ پہلے صرف ترکی زبان میں شائع ہوتا تھا۔ پھر ترکی اور عربی زبانوں میں نکلنے لگا۔ آخر میں صرف عربی میں چھپنے لگا تھا۔ یہ حکومت کا اخبار تھا۔ اس میں اکثر سرکاری احکامات شائع ہوتے تھے اور سنسنی خیز خبروں کے ساتھ اہم خبریں بھی چھپتی تھیں۔ ان کے علاوہ اجتماعی اور ثقافتی قسم کے مضامین بھی طبع ہوتے تھے۔ اس میں اس عہد کے مشہور اہلِ قلم الشیخ حسن العطار اور الشیخ شہاب الدین مضامین لکھتے تھے۔

بیروت سے ۱۸۵۸ء کو "حدیقۃ الاخبار وجود میں آیا۔ یہ بھی سرکاری اخبار تھا۔ جس کے اشاعت کے اخراجات حکومت عثمانیہ برداشت کرتی تھی۔ اس کے مہتمم ادیب خلیل فوزی اللبنانی تھے۔ اسی دور میں تونس سے "الرائد التونسی" اخبار ظہور پذیر ہوا۔ یہ بھی سرکاری آرگن تھا۔

مراۃ الاحوال آستانہ سے ۱۸۵۵ء میں جلوہ افروز ہوا جس کے مالک رزق حسونت الحلبی تھے۔ اس کے بعد "الجوائب" آستانہ ہی سے شائع ہوا۔ جو ہفتہ وار تھا جس کو شیخ احمد فارس الشدیاق نے ۱۸۶۰ء میں نکالا تھا۔ عربی دنیا میں اس اخبار کی کافی شہرت ہوئی۔[۱]

---

[۱] الادب العربی و تاریخہ ص ۳۵-۳۶۔

اخبار سوریا دمشق سے ۱۸۶۵ء میں عراق سے "الزوراء" نامی پرچہ ۱۸۶۹ء میں اخبار "صنعاء" ۱۸۷۹ء میں یمن سے اور فلسطین سے اخبار "النفیر العثمانی" ۱۹۰۴ء میں شائع ہوئے۔

استاد رشدی ملحس "حجاز کی تاریخ صحافت و طباعت" میں تحریر کرتے ہیں۔ مکہ مکرمہ کا پہلا پرچہ "الحجاز" ہے۔ جو ادبی و علمی پرچہ تھا اور ہفتہ وار شائع ہوتا تھا۔ جو ترکی اور عربی دونوں زبانوں میں عثمانی حکومت کے اہتمام میں ۱۳۰۱ھ سے نکلنا شروع ہوا۔ اور ۱۳۳۴ھ تک برابر نکلتا رہا۔ جب ترکی حکومت کا اقتدار حجاز سے ختم ہوا، اس وقت یہ اخبار بھی بند ہوگیا۔ استاد موصوف آگے چل کر لکھتے ہیں کہ یہ پرچہ عثمانی حکومت کے مکتوبچی کی سرپرستی میں نکل رہا تھا اور اس کے ایڈیٹروں میں احمد جلال آفندی منشی دیوان و لا احمد حقی آفندی کاتب دیوان ولایت اور شیخ محمود شلہوب وغیرہ تھے۔ یہ اخبار چار صفحات پر مشتمل تھا جو امیریہ پریس میں چھپتا تھا۔

یہ حقیقت ہے کہ مملکت کے عام فکری و ذہنی حالات کے اعتبار سے یہ ایک پرچہ ہی کافی تھا۔ انقلاب عثمانی کے بعد ۱۳۲۷ھ سے ہی اور دوسرے اخبار نکلنے شروع ہوئے۔ چنانچہ اسی سال جدہ سے "الصفا" نامی اخبار عربی میں نکلا۔ لیکن افسوس اس اخبار کا ایک ہی شمارہ نکل سکا۔ اسی سال جدہ ہی سے دوسرا پرچہ "الاصلاح" نامی نکلنا شروع ہوا۔ جس کے مالک راغب مصطفیٰ وکیل تھے اور اس کی ادارت ایک لبنانی صحافی ادیب ہراوی کے ہاتھ میں تھی۔ یہ اخبار چند ماہ کی زندگی پا کر بند ہوگیا۔ ۱۳۲۷ھ ہی میں مکہ معظمہ سے ایک ہفت روزنامہ "شمس الحقیقت" نکلا۔ یہ اخبار ترکی اور عربی دونوں زبانوں میں چھپتا تھا۔ کبھی کبھی ہفتہ وار بھی نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر محمد توفیق مکی اور نائب

ایڈیٹر ابراہیم آدم تھے۔ یہ اخبار مکہ کی اتحاد و ترقی کا ترجمان تھا۔ جو چند مہینے نکلنے کے بعد بند ہو گیا۔

پہلی عالمگیر جنگ کے درمیان مدینہ منورہ سے ترکی زبان میں ایک روزنامہ نکلا جس کے بارے میں صاحب "من تاریخنا" لکھتے ہیں کہ افسوس ہے کہ نہ مجھے اس کا نام یاد ہے نہ اس کا کوئی شمارہ کبھی نظر سے گزرا۔ یہ تھے حجاز میں عہد عثمانی کے اخبار اور رسالے۔ اگر ہم ان میں سے پہلے پرچے کو جو ۱۳۰۱ھ سے ۱۳۳۴ھ تک نکلتا رہا۔ اس کو نکال دیں تو صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں کوئی صحافتی زندگی نہیں تھی۔ اس لئے کہ جو چند پرچے ۱۳۲۷ھ میں نکلے اور چند ماہ بعد بند ہو گئے۔ ان کی صحافتی پوزیشن ایسی ادبی، دینی یا سیاسی نہ تھی کہ وہ کسی کا فکری و دینی تغیر پیدا کر سکتے۔

رسالہ شمس الحقیقت اور رسالہ الاصلاح جو جدہ سے نکلتے تھے۔ ان دونوں کے درمیان صحافتی موازنہ کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ موخر الذکر اخبار طرز تحریر اور اسلوب نگارش اور طباعت کے اعتبار سے رسالہ شمس الحقیقت پر فوقیت رکھتا تھا بلکہ ترکی حکومت کے سرکاری ترجمان اخبار الحجاز سے بھی بڑھا ہوا تھا۔

۱۳۳۴ھ میں القبلہ اخبار جاری ہوا جس کی ادارت میں ادبا رعرب کی پوری جمعیت منسلک تھی جس میں مشہور و معروف شاعر و خطیب سید فواد سید محب الدین خطیب اور احمد شاکر اکرمی وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔

اس بات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اگر القبلہ درمیان میں بند نہ ہو گیا ہوتا تو آج عربی صحافت کی دنیا میں اس کا ایک خاص مقام ہوتا۔

۱۳۳۸ھ میں "الفلاح" نامی ایک اخبار وجود میں آیا۔ جو سید عمر شاکر

کی ملکیت تھا۔ یہ اخبار فرانسیسیوں کے شام میں داخل ہونے سے پہلے شام سے نکلتا تھا۔ فرانسیسی استعمار کے بعد اخبار کا مالک مع اپنے اخبار کے ہجرت کر کے حجاز چلا آیا۔

۱۳۳۸ھ ہی میں ایک اخبار "الزراعۃ" نکلا۔ اس کی ادارت کی ذمہ داری مکہ معظمہ کے مدرسۃ زراعیہ کے طلباء سنبھالے ہوئے تھے۔ اس پرچے کے صرف تین ہی شمارے نکلے۔ تحریر و انشار کے اعتبار سے یہ پرچہ خاصہ تھا۔ گویا کام چلا رہا تھا۔ اگر یہ اخبار نکلتا رہتا اور بالفاظ دیگر اگر مدرسہ زرعیہ قائم رہتا تو آج دوسری ہی حالت ہوتی۔

بریدالحجاز جدہ سے ۱۳۴۲ھ میں ظہور پذیر ہوا۔ اس کے ۵۷ پرچے نکلے اور اسی سال موت کا لقمہ بن گیا۔ یہ ہفتہ وار اخبار تھا جس کو حجاز کی ہاشمی حکومت کا آخری اخبار سمجھنا چاہیئے۔ اس اخبار کے ایڈیٹر شیخ محمد صالح نصیف بھی رہے ہیں جو حجاز کی بڑی اہم، معزز، باوقار اور علمی ہستی تھیں۔ جدہ کے رہنے والے تھے۔ "جازان" کے مدیر الیات اور مجلس شوریٰ کے بھی ممبر تھے اور سعودی حکومت کے زمانہ میں "صوت الحجاز" کے ایڈیٹر بھی رہے۔

۱۵ جمادی الاوّل ۱۳۴۳ھ کو سعودی مملکت کے بادشاہ اول عبدالعزیز کے ابتدائی عہد میں اخبار "ام القریٰ" کا پہلا شمارہ نکلا۔ اس سے پہلے ایڈیٹر شیخ یوسف یاسین صاحب مقرر ہوئے۔ پھر استاد رشدی ملحس نے اس کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ پھر کچھ دنوں کے لئے محمد سعید عبدالمقصود صاحب اس کے ایڈیٹر بنائے گئے۔ عبدالقدوس انصاری صاحب کے بعد استاد طیب اساسی کو بھی ایڈیٹری کی باگ ڈور دی گئی۔ یہ اخبار ہفتہ وار تھا۔

پھر ہفتہ میں دو بار اور روزانہ ہوا۔ اب ہفتہ وار ہے۔ جو اب تک جاری ہے اس میں زیادہ تر سرکاری خبریں شائع ہوتی ہیں۔

۱۳۴۷ھ میں وزارت تعلیم کے شعبہ ونشر سے "الاصلاح" جاری ہوا۔ جس کے ایڈیٹر استاد محمد حامد الفقی تھے۔ یہ ایک دینی علمی اخلاقی ماہنامہ تھا۔ پھر پندرہ روزہ ہوگیا اور ۱۳۴۹ھ میں بند ہوا۔

۱۳۵۰ھ میں صورت الحجاز اخبار وجود میں آیا۔ اسے شیخ محمد صالح جیسے ممتاز اور با وقار ولائق عالم اور استاد عبد الوہاب آشی جیسے نامور ادیب و شاعر اڈیٹری کے فرائض انجام دینے کے لئے مامور ہوئے۔ کچھ ہی دنوں کے بعد بہت سے اہلِ قلم حضرات اس کے ایڈیٹر بنے۔ جن میں قابل ذکر احمد ابراہیم غزاوی۔ سید حسن الفقی، محمد سعید العامودی، محمد حسن عواد، احمد السباعی، محمد علی رضا محمد علی مغربی، محمد حسن الکتبی وغیرہ کے نام ہیں۔

اس اخبار کا اہتمام و انتظام شیخ محمد صالح نصیف سے منتقل ہوکر ۱۳۵۴ھ میں شعبۃ الطبع والنشر العربیہ کے پاس پہنچ گیا یہ ہفتہ وار تھا۔ پھر کچھ دنوں کے بعد سہ روزہ ہوگیا۔ یہ دوسری جنگِ عظیم کے زمانہ میں کاغذ کی وجہ سے بند ہوگیا۔ اس کے ایڈیٹر شعبہ نشر و اشاعت کے مدیر شیخ محمد سرور صبان صاحب مقرر ہوئے۔

اس اخبار نے کافی صحافی پیدا کئے جنہوں نے اس اخبار سے علیحدہ ہونے کے بعد یا تو اپنے اخبار نکالے یا اخباروں میں بحیثیت ایڈیٹر کام کیا۔ ان میں سے جن لوگوں کے جتنے حالات حاصل ہو سکے وہ تحریر کئے جاتے ہیں۔

۱۔ عبد الوہاب آشی ۱۳۲۳ھ میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ وہیں تعلیم پائی۔ ان کا سعودی عرب کے مشہور شاعروں، ادیبوں اور صحافیوں میں شمار ہوتا ہے۔

ان کے دو شعر نقل کیے جاتے ہیں۔ ان کی اس نظم کا عنوان ہے "بین قلبی والدھر"۔ [1]

أَلَا فاسکبي الدمع الذي جلّ طالبه ... ايا عين ھذا الدھر جاء غرار شتت به

أبي بعد ورد العز تمزقته ... اقاسي لظاها واستھلت عقاربه

۲۔ استاد محمد حسن فقی مکہ معظمہ میں ۷ ار ذیقعدہ ۱۳۳۲ھ میں پیدا ہوئے۔ مکہ معظمہ اور جدہ کے مدرسہ الفلاح میں انڈونیشیا میں سفیر کی حیثیت سے بھیجے گئے۔ دیوان المراقبہ العامہ کے نائب رئیس بھی مقرر ہوئے۔ اس کے بعد اخبار البلاد کے مہتمم کی حیثیت سے کام کیا۔ یہ سعودی عرب کے نامور ادیب و شاعر ہیں۔[2] ان کی ایک طویل نظم جو المنحل کے الکتاب الفقی نمبر میں شائع ہوئی ہے۔ اس کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

بأي أمانيك الجبينة تخلب؟ ... وأي سبيل من ھواك تقرب؟

لوان الاماني تستجيب لطالب ... لمكنت امان التي اتطلب؟

۳۔ صاحب فکر الیوم لکھتے ہیں کہ محمد حسن عواد جدہ میں ۱۳۲۴ھ میں پیدا ہوئے اور صاحب ادب الحجاز تحریر کرتے ہیں کہ ان کی پیدائش جدہ میں ۱۳۳۰ھ میں ہوئی۔ شاعر کی زندگی میں ہی اس کی پیدائش کی تاریخ میں اختلاف پیدا کیا جائے، حیرت کی بات ہے۔

عواد صاحب نے مدرسہ الفلاح جدہ میں تعلیم پائی۔ ان کو بھی شعر و شاعری کا شوق ہے اور آپ کی تقریباً دس تصانیف ہیں۔ جن میں قابل ذکر نام یہ ہیں۔

۱۔ خواطر مصرعہ ۲۔ البراعم (دیوان شعر) ۳۔ سلیمان عبدالملک۔ ۴۔ نحو کیان جدید (دیوان شعر) ۵۔ من وحی الحیاۃ العامہ ۶۔ تاملات۔

---

[1] ادب الحجاز ص ۱۵ [2] فکرۃ الیوم ص ۱۸

۲۔ محرر الرفیق۔ خواطر مصرعۃ ادب، لغت، اجتماع اور تنقیدی مقالات کا مجموعہ ہے۔

عوّاد کی ایک نظم لعنوان حقائق فی الوطنیہ والاجتماع "ادب الحجاز" میں طبع ہوئی ہے۔ جس کے ابتدار کے دو شعر یہ ہیں ؎

متی نرتقی المجد الصراُ المخلدا ونکتب فی التاریخ فخراً مؤبدا
متی نملک انشاٗ والرفیع جلالتہ ونوی عوالی العلیا اسعد اسنل

۴۔ سید محمد حسن الکتبی ۱۳۲۹ھ میں پیدا ہوئے۔ بومیائی میں تعلیم پائی ہندوستان کی سیاحت کی۔ صاحب تصانیف ہیں۔ آپ کی مشہور تالیف "الادب الفنی" ہے۔

۵۔ شیخ محمد سرور صاحب قنفذہ میں ۵ ر ذی قعدہ ۱۳۱۶ھ میں پیدا ہوئے۔ ۱۳۲۰ھ میں قنفذہ سے جدہ آئے اور مدرسہ الخیاط مکہ میں تعلیم پائی محمد سرور صاحب قنفذہ سعودی عرب میں بڑی تاریخی، ادبی، سیاسی اور علمی شخصیت ہیں۔ ان کی خدمات اس قدر ہیں کہ ان کی شخصیت کو ایک ادارہ اور اسکول کہا جاتا ہے۔ انہوں نے سعودی عرب میں کافی ادیب، صحافی اور شاعر پیدا کیے۔ جن میں شیخ عبد القدوس انصاری ایڈیٹر المنہل، محمد حسن عوّاد، عبدالوہاب آشی، شیخ سعید العاموری، ایڈیٹر الحج و رابطہ عالم اسلامی"، احمد ابراہیم الغزاوی اور عبد اللہ عریف ایڈیٹر البلاد السعودیہ وغیرہ بھی شامل ہیں۔

شیخ محمد سرور صاحب کو سعودی عرب کی حکومت کے استحکام کے سلسلے میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔ چنانچہ انھوں نے نازک ترین موقع پر حکومت کی وہ امداد کی جس کو تاریخ کے اوراق فراموش نہیں کرسکتے اور ان کے کارنامے زریں حرفوں سے لکھنے کے قابل ہیں۔ عبد اللہ سلیمان وزیر مالیات کے زمانہ میں جو ترقی ہوئی اور مفید کام ہوئے تھے۔ ان میں آپ کا کافی دخل

تھا اور ان ترقیوں کا باعث درصل آپ ہی تھے۔

آپ ابتدا میں وزارتِ مالیہ میں ملازم ہوئے۔ مدیر مالیات بننے کے بعد ایڈوائزر مالیات بنے۔ اس کے بعد ترقی کر کے وکیل مالیہ ہوئے۔ شاہ سعود کے عہد میں وزیر مالیات بنائے گئے۔

ان کی عادت ہمیشہ ایک سی رہتی ہے۔ اقتدار کے حصول کے بعد بے آپے نہیں ہوتے۔ جب یہ وزیر مالیات سلیمان صاحب تھے تو سرورصاحب ان کی ماتحتی میں کام کرتے تھے جب سلیمان صاحب وزیر مالیات نہیں رہے اور یہ بن گئے تو انھوں نے سلیمان صاحب کی عزت و وقعت اسی طرح کی جس طرح ماتحتی کے زمانہ میں کرتے تھے۔

سعودی عرب کا تقریباً ہر طبقہ خواہ وہ شاہی خاندان سے تعلق رکھتا ہو یا تاجر ہو یا اہلِ ثروت ہو سب ان کے مرہونِ منت ہیں انھوں نے ان تمام فرقوں کے ساتھ وہ احسانات کئے ہیں۔ جن کو یہ کبھی فراموش نہیں کرسکتے۔

ان کو سعودی حکومت میں ایسے بھی واقعات پیش آئے کہ مخالفین کی غلط رپورٹوں پر ان کو مخدوش سمجھا گیا اور حکومتِ سعودی نے ان کو ایک سال تک جیل میں نظر بند رکھا اور اس کے بعد بھی وزارت مالیات کے سکریٹری ہوتے ہوئے حاسدوں کی بن آئی اُن کی شکایت پر یقین کرتے ہوئے حکام سعودی نے ان کے گھر کی تلاشی لی۔ لیکن وہ پریشان نہیں ہوئے اور آج وہ حکومت سعودی کے انتہائی قابلِ اعتماد لوگوں میں شمار ہوتے ہیں اور جس وقت سے رابطہ عالمِ اسلامی قائم ہوئی۔ آج تک وہ اس کے کرتا دھرتا یعنی جنرل سکریٹری ہیں۔

سرور صاحب جیسے پرانے ادیب صحافی اور اہلِ قلم اور قادر الکلام شاعر کی تصانیف کافی ہونی چاہئیں لیکن مجھ کو ان کی دو تصانیف ادب الحجاز اور المعرض کا علم ہوا۔ دوسری تصانیف کا پتہ نہیں چلا۔ ادب الحجاز انھوں نے مجھ کو عنایت کی۔

ادب الحجاز کا تیسرا ایڈیشن جو ۱۳۸۳ھ میں چھپا ہے وہ میرے سامنے ہے جو ۱۶۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں عبدالوہاب آشی، محمد صبحی، محمد حسن عواد، محمد صلاح خلیدی، محمد سعید العامودی، عبدالقادر عثمان کی نظمیں، محمد جمیل حسن حامد کعکی، عثمان قاضی، محمد البیاری، محمد علی رضا، محمد عمر عرب اور عبداللہ فدا کے نثر کے نمونے درج ہیں۔ اس کتاب پر آٹھ صفحہ کا مقدمہ سرور صاحب نے لکھا ہے:-

سرور صاحب پختہ گو شاعر ہیں۔ انھوں نے بھی "یا لیل" کے عنوان کے ماتحت قصیدہ کہا ہے جس کے تین شعر نقل کئے جاتے ہیں۔

یالیل لو ن نغزا — لذ سرھا قد کان غیبا
لم تفش من مکنونھا — امرا ولم تأت غیبا
لغرت منا الآمال انفسہ — رب فی الوری صعا وصحبا

۶۔ محمد علی مغربی بھی سعودی عرب میں ایک اچھے ادیب ہیں۔ ان کا "البعث" نامی ناول بڑا مقبول ہے اور انھوں نے ایک معرکتہ الآرا اور شاہکار مضمون "المنھل" میں "اعتراف" کے عنوان کے تحت لکھا تھا۔

۱۳۶۵ھ میں صوت الحجاز کا نام بدل کر "البلاد السعودیہ" کے نام سے اخبار نکلا۔ جو ہفتہ وار تھا۔ اس کی ادارت عبداللہ عریف کے ذمہ تھی۔ بعد میں ہفتہ میں دو بار شائع ہونے لگا تھا۔ پھر ہفتہ میں تین بار اس کے بعد ربیع الثانی ۱۳۷۳ھ

سے روزانہ ہوگیا تھا۔ یہ اخبار اپنے سابقہ معاصروں کی نسبت زیادہ مقبول ہوا اور ہر طبقہ میں اس کے پڑھنے والے پیدا ہوگئے تھے یہ مقامی اور غیر ملکی خبروں پر زیادہ توجہ دیتا تھا جو دوسری اخباروں سے نقل کی جاتی تھیں علمی اور ادبی مضامین نہ ہونے کے برابر ہوتے تھے۔

۷۔ فواد شاکر صاحب ۱۳۲۶ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے۔ اور وہیں علوم ابتدائی کی تعلیم پائی۔ اس کے بعد قاہرہ (مصر) گئے ۱۳۴۷ء میں سعودی عرب واپس آئے اور علم کی تکمیل کی پھر غالباً مصر گئے۔ وہاں کے اخباروں اور خاص طور پر کوکب الشرق اخبار میں مضامین شائع کرائے اور ۱۳۴۹ھ میں اخبار "الحرم" جاری کیا۔ مصر سے واپسی پر ۱۳۵۰ھ میں صوت الحجاز کے ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ اس کے بعد "البلاد السعودیہ" اخبار میں ۱۳۷۵ھ میں ادارت کے فرائض انجام دیئے۔

عربی ادب میں ان کو کمال حاصل ہے اور سعودی عرب کے صف اول کے شعراء میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ بہترین ادیب، خطیب اور صحافی ہیں۔

تقریباً اٹھارہ کتابوں کے مؤلف ہیں۔ جن میں سے بعض سعودی عرب میں اور بعض مصر میں طبع ہوئیں۔ جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے وہ حسب ذیل ہیں۔

۱۔ حدائق وازھار، ۲۔ رحلۃ الربیع، ۳۔ رحلات فی میادین العمل والجھاد ۴۔ سلسلہ امجاد الثقافۃ العربیۃ ۵۔ الملک سعود من احادیثہ وخطبہ، ۶۔ وحی الفؤاد (دیوان شعر)

"المنھل" ۱۳۵۵ھ میں مدینہ منورہ سے جاری ہوا جو ماہانہ نکلا۔ یہ علم و ادب کا علمبردار سعودی عرب کے مشہور صحافی مؤرخ ادیب و شاعر مولوی عبدالقدوس انصاری کی ادارت میں نکلا۔ ماہنامہ "الزراعیۃ" کے بعد یہ دوسرا علمی و ادبی

پرچہ تھا۔ یہ ماہنامہ ترقی کے میدان میں اتنا آگے بڑھا کہ اسلوب نگارش اور ظاہری شان و شوکت کے اعتبار سے دنیائے عرب کے مشہور و مقبول پرچوں میں شامل ہو گیا۔ اس رسالہ میں ادبی، اجتماعی، دینی، علمی، تاریخی اور اقتصادی مضامین چھپتے ہیں۔ اس میں دوسرے لوگوں کے علاوہ مضمون نگاروں کی بھی تصاویر شائع ہوتی ہیں۔ یہ رسالہ ۸۰ صفحات پر مشتمل ہوتا ہے۔ سالانہ چندہ بارہ ریال ہے۔ مدینہ منورہ کے بعد سنہ ۱۳۶۵ھ سے مکہ معظمہ سے جاری ہوا اور آج کل جدہ سے نکل رہا ہے اور جدہ کے اصفہانی پریس میں چھپتا ہے۔

یہ پرچہ قطعاً سیاسی نہیں ہے۔ یہ فقرہ میں نے اس لئے لکھا ہے کہ جب میں نے انصاری صاحب کے حالات ان سے معلوم کر کے لکھے اور انہوں نے المنھل کی پالیسی اور مضامین کی نوعیت بتائی تو انہوں نے بار بار اور زور دار لہجہ میں کہا۔ یہ رسالہ سیاسی نہیں، سیاسی نہیں ہے۔

عبدالقدوس انصاری ابن احمد ابن محمد ابن قاسم کا خاندان مکہ معظمہ کا رہنے والا ہے۔ ان کے جد امجد مولانا قاسم کا مکہ کے علماء میں شمار ہوتا ہے اور ان کے والد ماجد حرم شریف مکہ معظمہ میں مدرس تھے بہت دیندار اور خدا ترس بزرگ تھے۔

انصاری صاحب سنہ ۱۳۲۴ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ مسجد نبوی میں ابتدائی تعلیم پائی اس کے بعد متوسط اور عالی کی تعلیم مدرسہ شرعیہ مدینہ منورہ سے پا کر سنہ ۱۳۴۶ھ میں فارغ التحصیل ہونے کی سند لی۔ آپ کے اساتذہ علامہ الطیب الانصاری، مولانا سعید احمد صاحب فیض آبادی اور شیخ محمد تھے۔

انصاری صاحب نے پہلے دیوان امارت المدینہ میں محرری کی اس کے

بعد اسی محکمہ کے رئیس مقرر ہوئے اور دو سال تک "ام القریٰ" اخبار کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیئے۔ نائب جلالۃ الملک امیر فیصل کے دیوان کے محرر بھی آپ بنائے گئے۔ تین سال تک مجلس وکلاء کے سکریٹری رہے۔ مجلس معارف کے ممبر بھی بنائے گئے اور بہت اہم علمی ذمہ داریاں آپ کو سونپی گئیں۔ اب تک آپ ریاست مجلس سے منسلک ہیں۔

انصاری صاحب کو علمی ادبی اور صحافی دنیا میں نمایاں مقام حاصل ہے اور سعودی سرکار میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔ اور علمی و ادبی کاموں میں مصروف رہتے ہیں۔

انصاری صاحب نے کافی کتابیں لکھی ہیں انہوں نے مجھ کو اپنی مخصوص حسب ذیل کتابوں کے نام لکھوائے۔

۱۔ القوان، ۲۔ آثار المدینۃ المنورہ، ۳۔ بناۃ العلم فی الحجاز الحدیث، ۴۔ اصلاحات فی لغت الکتابہ والادب ۵۔ التحقیق المدعم عن مسجد الرایتہ وبئر جبیر بن مطعم ۶۔ تحقیق امکنہ فی الحجاز و تہامہ، ۷۔ الشاعر المجہول، ۸۔ عبدالرحمن الناصر السعدی، ۹۔ تاریخ مدینہ الجدہ، ۱۰۔ الانصاریات (دیوان شعر)۔

انصاری صاحب کو عربی ادب کے ساتھ عربی شعر و شاعری کا بھی ذوق ہے اور سعودی عصر کے موجودہ شعراء میں یہ ایک مخصوص طرز کے موجد ہیں۔ ان کا دیوان شائع ہو کر مقبول عام و خواص کی سند حاصل کر چکا ہے ان کا ایک قصیدہ رسالہ المنہل کے شعر الکتاب النفیس میں جو "... فی" نمبر "دمعۃ العقیق فی یوم المهازة"

کے عنوان کے تحت شائع ہوا ہے اس کے چند اشعار تحریر کئے جاتے ہیں۔[۵]

ھذا التحقیق وقد ھمی تبسما — طلق المحیا، شادیا بسروره
وقراه فی لألائه متلالئا — لنا بین سهوله ووعوره
تتکسر الامواج فوق صخوره — فتقیئ من تأثیره وعبوره

"المدینة" مدینہ منورہ سے ۱۳۵۶ھ میں جاری ہوا۔ جو ہفتہ وار تھا اور مدت مدید تک ہفتہ وار چلتا رہا۔ اس اخبار کے مالک و بانی علی حافظ اور عثمان حافظ تھے۔ یہ اخبار بعد میں ہفتہ میں دوبار نکلنے لگا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر سید امین مدنی اور معاون محمد زیدان، ضیاء الدین صاحب تھے۔ یہ اخبار دوسری جنگ عظیم کی ابتدا میں بند ہو گیا۔ اس لئے کہ جنگ کے دوران اخباری کاغذ سعودی عرب میں آنا بند ہو گیا تھا۔ جنگ کے خاتمہ کے بعد دوبارہ جاری ہوا۔ دوبارہ جاری ہونے کے وقت علی حافظ اور عثمان حافظ کا تعلق اخبار سے نہیں رہا تھا۔ یہ اخبار کچھ عرصہ کے بعد روزانہ نکلنے لگا اور اس کا سعودی عرب کے مقبول و مشہور اخباروں میں شمار ہوتا ہے۔ آج کل یہ جدہ سے شارع المطار سے جاری ہوتا ہے اس کے مدیر عام احمد صداع ۔ ایڈیٹر محمد عبدالقادر علاقی اور مدیر التحریر محمد صلاح الدین ہیں ۔ ۸ صفحات پر اخباری سائز پر نکلتا ہے فی پرچہ چار قرش قیمت ہے۔ ۶۰ ریال سالانہ چندہ ہے۔

عثمان حافظ ابن عبدالقادر ابن علی ابن محمد کے جد امجد ترک تھے۔ چھ سات پشت قبل ان کے بزرگ ترکی سے حجاز آئے اور یہیں کی مستقل سکونت اختیار کرلی۔ عثمان صاحب کے والد ماجد عبدالقادر صاحب مدینہ میں تجارت کرتے تھے۔

عثمان صاحب ۱۳۲۵ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی

تعلیم مدینہ منورہ کے مدرسہ تحضیر میں پائی۔ یہ مدرسہ مدینہ منورہ میں قدیمی تھا جو مسجد نبوی کے آس پاس تھا۔ عثمان صاحب کے اس مدرسہ کے استاد شیخ عبدالغفار شلبی تھے۔ آپ نے ثانوی اور عالی کی تعلیم مسجد نبوی میں پائی۔ اس زمانہ میں مسجد نبوی تعلیم کا بڑا مرکز تھی۔ سید حسن طہٰ مہتمم تھے اور سید احمد اور سید محمد مدرس تھے۔

عثمان صاحب تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد وزارت معارف میں ۲ سال تک سکریٹری رہے اس کے بعد اسی وزارت کی طرف سے درس و تدریس پر لگائے گئے۔

اخبار "مدینہ" نکالنے کی سکیم عثمان صاحب کے پیش نظر تھی اس کے لئے پریس کی ضرورت تھی جس کی فراہمی کے لئے مصر گئے۔ ذیقعدہ ۱۳۵۵ھ میں بڑی کوشش و جد و جہد کے بعد اخبار "المدینہ" نکالنے کی اجازت ملی۔ ۱۳۵۶ھ میں اخبار جاری کیا۔ چار سال تک یہ اخبار نکالتے رہے۔ دوسری جنگ عظیم کی وجہ سے اخبار بند ہوگیا۔ اس کے بعد چار سال وزارت مالیہ میں ملازمت کی، ۱۳۶۵ھ سے ادارۃ الحج میں ملازمت کر رہے ہیں۔ آج کل مدینہ منورہ کے ادارۃ الحج کے مدیر ہیں۔

عثمان صاحب تعلیم پھیلانے اور عوام کی جہالت کو دور کرنے کے متمنی رہتے تھے اور اپنے گھر پر لوگوں کو بلا کر تعلیم کی تلقین کرتے تھے۔ اسی جذبہ کے تحت آپ نے ۱۳۶۵ھ کو ایک مدرسہ المسجدیہ میں تعمیر کرایا اور اس میں ابتدائی تعلیم شروع کرائی۔ اس مدرسہ کے پہلے مدرس سالم دغستانی تھے جو آج کل وزارت معارف میں ہیں۔ اس مدرسہ نے اس قدر ترقی کی تھی کہ اس میں چار سو طلباء تعلیم پانے لگے تھے اب یہ مدرسہ حکومت کے انتظام میں آگیا ہے اور آج کل اس کے صدر مدرس اسی مدرسہ کے تعلیم یافتہ ایک صاحب ہیں۔ اس وقت

اس میں تین سو کے قریب طلبا، تعلیم پا رہے ہیں۔

عثمان حافظ صاحب نے حجاز کی صحافت پر المدینہ اخبار میں کافی مضامین لکھے ہیں اور خاص طور پر المدینہ کے بارے میں ان کے مضامین بڑے حلوماتی ہیں۔ اپنی ایک گفتگو میں انھوں نے مجھ سے اس بات کا اظہار کیا کہ وہ ایک کتاب حجاز کی صحافت پر لکھ رہے ہیں میری ان سے ادارۂ حج مدینہ منورہ کے دفتر میں کافی ملاقاتیں ہوئیں۔ انھوں نے المدینہ اخبار کا قدیمی پریس مدینہ منورہ میں مجھ کو دکھایا۔ علم دوست انسان ہیں۔ ادیبوں صحافیوں اور اہل قلم حضرات سے محبت سے ملتے ہیں۔

ان کے پانچ صاحبزادے ہیں۔ مامون حافظ جدہ کے ایک پریس میں کام کرتے ہیں۔ یعروب حافظ اطالیہ میں زیر تعلیم ہیں۔ محمود حافظ امریکہ میں علم طبقات الارض (پیٹرول وغیرہ نکالنے) کی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ بقایا دو صاحبزادے چھوٹی عمر کے ہیں۔ جو تعلیم پا رہے ہیں۔

محمد ابن حسین زیدان کے جدامجد زیدان کے رہنے والے تھے۔ ان کے والد حسین مدینہ میں تجارت اور زراعت کا کام کرتے تھے۔ محمد صاحب رجب ۱۳۲۷ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ مسجد نبوی اور مدرسۃ الراقیہ الہاشمیہ میں ابتدائی اور عالی کی تعلیم پائی اس کے بعد مدرسہ الراقیہ میں چودہ سال تک درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا۔ رجب نے ۱۳۵۲ھ میں ہندوستان کا سفر کیا۔ کراچی، حیدر آباد سندھ، لاہور، قصور، بمبئی، کلکتہ دہلی، دیوبند اور بنارس وغیرہ کی سیاست کی۔ اور مولانا عبدالقادر قصوری سے قصور میں، دہلی میں مفتی کفایت اللہ صاحب اور کلکتہ میں مولانا ابوالکلام آزاد اور دیوبند میں مولانا حسین احمد مدنی سے ملے۔ اور تبادلہ خیال کیا۔

صحافت میں آپ کو کافی تجربہ ہے ۲۹ سال اسی دشتِ صحافت میں گزارے ہیں۔ "المدینہ" کی ایڈیٹری کے بعد "البلاد" کے ایڈیٹر و مہتمم ہوئے۔ اس کے بعد "الندوہ" اخبار کی ایڈیٹری کے فرائض انجام دیئے۔

البلاد میں آپ نے شرجمیر (انگارہ جمہور) کے عنوان کے تحت تنقیدی اور طنزیہ سلسلہ جاری کیا تھا۔ جو علمی و ادبی میں طبقہ میں بےحد پسند کیا گیا۔ آج کل آپ سعودی اخبارات میں تنقیدی، تاریخی اور ادبی مضامین لکھتے ہیں۔ تاریخ اور حدیث پر ان کو پورا عبور حاصل ہے۔

انھوں نے ہندوستان میں علماء سے ملاقات کرنے اور مختلف مسائل پر تبادلہ خیال کرنے کے بعد مختلف علماء کے بارے میں ایک رائے قائم کی تھی۔ مولانا آزاد کے بارے میں بتایا کہ وہ انتہائی قابل و لائق، روشن خیال اور بے مثال ہستی تھیں۔ مولانا کفایت اللہ صاحب کے بارے میں کہا وہ انتہائی ذہین و ذکی عالم تھے ہر مسئلہ کو جلد سمجھتے اور سلجھاتے رہتے۔ مولانا حسین احمد مدنی کے متعلق فرمایا کہ وہ انتہائی پُرجوش مخلص مرد مجاہد انسان تھے۔

"المنہل الاسلامی" ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء کو یہ ماہنامہ رسالہ جلوہ فروز ہوا۔ اس کے مالک استاد مصطفیٰ اندرقیری تھے۔ کچھ دنوں کے بعد یہ رسالہ موت کا شکار ہوا۔

"شرکت الزیت ۱۳۶۵ھ کو ظہران سے ہفت وار وجود میں آیا جو العربیۃ الامریکہ کمپنی کا آرگن تھا۔ اس کے انگریزی حصہ کا نام (Sun And Flare) الشمس والوہج تھا۔ یہ اخبار بھی بند ہو گیا۔

رسالۃ الحج "۱۳۶۶ھ کو مکہ معظمہ سے شائع ہوا۔ جو ماہنامہ ہے یہ ادارۃ الحج کی طرف سے نکلا تھا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر سید ہاشم یوسف

تھے۔ انھوں نے چند سال ایڈیٹری کی۔ اس کے بعد محمد سعید لعامودی نے ۱۳۷۰ھ میں ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ اور اب تک آپ ہی اس پرچے کے ایڈیٹر ہیں۔

اس پرچہ میں اسلامی تاریخی موضوعات پر مضامین لکھے جاتے ہیں اس کے بعد حج اور حجاج سے متعلق معلومات فراہم کی جاتی ہے۔ یہ رسالہ بھی اب تک جاری ہے۔

سید ہاشم یوسف زدادی اچھے ادیب ہیں اور صاحب تصانیف ہیں۔ ان کی مشہور کتاب "نفثات من اقلام الشباب الحجازی" ہے جس کی ترتیب و تالیف میں سید علی حسن فدعق نے بھی حصہ لیا ہے۔

محمد سعید العامودی ۱۳۲۳ھ مطابق ۱۹۰۵ء میں مکہ میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد ماجد عبدالرحمٰن صاحب مکہ میں تجارت کرتے تھے۔ عامودی صاحب نے مدرسہ الفلاح مکہ معظمہ میں ابتدائی وثانوی کی تعلیم پائی اور اسی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہوئے۔ اس مدرسہ کے اس زمانے کے مشہور اساتذہ شیخ عبداللہ حمدوہ، سید محمد طاہر دباغ، شیخ محمد امین فودہ، شیخ احمد ناصرین، شیخ عیسیٰ رواس اور شیخ حبیب اللہ شنقیطی وغیرہ تھے۔

تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد انھوں نے مطالعہ کتب کیا جس کی وجہ سے مختلف علوم و فنون کی دینی، ادبی، تاریخی کتابیں انھوں نے جمع کیں۔ اور حجاز کے اخباروں میں اپنے مضمون اور قصائد چھپوانے شروع کیے غیر ملکی اخباروں نے بھی آپ کے قصائد چھاپے خاص طور پر قاہرہ کے اخبار المقتطف اور الہلال نے آپ کے قصائد طبع کیے۔ ۱۹۳۳ء میں الہلال کے کسی پرچے میں آپ کا ایک قصیدہ شائع ہوا۔ جس پر آپ کو انعام ملا۔

آپ نے دو برس تک وزارت المعارف کے شعبہ صحافت ونشریات میں سکریٹری کی حیثیت سے ملازمت کی۔ اس کے بعد محکمہ بری وبرید کے محکمہ میں بحیثیت رئیس ملازم ہوئے اور یہ اہم ذمہ داری تیرہ سال تک نبھائی سنہ ۱۳۷۲ھ سے سنہ ۱۳۷۵ھ تک مجلس الشوریٰ کے ممبر رہے سنہ ۱۳۸۲ھ میں موتمر الثقافی جامعۃ الاول العربیہ منعقد ہوئی۔ اس میں آپ بحیثیت ممبر کے شریک ہوئے۔

شعبہ ونشر واشاعت کی ملازمت کے زمانہ میں الاصلاح کی مہتمی کی۔ صوت الحجاز کے ابتدائی زمانے سنہ ۱۹۵۲ء میں اس کے ایڈیٹر رہے سنہ ۱۳۶۹ھ میں الحج کی ادارت کی ذمہ داری سنبھالی۔ مجلس شوریٰ کی ممبری سے علیحدہ ہونے کے بعد رابطہ عالم اسلامی کے کاموں میں دلچسپی لینی شروع کی۔ اور آجکل رسالہ رابطہ عالم اسلامی کے ایڈیٹر بھی ہیں۔

آپ کی مشہور تصنیف "من تاریخنا" ہے جس میں حسب ذیل مضامین ہیں۔

۱۔ سیاست المال فی عہد عمر بن الخطاب ۲۔ عمر بن الخطاب والقیادۃ الاجتماعی ۳۔ من اولیات عمر ۴۔ العناصر النفسیہ فی سیاست العرب ۵۔ تاریخ العرب الموجز ۶۔ الموالی فی العصر الاموی ۷۔ من نوادر المخطوطات ۸۔ من تاریخ الصحافت فی بلادنا، وجل الحرب نطوی المخابرات۔

اس کتاب کے مضامین پہلے المنہل اور الحج رسالوں میں شائع ہو چکے تھے۔ یہ کتاب ۱۲۶ صفحات پر مشتمل ہے جس پر جو مقدمہ سید عبدالقدوس انصاری ایڈیٹر المنہل نے لکھی ہے۔

عامودی صاحب ایک کتاب "اعلام المکیین" مرتب کر رہے ہیں جس میں

تک سعودی کی علمی، ادبی شخصیتوں اور امراء و معززین کے حالات درج ہوں گے۔
عامودی صاحب بھی شعر و شاعری سے دلچسپی رکھتے ہیں اور اچھا شعر کہتے ہیں۔ ایک نظم جس کا عنوان "علی ضفاف جدول" ہے اس کے شروع کے چند شعر نقل کئے جاتے ہیں ؂

جدول الماء قد هجت بكائی | دعویلی و زدت من برحائی
وكان الدموع آلت بأن تشـ | به مائيك من غير الماء
انت اذكرتنها العزام فما | إن ذكرا لعزام صل بلائی

"الغرفة التجاریہ" جدہ سے ۱۳۶۷ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں یہ ماہنامہ عالم وجود میں آیا جس کے ایڈیٹر محمد راسم صاحب تھے۔

الیمامہ۔ ریاض سے ۱۳۷۲ھ میں جاری ہوا۔ جو ہفتہ وار تھا۔ اور جلیل القدر اور محقق زمانہ شخصیت استاد حمد الجاسر کی کوششوں کا مرہونِ منت تھا۔ اس میں ادبی تاریخی اور دینی بلند پایہ مضامین شائع ہوتے تھے جو حجاز کے اہلِ قلم حضرات کے شاہکار ہوتے تھے۔ ؎۱

قافلۃ الزیت ۱۳۷۲ھ مطابق ۱۹۵۳ء کو ظہران سے شائع ہوا۔ جو شرکۃ الزیت العربیہ امریکیہ کے اہتمام میں نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر استاذ شکیب الاموی اور مہتمم سیف الدین عاشور تھے۔

شکیب الاموی صحافی ہونے کے ساتھ ادیب بھی تھے اور صاحب تصانیف بھی تھے۔ ان کی تین کتابیں قابلِ ذکر ہیں۔ جن کے نام یہ ہیں:۔
۱۔ اصداء النغم ۲۔ مضافات الصحراء، شهوات محمومة۔
رسالہ الریاض ۱۳۷۳ھ میں جدہ سے جاری ہوا۔ جو ماہانہ اور

؎۱ من تاریخنا ص ۱۰۴

مصوّر تھا۔ اس کے مہتمم استاذ سید احمد عبید اور ایڈیٹر استاد مدنی بن حمد تھے۔

وزرۃ الزراعہ۔ ذالحجہ سنہ ۱۳۷۳ھ میں جلوہ نما ہوا۔ بعد میں اس کا نام مجلۃ الزراعہ تبدیل کیا گیا۔ یہ سہ ماہی رسالہ تھا۔

اخبار الظہران دمام سے سنہ ۱۳۷۴ھ کو ظہور پذیر ہوا۔ اس کے ایڈیٹر عبد الکریم بن جہیمان تھے۔

عبد الکریم بن جہیمان سنہ ۱۳۳۳ھ کو غسلہ شہر میں پیدا ہوئے۔ اور اسی شہر کے مدرسہ میں ابتدائی تعلیم پائی اور سنہ ۱۳۴۶ھ کو اپنے والد ماجد کے ساتھ ریاض آئے یہاں قرآن مجید حفظ کیا اور بعض علوم دینی کی تعلیم پائی اور سنہ ۱۳۴۹ھ میں معہد العلمی میں داخل ہوئے۔ وہاں چار سال تعلیم پانے کے بعد سنہ ۱۳۵۳ھ میں مکہ معظمہ پہنچے اور وہاں کے مدرسوں میں تعلیم پا کر فارغ التحصیل ہوئے۔ اس کے بعد اخبار الظہران نکالا۔ جو زیادہ چل نہیں سکا اور بند ہو گیا۔ اسوقت ملازمت کی فکر ہوئی تو سنہ ۱۳۷۷ھ کو وزارت عالیہ میں ملازم ہوئے۔ سعودی عرب کے مشہور ادیبوں میں آپ کا شمار ہے۔ چند کتابیں زیر ترتیب ہیں اور چند زیر طبع ہیں۔

الفجر الجدید سنہ ۱۳۷۳ھ میں وجود میں آیا۔ اس اخبار کے مالک احمد بن یعقوب شیخ تھے۔ اس کا صرف ایک ہی شمارہ نکلا اور بند ہو گیا۔

الاذاعۃ السعودیہ سنہ ۱۳۷۵ھ میں جدہ سے شائع ہوا۔ جو ماہنامہ تھا۔ مدیر العام الاذاعہ والصحافہ والنشر کے اہتمام میں نکلتا تھا محکمہ اذاعہ کا جو مدیر ہوتا تھا وہی اس کی طباعت کا انتظام کرتا تھا۔ یہ پرچہ صحافت کے معیار کے مطابق سعودی عرب کے تمام پرچوں میں فوقیت رکھتا ہے۔ اگرچہ

یہ رسالہ شعبہ ریڈیو کا آرگن ہے لیکن اس میں بڑے قابلِ قدر تاریخی، ادبی، تنقیدی، علمی اور معلوماتی مضامین شائع ہوتے ہیں جو مدلّل و مستند ہوتے ہیں۔ ایسے وقیع اور باوزن مضامین سعودی عرب کے کسی رسالہ میں مجموعی اعتبار سے شائع نہیں ہوتے۔ یہ رسالہ کچھ مہینے سے نکلنا بند ہوگیا ہے۔

الاشاع بالخبر ۱۳۷۵ھ میں ظہور پذیر ہوا۔ یہ ماہنامہ تھا۔ اس کے مالک استاذ سعد البواری صاحب تھے۔ یہ زیادہ دیر جاری نہیں رہ سکا اور بند ہوگیا۔

الاضواء ۱۳۷۶ھ مطابق ۱۹۵۷ء کو جدہ سے شائع ہوا۔ جو ہفتہ وار تھا، اس کے اڈیٹر محمد سعید باعشن تھے یہ بھی زیادہ زندگی نہیں پاسکا اور بند ہوگیا۔

رسالہ حِسر ۱۳۷۶ھ میں مکہ معظمہ سے جلوہ نما ہوا۔ یہ ہفتہ وار تھا۔ اس کے ایڈیٹر احمد جمال صاحب تھے۔ اس اخبار کی عمر صرف ایک سال رہی۔

حرا کا نام ۱۳۷۷ھ مطابق ۱۹۵۸ء میں ،لندوہ بدل دیا گیا۔ جس کے ایڈیٹر احمد السباعی مقرر ہوئے اور جمال محمد صالح بھی اس کے ادارہ میں شامل تھے یہ روزانہ نکلتا تھا۔

آج کل اس اخبار کے مدیر عام الموسہ ڈاکٹر حامد ہرسانی اور ایڈیٹر حامد مطاوع ہیں۔ آٹھ بڑے سائز کے صفحات پر نکلتا ہے۔ چار قرش ایک پرچہ کی قیمت ہے اور سالانہ چندہ ۷۰ ریال ہے۔

صالح احمد جمال سعودی عرب کے نامور ادیب ہیں اور صاحبِ تصانیف ہیں۔ ان کی مشہور تالیف "دلیل الحاج المصور" ہے۔ عرفات اور البلاد السعودیہ کو ملاکر البلاد کے نام سے روزانہ اخبار جدہ سے جاری ہوا۔ جس کے ایڈیٹر احمد جمال تھے اور آج کل مدیر عام عبد اللہ دباغ، اڈیٹر عبد المجید شبکشی اور مہتمم عبد الغنی قشی اور ادارہ میں مولوی ابوتراب شامل ہیں۔ آٹھ صفحات پر مشتمل ہے۔

ایک پرچہ کی قیمت چار قرش اور سالانہ چندہ ... ریال ہے۔

ا۔ عبدالمجید شبکشی صاحب کے والد ناجی علی جدہ کے تاجر تھے۔ یمنی لے بیوپاریوں سے تجارت کرتے تھے۔ شبکشی صاحب ... مطابق ... میں پیدا ہوئے۔ آپ کی ۱۹۶۶ء میں ۴۰ سال کی عمر تھی۔ مدرسہ الفلاح جدہ میں جناب حسین عطر جامعہ ازہر، محمد صوفی، شیخ عبدالوہاب نشار اور شیخ عمر سے تعلیم پائی۔ پہلے برق و برید کے محکمہ میں ملازم ہوئے۔ پھر جدہ کی پولیس کے مدیر بنائے جانے کے بعد جوازات (پاسپورٹ) کے مدیر مقرر ہوئے۔ مدیر ادارہ الحج جدہ بھی ہوئے۔ اس کے بعد مدیر مراقبت اوزاجات ہوئے پچیس سال ملازمت کرنے کے بعد پنشن لے رہے ہیں اور دو سال سے البلاد کی ایڈیٹری کی ذمہ داری سنبھالی ہے۔

۲۔ شبکشی صاحب کے دو صاحبزادے فوزی اور اسامہ ہیں۔ فوزی جاپان میں کونسل ہیں۔ اسامہ طب کی تعلیم پا رہے ہیں۔ دونوں صاحبزادے سعادتمند اور ذہین ہیں۔

عبدالغنی قشی صاحب کے والد محمد الصغیر صاحب ہیں جو جاوی حاجیوں کے معلم ہیں۔ عبدالغنی صاحب ... میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۶۶ء میں ان کی عمر تیس سال کی ہے۔ مدرسہ صولتیہ مکہ معظمہ میں تعلیم پائی۔

تعلیم پانے کے بعد بلدیہ مکہ معظمہ میں ملازمت کی سولہ سال سے البلاد اخبار کے ادارہ میں شامل ہیں۔ سعودی عرب کے ترقی پسند ادیبوں میں آپ کا شمار ہے۔ شعر و شاعری کا بھی شوق ہے۔ "احزانِ قلب" آپ کا دیوان ہے جو طبع ہو چکا ہے۔ سعودی عرب کے مختلف اخباروں میں ان کا کلام چھپتا ہے۔ اگر ان کے کلام کو جمع کر کے چھاپا جائے تو دو دیوان اور تیار ہو سکتے ہیں۔

سیاحت کا بھی آپ کو شوق ہے۔ عربی ممالک کے علاوہ ایران کی بھی سیاحت کر چکے ہیں۔ ابھی تک غیر شادی شدہ ہیں۔

۳۔ مولوی ابو تراب بن مولانا عبدالحق بن عبدالواحد بھاولپور کے رہنے والے تھے۔ مولوی عبدالحق صاحب حرم شریف کے شیخ الحدیث تھے جلالۃ الملک عبدالعزیز نے ان کو حرم شریف میں درس دینے کے لئے بھاولپور سے طلب کیا تھا اس کے بعد ان کو سعودی عرب کی شہریت دی۔ مولوی عبدالحق صاحب کے استاد علامہ نذیر حسین صاحب محدث دہلوی، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا محمود الحسن دیوبندی تھے آپ کی تقریباً ستر اسی کے قریب تصانیف ہیں آپ نے ہندوستان اور حرم شریف میں ۶۵ سال تک علم حدیث کا درس دیا۔ اسی بنا پر آپ کے کافی شاگرد ہیں۔

مولوی ابو تراب ۱۹۲۴ء میں بھاولپور میں پیدا ہوئے ۱۹۶۶ء میں آپ کی ۴۲ سال کی عمر ہے۔ بھاولپور کے مدرسہ الکتاب السنہ میں تعلیم پائی۔ ۱۹۴۵ء میں جامعہ ازہر گئے، اور چار سال تک تعلیم پانے کے بعد بھاولپور واپس آ گئے اور اپنے والد صاحب کے ہمراہ سعودی عرب آئے آپ بھی حرم شریف میں صرف و نحو اور کتب دینیہ پڑھاتے رہے۔ گیارہ سال سے صحافتی زندگی گزار رہے ہیں، البلاد کے ادارے میں ہی گیارہ سال سے شامل ہیں۔ اور وزارت الاعلام میں بھی مترجم کی حیثیت سے ملازم رہا۔ آپ نے مجھ کو وزارت الاعلام (شعبہ ریڈیو) سے کافی معلوماتی کتابیں دلوائیں۔

الروضۃ الاطفال مکہ سے ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۵۹ء میں جاری کیا۔ جو ہفتہ وار تھا۔ اس کے ایڈیٹر طاہر زمخشری تھے۔ اس اخبار میں تصویریں چھپتی تھیں۔ یہ چھوٹی عمر میں لقمہ اجل بن گیا۔

طاہر زمخشری ۱۳۳۲ھ میں مکّہ میں پیدا ہوئے۔ مدرسۃ الفلاح میں تعلیم پائی حکومت سعودی میں ۱۳۵۰ھ سے ملازمت شروع کی ۱۳۶۹ھ کو محکمہ الاذاعہ کے مدیر مقرر ہوئے۔ ان کو شعر و شاعری کا بچپن سے شوق تھا۔ ان کے تین دیوان اصدار الرابیہ احلام الربیع اور آنا رید الصحرا ہیں۔ ان کی کہانیوں کی کتاب بھی ہے جس کا نام علی حافۃ الحیاۃ ہے (فکر الیوم)

الرائد ۱۳۷۹ھ میں وجود میں آیا جو مہینے میں دو بار نکلتا تھا۔ اس کے ایڈیٹر عبدالفتاح ابو مدین تھے۔

اخبار قریش مکّہ معظمہ سے یکم جمادی اوّل ۱۳۷۹ھ مطابق ۳ نومبر ۱۹۵۹ء میں ہفتہ وار جلوہ افگن ہوا۔ بڑے سائز کے سولہ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ایڈیٹر احمد السباعی شاذ تھے۔ فی پرچہ آٹھ قرش تھا۔ اس میں علمی ادبی تاریخی مضامین چھپتے ہیں۔

احمد السباعی نے مدارس امیریہ میں کافی عرصہ تک درس و تدریس کے فرائض انجام دیئے۔ آپ ایک اچھے اور لائق معلم ہی نہیں ہیں بلکہ نامور ادیب و شاعر اور مسلمہ مورخ بھی ہیں اور فن تجوید پر ان کو پورا عبور حاصل ہے۔ صحافت میں ان کی زندگی کا بیشتر حصہ گذرا۔ صورت الحجاز اور الندوہ کے ایڈیٹر رہے اور اپنی ملکیت۔ ایڈیٹری میں قریش بھی جاری کیا۔ صاحب تصانیف ہیں فقہ، حدیث اور تفسیر پر بڑی مستند اور وقیع کتابیں لکھی ہیں۔ جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں۔

۱۔ تاریخ مکہ ۲۔ فکرہ، ۳۔ الزماعل، ۴۔ دعونا نمشی ۵۔ مسلم القراۃ العربیۃ، ۶۔ صحیفۃ السوابق، ۷۔ مطوفون و

حجاج (قصہ) ۔ المرشد الی الحج والزیارۃ ۔ یو میات مجہول۔

القصیم ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۹۶۰ء میں ریاض سے شائع ہوا۔

المعرفت شعبان ۱۳۷۹ھ مطابق فروری ۱۹۶۰ء میں ریاض سے جاری ہوا۔ جو وزارت المعارف ریاض کا ترجمان تھا جو سال میں تین مرتبہ ربیع الثانی، شعبان اور ذی الحجہ کو نکلتا تھا۔

الجزیرہ ریاض ذیقعدہ ۱۳۷۹ھ مطابق اپریل ۱۹۶۰ء میں عالم وجود میں آیا جو ماہنامہ تھا۔ اس کے رئیس التحریر یعنی ایڈیٹر استاد عبداللہ بن خمیس تھے۔

عبداللہ بن خمیس ایک اچھے ادیب ہیں اور صاحب تصانیف بھی ہیں۔ ان کی دو کتابوں کے نام "الادب الشعبی فی جزیرۃ العرب" اور "شھر فی دمشق" معلوم ہو سکے۔

عکاظ طائف سے ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ کو جلوہ نما ہوا جو ہفتہ وار تھا۔ اس کے ایڈیٹر احمد عبدالغفور عطار اور مہتمم الساد عزیز ضیار تھے۔ یہ اخبار آجکل جدہ سے روزانہ نکلتا ہے، مدیر عام عمر یوسف عبدربہ، ایڈیٹر عبداللہ عمر خیاط اور مہتمم عبداللہ احمد الداری ہیں، آٹھ صفحات پر نکلتا ہے۔ ایک پرچہ کی قیمت آٹھ قرش ہے۔

عطار صاحب نے یہ اخبار اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے نکالا جس کا اہل وہ آزادی کے ساتھ کر سکیں اس مقصد پر عمل ہوا اور جہاں انھوں نے دوسرے ملکوں کے کاموں پر تنقید کی وہاں اپنے ملکی معاملات میں اپنی حکومت کو بھی نہیں بخشا اور تنقید و تبصرہ سے باز نہیں

آئے، چنانچہ اس اخبار میں پلاننگ کے سلسلہ میں سعودی عرب کے وزیر مالیات کے طریقہ کار پر تنقید کی، جس پر شاہ سعود نے ان کو طلب کیا، جب انھوں نے شاہ سعود کے پاس جانے سے انکار کیا تو ان کے اعتراض کی تحقیقات کرنے کے لئے ایک کمیٹی کا تقرر ہوا، آپ نے اس کمیٹی کے سامنے اپنے دلائل پیش کئے، جس سے کمیٹی مطمئن ہو گئی۔

جس زمانے میں الجزائر کے مجاہدین پر فرانسیسی حکومت بے پناہ مظالم کر رہی تھی اور دس لاکھ سے زائد الجزائریوں کو شہید کر دیا تھا، اس وقت پاپائے روم کی امن پسندی کو اس اخبار نے بے نقاب کیا اور لکھا اگر چار پانچ عیسائی کسی جنگ میں شہید ہو جاتے تو پاپائے روم بلبلا اٹھتے اور ان کی رگ حمیت پھڑک اٹھتی اور امن خطرہ میں ہے کا نعرہ لگا کر شہیدوں کی حمایت میں لمبا چوڑا بیان دیتے، لیکن چونکہ الجزائر میں شہید ہونے والے مسلمان تھے، اس لئے پاپا نے سکوت اختیار کیا، اور کسی قسم کی بھی مخالفانہ آواز نہیں اٹھائی۔ اخبار کے اس تبصرہ پر دنیائے عیسائیت چلا اٹھی اور تقریباً عیسائیوں کی تمام حکومتوں نے سعودی حکومت سے احتجاج کیا، جس میں پیش پیش [illegible] حکومت پیش پیش تھی۔

غالباً سنہ ۱۳۸۰ھ کا واقعہ ہے کہ پنڈت جواہر لال نہرو وزیر اعظم ہند نے اسرائیل کے وزیر خارجہ گولڈا مائر کو [illegible] میں دعوت دی تھی اس دعوت کو اس اخبار نے ناپسندیدہ قرار دیا اور تحریر کیا کہ ہندوستان کو عرب کا دوست بننے کے [illegible] کے [illegible] دشمن اسرائیل کے وزیر خارجہ کو دعوت دینا عربوں کی توہین کرنا ہے اور [illegible] کا مذاق اڑانا ہے۔

شاہ سعود کے عہد حکومت میں امیر فیصل اور شاہ سعود میں کچھ فروعی اختلافات تھا جس کو وہاں کے خود غرض لوگوں نے خوب ہوا دی اور دشمنی کو بڑھانے کے لئے ناپاک طریقے اختیار کئے گئے۔

۱۳۸۰ھ میں جب جاپان کی تیل کمپنی کا شاہ سعود کے دور میں حکومت سعودی سے معاہدہ ہوا تو شاہ کے حامیوں نے امیر فیصل کو بدنام کرنے کے لئے لبنانی اخبارات میں یہ بیان شائع کرایا کہ یہ معاہدہ امیر فیصل نے تیل کمپنی سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے کرایا ہے،

اس زمانہ میں امیر فیصل ..... امریکہ گئے ہوئے تھے، انھیں اس معاہدہ کا کوئی علم نہیں تھا چنانچہ ان کے دفتر کی طرف سے ان کے بیان کی تردید سعودی اخبارات میں شائع ہوئی سوائے عکاظ کے کسی نے بھی نمایاں طور پر جلی سرخیوں میں اسکو شائع نہیں کیا، کونے کھدرے میں جگہ دی، جس کا بدلہ لینے کے لئے شاہ سعود کے سرکاری حامیوں نے عطار صاحب پر عتاب نازل کرنا شروع کر دیا۔ اور اخبار کے ساتھ اخبار کی مشینوں اور عمارت سے ان کو بے دخل کر دیا اور اپنے قبضہ میں لیکر دوسروں کے زیر انتظام میں دیدیا، بڑی جدوجہد کے بعد ایک سال گذرنے پر انکو عکاظ اخبار نکالنے کی اجازت ملی لیکن پریس اور عمارت سے جب بھی محروم رکھا میرے علم میں سعودی عرب میں عکاظ ہی وہ واحد اخبار ہے جس نے حق کہنے کے بدلے میں اذیت و پریشانی کو بہتر سمجھا،

شیخ احمد عبد الغفور عطار کے بزرگ بنگالی تھے، ان کے دادا جناب مولوی نور بنگال میں تبلیغ اسلام کرتے تھے، ان کے والد عبد الغفور صاحب مکہ معظمہ آئے اور انھوں نے یہیں بود و باش اختیار کر لی، اور مکہ میں تجارت شروع کی، بنگال میں جاتے رہتے تھے۔

شیخ احمد عطار ۱۳۳۷ھ میں مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے حرم شریف میں سید امین کتبی سید علوی مالکی اور مولانا عبید اللہ دہلوی سے ابتدائی تعلیم پائی، ثانوی کی تعلیم معہد العلمی میں حاصل کی ۱۳۵۵ھ میں فارغ التحصیل ہوئے، مصر میں جدید تعلیم حاصل کرنے کے لئے گئے، ایک سال دار العلوم علیہ میں تعلیم پائی ۱۳۵۶ھ سے ۱۳۵۹ھ تک تین سال پولیس کے محکمہ تحقیق میں ملازمت کی۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد کتب بینی کا مشغلہ اختیار کیا، ملازمت کے زمانہ سے تصنیف و

تالیف کا سلسلہ جاری تھا۔ [illegible] عبدالعزیز کے دور میں [illegible]
جرمنی کے تمام مستشرقوں کے خلیفوں کی توانا پرچار رہا ہے [illegible]
کا ہے۔ عطار صاحب کی تقریباً ۲۰ تصانیف ہیں جن کتابوں کے نام معلوم ہو سکے وہ یہ ہیں
۱۔ صقر الجزیرہ۔ تین جلدوں میں ہے یہ حسین بن شریف حسین اور جلالۃ الملک عبد العزیز کے
اختلافی نظریات پر روشنی ڈالی ہے اور انگریزوں کی حساد وحدت کو بے نقاب کیا ہے
۲۔ الھویٰ والشباب۔ یہ آپ کے کلام کا مجموعہ ہے جو [illegible] میں طبع ہوا۔
۳۔ اریدان اری اللہ ۔ افسانوں کا مجموعہ جو ۱۳۶[illegible] میں چھپا۔ ۴۔ ادار الغرفی
اللغت ۱۳۸۳ھ میں چھپی۔ ۵۔ الخرج والشرائع ۶۔ محمد بن عبد الوہاب
۷۔ قاموس الصحاح للجوہری۔ یہ چھ جلدوں پر مشتمل ہے۔ اور حماد بن جوہری کی
مستند لغت مانی جاتی ہے، اس کو آپ نے ایڈٹ کیا ہے۔ مقدمہ کے طور پر آپ نے ایک جلد لکھی ہے
البتوعۃ فی الاسلام۔ کمیونزم کے خلاف یہ کتاب لکھی گئی ہے جس میں اس کی تردید
وتکذیب کی گئی ہے۔ ۹۔ الزفیع علی لغت القرآن۔ یہ آپ کی تازہ تصنیف ہے۔

آپ کی پہلی شادی ۱۳۵[illegible]ھ میں ہوئی۔ اس کے بعد اور بھی شادیاں کیں [illegible] لڑکے
شام، ہاشم، ہمام اور ہانی ہوئے ہشام سوئٹزرلینڈ میں میکینک کا فن پڑھ رہے ہیں ہاشم سعودی عرب
میں اس سال میٹرک کا امتحان دیں گے۔ ہمام اور ہانی بھی زیر تعلیم ہیں

رسالہ رایۃ الاسلام ذی الحجہ ۱۳۷[illegible]ھ کو وجود میں آیا [illegible]
کلیۃ الملک عبد العزیز الحربیۃ ۱۳۷[illegible]ھ میں [illegible]
ماہانہ مصور رسالہ ہے اس کے مہتمم محمد ابراہیم التہندی [illegible]
اور تاریخی مضامین بھی چھپتے ہیں

رسالہ الرابطۃ العالم الاسلامی ربیع الاول [illegible]
رابطہ العالم الاسلامی کا آرگن ہے [illegible]
اس کے پہلے ایڈیٹر حسین عبداللہ سراج تھے بعد میں عبد الباسط [illegible]

الریاض ریاض سے ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوا محکمۂ صحافت و طباعت و نشریات کے اہتمام میں نکلتا ہے ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے ہفتہ وار نکلتا تھا اب روزانہ ہوگیا ہے ایک پرچہ کی قیمت پانچ قرش ہے

الیوم دمام جلزۃ السلطان سے ۱۳۸۵ھ میں یہ روزانہ اخبار وجود میں آیا جس کے مہتمم عبد العزیز بن کاملین ہیں ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے ایک پرچہ کی قیمت پانچ قرش ہے۔ یہ اخبار طباعت و کاغذ کے اعتبار سے بہت عمدہ ہے۔ خبروں کے علاوہ مضامین بھی کافی معیاری ہوتے ہیں،

الیمامہ ریاض سے ۱۳۷۲ھ میں رونق افروز ہوا۔ ہفتہ وار تھا۔ مہتمم عبد اللہ بن عدوان ہیں۔ ادبی علمی اور فنی اخبار ہے ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ فی پرچہ ۵ قرش قیمت ہے

الدعوۃ شارع الامام احمد حنبل ریاض سے ۱۳۸۵ھ میں یہ روزانہ اخبار ظہور پذیر ہوا۔ اس کے ایڈیٹر عبد اللہ بن ادریس ہیں۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل ہے قیمت فی پرچہ پانچ قرش ہے،

الدفاع۔ ریاض سے یہ سہ ماہی رسالہ محرم ۱۳۸۵ھ میں نکلا۔ محکمہ شؤون العامۃ الجیش کے اہتمام میں نکلتا ہے۔ فوجی ثقافتی اور اجتماعی مضامین اس میں چھپتے ہیں۔ ایک کمیٹی اس کی نگرانی کرتی ہے اس کمیٹی کا سربراہ اخبار کا ایڈیٹر ہوتا ہے۔ اس اخبار کے ایڈیٹر عبد الرحمن ابو السمح عمران مصطفیٰ کمال محمد صالح السفیانی، یوسف السلوم اور صفی المداح ہیں۔ ۷۲ صفحات پر مشتمل ہے۔

حکمران طبقہ کی خبریں، ان کی تقریریں اور ان کی ہر نقل و حرکت کی اشاعت ان اخبارات کا بڑا مقصد ہے، اور اسی قسم کی خبروں سے اخبارات بھرے رہتے ہیں، لیڈروں کی بھی جیسی تمنائیں ہیں اور ان کا مقصد زندگی بھی یہی ہے۔ قوم کی بھلائی اور ملک کی فلاح و بہبودگی سے ان کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے اور یہ لوگ اپنے ذہن و دماغ کو ایسی باتوں کے سوچنے اور غور کرنے کا موقع نہیں دیتے۔ سہ

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے!

محمد وقار مجید ذخیرہ

حرفِ آخر

"تاریخ صحافت" کے پانچویں مضمون چند اخبارات کی سالگرہ کا ذکر [illegible]

کی ترتیب دینے میں مجھ کو جناب تنویر علوی پروفیسر [illegible] کالج نے بڑی اعانت فرمائی آپ نے [illegible]

پرنسپل [illegible] کالج "گلشن" میں پرانے اخبارات کی ایک جلد عنایت فرمائی جس میں مطلع الانوار [illegible]

۱۸۵۰ء کے نو پرچے سیفِ پنجاب لاہور ۱۸۵۸ء کے پانچ شمارے [illegible] لاہور ۱۸۵۰ء

کے نو پرچے چشمۂ فیض سیالکوٹ ۱۸۵۶ء کے پانچ پرچے اور کوہ نور ۱۸۵۹ء کے تیرہ شمارے ہیں۔

تاریخ صحافت اردو میں ان مذکورہ اخبارات [illegible] اخبار سیفِ پنجاب لاہور اور مطلع الانوار گوجرانوالہ

ایسے تھے جن کا ذکر تاریخ صحافت اردو کی پہلی جلد میں نہیں تھا ان اخبارات سے میں نے استفادہ کیا

اور مفید مطلب چیزیں اخذ کیں۔

"روحِ صحافت" میں دسواں مضمون "حجاز کی صحافت" ہے [illegible]

لیکن ایسی سرزمین سے وابستہ ہے جس کی صحافتی تاریخ سے باخبر ہونا اہل علم [illegible]

میں تاریخ صحافت حجاز پر ایک مستقل کتاب لکھنی چاہتا تھا جس کے لیے [illegible]

تھی چونکہ مکمل معلومات فراہم نہ ہو سکیں اس لیے کتاب تیار نہ ہو سکی ایک مضمون [illegible]

مجھ کو سرزمین حجاز میں کئی مرتبہ جانے کی سعادت حاصل ہوئی اس دوران کے [illegible]

ادیبوں اور خاص طور پر صحافیوں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں صحافت پر خصوصی [illegible]

حاصل کیں اور یہ مضمون تیار ہوا۔

اس مضمون کی تیاری میں جناب احمد مدنی ادارہ [illegible]

معظمہ میاں سعدی [illegible] مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی [illegible]

احمد مدنی ادارہ [illegible] صدیقی [illegible]

عثمان [illegible] صاحب سے [illegible] ان سب کا [illegible]

[illegible] کے سلسلے میں انھوں نے لکھے تھے

[illegible] اپریل ۱۹۷۷ء کو ہوئی۔

[illegible] مکہ معظمہ میں جناب مولوی محمد شمیم صاحب نائب مہتمم مدرسہ صولتیہ [illegible] رابطہ عالم اسلامی کے دفتر گیا جناب شیخ محمد سرور صبان صاحب سکریٹری رابطہ عالم اسلامی سے [illegible] صحافت [illegible] معلوم کئے اور [illegible] سرور صبان صاحب سعودی عرب کے مشہور شاعر اور [illegible] نے [illegible] محمد سعید العامودی ایڈیٹر رسالہ الحج اور ایڈیٹر رسالہ رابطہ عالم اسلامی سے ملاقات ہوئی آپ سے حجاز کی صحافت کے بارے میں تبادلہ خیال ہوا انھوں نے اپنی ایک تالیف [illegible] عنایت کی جس میں ایک مضمون حجاز کی صحافت پر ہے۔

۱۳ اپریل ۱۹۷۷ء کو مکہ معظمہ میں ہی میاں اسعدی کے ہمراہ جناب عبدالغفور عطار صاحب سابق ایڈیٹر اخبار عکاظ کے [illegible] کے مکان پر پہنچا انھوں نے اپنی تصانیف مجھ کو دیں [illegible] حجاز کی صحافت پر [illegible] اخبار عکاظ کی ضبطی کی داستان سنائی اور اپنے حالات زندگی بھی لکھوائے۔ عطار صاحب کا حجاز کے [illegible] اور حق گو صحافیوں میں شمار ہوتا ہے۔

جدہ میں جناب اعجاز احمد صاحب سے ملے ۱۹۴۷ء کے ہنگامہ سے قبل دہلی میں ہندوستان ٹائمز پریس میں کام کرتے تھے ہنگامہ کے بعد ہجرت کر کے کراچی چلے گئے۔ وہاں سے ان کو اصفہانی [illegible] اپنے پریس میں کام کرنے کے بلایا ان کو دہلی اور [illegible] سے بے پناہ محبت تھی۔ جو [illegible] آتا [illegible] جدہ میں تو ان سے ملاقات کرتے اور اس کی خاطر مدارات کرنے میں [illegible] ۱۹۷۷ء کے حج میں ہماری آپ سے جدہ میں ملاقات ہوئی حج کے [illegible] انھوں نے ہم سے وہی سلوک کیا جو دہلی کے حاجیوں کے ساتھ کرتے تھے [illegible] کافی اخبارات کے دفتر میں پریسوں کی تعداد بھی کافی ہے اس لئے [illegible] ایڈیٹروں سے اعجاز احمد صاحب کے ہمراہ ملاقاتیں ہوئیں۔

[illegible] مغرب [illegible] پڑھنے کے بعد [illegible] الانصاری ایڈیٹر رسالہ المنہل سے ملاقات